ساقی بیار بادہ کہ رمزے بگو یمت
از سیر اخترانِ کہن سال و ماہِ نو

تاریخِ خیرآباد
اور
تذکرۂ علماء ودانشوران

مؤلفین: مولاناعبداللہ خالدقاسمی • مولاناضیاءالحق خیرآبادی

مکتبہ ضیاءالکتب خیرآباد

ساقی بیار بادہ کہ رمزے بگویمت
از سیر اخترانِ کہن سال و ماہِ نو

تاریخِ خیرآباد
اور
تذکرۂ علماء ودانشوران

مؤلفین

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

زیر سرپرستی

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب خیرآبادی

زیر نگرانی

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ:276403   موبائل:9235327576

تفصیلات

ISBN: 978-93-91105-82-2

نام کتاب	:	تاریخ خیرآباد اور تذکرۂ علماء ودانشوران
مؤلفین	:	مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی
״ ״	:	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات	:	**440**
طبع اول	:	فروری ۲۰۲۲ء
ناشر	:	مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت	:	**400/=**
مطبع	:	مرکزی پبلی کیشنز، نئی دہلی، 9811794822
ای میل	:	***zeyaulhaquekbd@gmail.com***

Mob: 9235327576

ملنے کے پتے

- ☆ مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی، ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور *7895886868*
- ☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ☆ مکتبہ عکاظ دیوبند
- ☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن *9336010224*
- ☆ مکتبہ احسان لکھنؤ
- ☆ البلاغ، پبلی کیشنز، اعظمی اپارٹمنٹ، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

کلمات تشجیع	مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی	۷
کلمات تبریک	مولانا فضل حق عارف خیرآبادی	۸
پیش لفظ	مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی	۹
مقدمہ	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۱۲
تعارفِ مؤلفین	مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی	۱۸
تعارف مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی	// // //	۲۱
تعارف مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	// // //	۲۶

☆☆☆☆☆

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	خیرآباد ایک تاریخی جائزہ	۳۵
۲	راجہ خیراللہ شاہ	۴۱
۳	خیرآباد کا محل وقوع	۴۲
۴	موضع اتراری	۴۲
۵	گرام پنچایت خیرآباد اور اس کی آبادی	۴۴
۶	صنعت پارچہ بافی	۴۵
۷	یہاں کے پرانے رؤسا	۴۶

۸	**ماضی کے کچھ اہم واقعات**	۴۷
۹	ایک خاص وبا	۴۷
۱۰	قینچی چلنے کی وبا	۴۸
۱۱	۱۹۵۵ءکا سیلاب	۴۹
۱۲	۱۹۵۶ءکا سیلاب	۵۰
۱۳	۱۹۷۱ءکا سیلاب	۵۰
۱۴	۱۹۸۰ءکا سیلاب	۵۱
۱۵	مولانا سید سعید صاحب کا ورود	۵۱
۱۶	**شعر وادب**	۵۳
۱۸	شعری وادبی تصنیفات	۵۵
۱۹	سچی کہانی	۵۵
۲۰	دیواری قلمی ماہنامہ ’’آہنگ خیرآباد‘‘	۵۶
۲۱	گلہائے صدرنگ	۵۷
۲۲	جامِ سخن	۵۸
۲۳	نیرنگِ سخن	۵۸
۲۴	صہبائے عارف	۵۹
۲۵	سرگزشتِ حیات	۶۰
۲۶	**علم اور علماء**	۶۲
۲۷	**مدارس**	۶۷
۲۸	مدرسہ منبع العلوم	۶۷

۲۹	مدرسہ ضیا العلوم اشرفیہ	۷۲
۳۰	مدرسہ مدینۃ العلوم	۷۳
۳۱	مدرسہ تعلیم القرآن	۷۴
۳۲	جامعۃ الزاہدات	۷۵
۳۳	معہد الرحمۃ والسلام	۷۶
۳۴	مساجد	۷۷
۳۵	امام باڑے	۸۰
۳۶	امام باڑہ دالان	۸۰
۳۷	امام باڑہ حیدریہ	۸۰
۳۸	بارگاہ امام، چوک بازار	۸۱
۳۹	امام باڑہ جنت البقیع	۸۱
۴۰	دعوت وتبلیغ	۸۲
۴۱	ایک تاریخی واقعہ	۸۴
۴۲	لائبریریاں	۸۵
۴۳	پبلک لائبریری	۸۵
۴۴	ضیائیہ لائبریری	۹۱
۴۵	انصاری لائبریری	۹۲
۴۶	انصاری لائبریری کی خدمات	۹۵
۴۷	انصاری لائبریری میں تشریف لانے والے حضرات	۱۰۰
۴۸	اردو لائبریری	۱۰۳

۴۹	لائبریری میں تشریف لانے والے حضرات	۱۰۶
۵۰	اردو لائبریری کے ادبی پروگرام	۱۰۹
۵۱	دبستانِ ادب لائبریری	۱۱۳
۵۲	جدید عصری تعلیم	۱۱۵
۵۳	حبیب گرلس اسکول	۱۱۶
۵۴	مومن انصار گرلس اسکول	۱۱۷
۵۵	اقراء پبلک اسکول	۱۱۷
۵۶	ہیون گارڈن اسکول	۱۱۸
۵۷	تحریکِ آزادئ ہند میں حصہ	۱۲۰
۵۸	مومن برادری کا جلسۂ عام خیرآباد	۱۲۳
۵۹	کھیل کا ذوق	۱۲۵
٦۰	فٹ بال	۱۲۵
٦۱	ینگ انصار اسپورٹنگ کلب	۱۲۵
٦۲	ینگ انصار کھیل کا میدان	۱۲۹
٦۳	ماڈرن اسپورٹنگ کلب	۱۲۹
٦۴	مسلم آزاد کلب اترا ری	۱۳۰
٦۵	اکھاڑہ اور کشتی	۱۳۰
٦٦	بنوٹ اور لاٹھی چلانا	۱۳۱
٦۷	کرکٹ	۱۳۳
٦۸	دینی وملی اور سماجی ورفاہی خدمات میں سرگرم کچھ نوجوان	۱۳۳
	فہرست حصہ دوم ''تذکرہ علماء ودانشوران خیرآباد''	۱۳٦

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلماتِ تشجیع

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب خیرآبادی

اس وقت میرے مولد ومسکن اور وطن عزیز خیرآباد کی تاریخ اور وہاں کے اہل علم واصحاب فضل وکمال کا تذکرہ میرے سامنے ہے، میں بیان نہیں کرسکتا کہ اسے دیکھ کر میرا دل مسرت وابتہاج کی کس کیفیت سے سرشار ہے، میری عرصہ کی آرزو آج پوری ہورہی ہے، دل کی گہرائیوں سے ان دونوں نوجوان عزیزوں کے لئے دعائیں ہیں جنھوں نے یہ کارنامہ انجام دیا، اس پر وہ پورے اہل خیرآباد کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہ ہیں مولانا عبد اللہ خالد خیرآبادی اور مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو) جو خیرآباد کے نوجوان فضلاء میں اپنے علمی وتحقیقی ذوق اور زبان وقلم کی وجہ سے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، انھوں نے اپنے استاذ گرامی مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی کی نگرانی میں تلاش وجستجو کے دشوار گزار مراحل طے کرتے ہوئے سال بھر میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

گزشتہ سال اسی ماہ نومبر میں کسی مناسبت سے تاریخ خیرآباد کا ذکر نکل آیا تو میری دیرینہ آرزو وتمنا جاگ اٹھی اور میں نے کہا کہ آپ لوگ اسے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں، اس سلسلہ میں مَیں ہر ممکن تعاون پیش کروں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ ان عزیزوں نے محنت شاقہ برداشت کرکے اس قلیل مدت میں یہ میدان سر کرلیا۔ باری تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس پر ان کو اور اس سلسلہ میں کسی بھی طرح سے حصہ لینے والے تمام حضرات کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

محمد ابواللیث خیرآبادی

(پروفیسر وچیر ہولڈر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا)

۲۷/نومبر ۲۰۲۱ء مطابق ۲۱/ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ شنبہ

کلماتِ تبریک

برائے عزیزانِ گرامی قدر مولوی عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی
و مولوی ضیاء الحق خیرآبادی [حاجی بابو]

بمناسبت: تالیف "**تاریخِ خیرآباد اور تذکرۂ علماء و دانشوران**"

از: استاذ العلماء حضرت مولانا فضل حق عارف خیرآبادی

استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد، مئو (یوپی)

اہلِ خیرآباد پر یہ خاص ہے فضلِ خدا	"تذکرہ دانشورانِ خیرآباد" آ ہی گیا
خوشنما جس کو مرتب حاجی بابو نے کیا	جن کا ذوقِ خاص ہے دانشوروں کا تذکرا
خوبصورت خوب تر "تاریخِ خیرآباد" بھی	مولوی عبداللہ خالد نے ہے کی آراستا
محترم مولانا ضیاء الدین ندوی قاسمی	جن کے خوابوں کی حسیں تعبیر ہے جلوہ نما
مل گیا دونوں مولف کو بفضلِ ایزدی	ان کے جیسا صاحبِ علم و قلم اور رہنما
ہیں دعائیں خوب دونوں نوجوانوں کیلئے	جن کے ذوقِ جستجو سے راستہ علمی ملا
اپنے خیرآباد کی تاریخ تو نایاب تھی	جس کو پانے کیلئے اک "کوہ کن" بننا پڑا
برکتیں بھرپور حاصل اک محدث کی ہوئیں	جو ہمہ دم رہتے ہیں غرقِ حدیث مصطفا
ڈاکٹر بوالّلیث جن کے علم کی جولانگاہ	حرم مدنی، حرم مکی اور اب مالیشیا
اہلِ دانش کے لئے مرجع کتابِ پُر ضیاء	خوشنما، دلکش بیاں ہے گل فشاں یہ تذکرا

مل رہا ہے آج مجھ کو انبساطِ بے پناہ
چل پڑی عارف سبک گامی سے جب تازہ ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

دنیا میں اسلام کی آمد سے پہلے تاریخ نویسی کا کوئی معتبر اور مستند حوالہ نہیں ملتا، بغیر سند کے مبالغہ آمیز قصے کہانیوں اور مشہور شاعروں کے اشعار ہی سے جو کچھ کشید کرلیا جاتا تھا وہی تاریخ بن جایا کرتی تھی۔

تاریخ کو باقاعدہ ایک فن کی شکل میں مسلمانوں نے رائج کیا، احادیث نبوی کی حفاظت وروایت میں جس احتیاط سے کام لیا گیا اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی، اصولِ حدیث واسماء الرجال وغیرہ مستقل علوم محض حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وحفاظت کے لئے مسلمانوں نے ایجاد کئے۔

روایات کی چھان بین اور تحقیق وتدقیق کے لئے جو محکم اصول مسلمانوں نے ایجاد کئے ان کی مثال دنیا نے اپنی اس طویل عمر میں کبھی نہیں دیکھی، اسی سلسلہ اور اسی طرز وانداز میں انہوں نے اپنے خلفا، امرا، سلاطین اور علما وغیرہ کے حالات قلم بند کئے، مسلمانوں کی تاریخ نویسی دنیا کے لئے ایک نئی چیز اور بالکل غیر مترقبہ نعمت تھی۔

ابن اسحاق، ابن ہشام، طبری، ابن الاثیر وغیرہ سے لے کر ضیاء الدین برنی (م:۱۳۵۷ء) اور محمد بن خاوند شاہ (م:۱۴۹۸ء) ملا عبدالقادر بدایونی (م:۱۶۱۵ء) تک ہزارہا مسلمان مورخین کی مساعی جمیلہ اور کارہائے نمایاں جن ضخیم جلدوں میں آج تک محفوظ ہیں ان میں سے ہر ایک کتاب مسلمانوں کی شوکت رفتہ اور عظمتِ گذشتہ کا ایک مرقع ہے اور ان میں سے ہر اسلامی تاریخ اس قابل ہے کہ اہلِ علم ودانش اس کے مطالعہ سے بصیرت حاصل کریں۔

اقوامِ عالم میں صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ شان دار تاریخ رکھتی اور سب سے بڑھ کر ان کے بزرگوں کے کارنامے اس انداز سے محفوظ ہیں جو بعد

والوں کے لئے نشانِ راہ عمل ہیں۔

کس قدر! افسوس اور کسی قدر حیرت کا مقام ہے کہ آج جبکہ مسابقت کا ہنگامہ تمام دنیا میں برپا ہے، مسلمان جو سب سے زیادہ شان دار تاریخ رکھتے ہیں وہی سب سے زیادہ اپنی تاریخ سے بے پروا اور غافل ونابلد نظر آتے ہیں۔

ہمارا یہ خطۂ اعظم گڑھ زمانۂ قدیم سے علم وادب کے اساطین اور فضل وکمال کے شہ نشین حضرات کا گہوارہ رہا ہے، جن کی علمی خدمات اور ادبی وثقافتی سرگرمیوں کو تاریخی دنیا فراموش نہیں کرسکتی۔

ضلع اعظم گڑھ کے شمال مشرقی حصہ میں خیرآباد، محمد آباد، ولید پور، بھیرہ جیسی آبادیاں ہیں جہاں کی زمین نے بہترین علما، علم پرور رؤسا، اور شعروادب کے ایسے ایسے جیالوں کو وجود بخشا ہے جن کے علمی وادبی کارنامے اگرچہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے نگاہوں سے روپوش ہوچکے ہیں لیکن تاریخی جستجو رکھنے والے کو اس خاکستر میں دبی بہت سی چنگاریاں اب بھی ایسی مل جاتی ہیں جو نرم دمِ گفتگو اور گرم دمِ جستجو کا کام کرتی ہیں۔

سرزمینِ خیرآباد جس کی تاریخ نویسی پیش نظر ہے، جب اس بابت مطالعہ شروع ہوا اور تاریخی شہ پاروں کی جستجو ہوئی تو حیرت واستعجاب سے دوچار ہونا پڑا کہ خیرآباد کے مزدور پیشہ حضرات اور قوتِ لایموت کی فکر میں شب وروز سرگرداں رہنے والے لوگ بھی علم وادب کے رسیا تھے۔

انھیں مزدور پیشہ لوگوں میں بہترین علما، کامیاب حفاظ، دیدہ ور سیاسی حضرات، اور شعروادب کے دلدادہ اربابِ ذوق کی ایک بڑی تعداد ملتی ہے اور ان کی علمی، ادبی، شعری، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کا بھی پتہ ملتا ہے۔ زیرنظر کتاب میں اسی سرزمینِ خیرآباد کی علمی، ادبی، ثقافتی سرگرمیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرات اہل علم جانتے ہیں کہ تاریخ نویسی کتنا مشکل فن ہے، لکھنے والے کو صداقت وعدالت کا پورا پورا لحاظ رکھنا ہوتا ہے اور یہ بات بھی پیش نظر رکھنی پڑتی ہے کہ کوئی اہم گوشہ چھوٹنے نہ پائے، جس خطہ کی تاریخ لکھی جارہی ہے اگر لکھنے والے کا اس سے جذباتی تعلق ہوتا ہے تو سخت امتحان کا موقع ہوتا ہے، جذبات کی رو میں کہیں حقائق سے

انحراف نہ ہوجائے اس کا خصوصی طور سے التزام کرنا پڑتا ہے، میرے ساتھ اس وقت ایسا ہی معاملہ ہے، ایک طرف تاریخی ذمہ داریاں ہیں تو دوسری طرف وطن مالوف ہونے کے باعث سرزمین خیرآباد سے جذباتی لگاؤ، جذبات اور تاریخی ذمہ داری کی اس کشمکش میں فن تاریخ کے اصول وذمہ داری ہی کا دامن میں نے مضبوطی سے تھامے رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے، اور کسی بھی طرح کے غیر محمود ادعاء سے اجتناب کیا ہے۔

میں نے ۲۰۱۲ء میں اس سلسلہ کی ابتدا کی تھی اور چند منتشر معلومات مرتب کر کے ۴۸ رصفحات کا ایک کتابچہ ''آئینہ خیرآباد'' کے نام سے شائع بھی کیا تھا، لیکن وہ انتہائی مختصر تھا، اس میں بہت سے گوشے جو تاریخی اعتبار سے آنے چاہئے تھے، نہ آسکے تھے، اس لئے اسی سلسلہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ ''تاریخ خیرآباد'' کے نام سے نذرِ قارئین ہے۔

اس تحریر کی تیاری میں سب سے اہم مسئلہ مواد اور صحیح تاریخی حقائق کی فراہمی کا تھا، مخدومِ محترم ڈاکٹر مولانا ابواللیث خیرآبادی پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا کو اللہ تعالی بہت بہت جزائے خیر سے نوازے کہ ان کے التفات، استاذ محترم مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی خیرآبادی کی توجہات وہدایات اور والد گرامی منزلت مولانا فضل حق عارف خیرآبادی سے مشاورت نے بڑی دستگیری کی، رفیق محترم مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو) کے علمی وتحقیقی ذوق نے بھی بڑی معاونت کی، اس سلسلہ کے مختلف مواد وہ مسلسل فراہم کرتے رہے، اللہ کی مدد شاملِ حال رہی اور یہ ایک تاریخی اثاثہ تیار ہوکر آپ حضرات کے ہاتھوں میں پہونچ رہا ہے، **فجزاهم الله خير الجزا۔**

ان حضرات اہل علم کے علاوہ خیرآباد کے اور بھی اربابِ ذوق نے حسبِ طلب بہت سارے مواد فراہم کئے جن میں سے ہر ایک کا نام ذکر نہ کرتے ہوئے میں ان سب حضرات کا ممنون کرم ہوں اور ان سب حضرات کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۳ رشوال المکرّم ۱۴۴۲ھ ۵ رجون ۲۰۲۱ء بروز شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مولانا ضیاء الحق صاحب خیرآبادی

(صدر المدرسین مدرسہ تحفیظ القرآن سِکٹِھی مبارک پور واڈیٹر سہ ماہی مجلّہ رشد وہدایت)

سوانح نگاری وتذکرہ نویسی مسلمانوں کا محبوب فن ہے۔ تاریخ وتذکرہ کے ساتھ جو شغف مسلمانوں کو رہا وہ شاید ہی دنیا کی کسی قوم کو رہا ہو، انھوں نے اپنی تاریخ کے ایک ایک جزئیہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ ان کی اولوالعزمی کا حال تو یہ تھا کہ حفاظت حدیث کی خاطر اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی وجہ سے لاکھوں راویوں کے حالات محفوظ ہوگئے۔ الگ الگ علاقوں اور خطوں کی تاریخ لکھی گئی جیسے تاریخ بغداد، تاریخ جرجان اور تاریخ قزوین وغیرہ۔ اسی طرح ائمہ مسالک اور ان کے متبعین کے حالات لکھے گئے، جیسے طبقات حنفیہ وشافعیہ وحنابلہ وغیرہ، ایک ایک صدی کے اعتبار سے علماء واعیان کے حالات لکھے گئے جیسے الدرر الکامنۃ والضوء اللامع والبدر الطالع وغیرہ، اسی طرح عمومی اعتبار سے بھی حالات وتذکرے لکھے گئے جیسے شذرات الذہب، العبر فی خبر من غبر، وفیات الاعیان اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ۔ انھیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارا روشن وشاندار ماضی پوری تابنا کی کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، اور ہم اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہیں۔

دنیا کی ہر وہ قوم صفحۂ ہستی سے ختم ہوجاتی ہے جو اپنی تاریخ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام والتزام نہیں کرتی، نہ تاریخ کے صفحات پر اس کا نام رہتا ہے اور نہ لوگوں کے ذہنوں میں۔ دنیا میں نہ جانے کتنے تاریخی آثار اور عمارتوں کے کھنڈرات ہیں جن کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں معلوم کہ ان کا تعلق کس قوم اور کس عہد سے ہے، آثار قدیمہ کے ماہرین شب وروز

اس کی تلاش وجستجو میں لگے رہتے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ کارآمد باتیں معلوم ہوں۔ بہت سی اقوام کے آثار وکھنڈرات ایسے ہیں جن کی قوت وطاقت، ان کے تمدنی جلووں، رہائشی طرز اور انداز تعمیر وخصوصیات کا علم قرآن کریم کی آیات سے ہوتا ہے، جیسے قوم عاد وثمود کے مساکن اور قوم لوط یا قوم سبا کے علاقے، قرآن کریم چونکہ تاریخ کی کتاب نہیں ہے، وہ تو کتاب ہدایت ہے، اس لئے وہ واقعات کے انہی پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے جن سے عبرت وموعظت کا درس ملتا ہے۔ وہ اقوام وملل کی تاریخ کا ذکر اس طور پر کرتا ہے کہ ان کے آثار ونشانات سے بعد کی نسلیں عبرت حاصل کریں، چنانچہ وہ اپنے بلیغ اسلوب میں سیاحت کی ترغیب دیتا ہے: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ، اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَعْقِلُوْنَ بِهَا.... قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ الفاظ کے معمولی تغیر وتبدل کے ساتھ اس مفہوم کی بہت ساری آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔

بہر حال مسلمانوں نے ان آیات کریمہ کی ترغیب اور دیگر عوامل کی بنا پر تاریخ کو ایک منظّم فن بنا دیا، اور مقامی وعلاقائی تاریخ کے ساتھ، ملکوں، حکمرانوں، بادشاہوں، علماء، فقہاء، شعراء اور مورخین کی تاریخ اور حالات لکھے، جو آج اس سلسلہ میں ایک معتبر ومستند ماخذ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں تاریخ نویسی کا یہ سلسلہ بہت بعد میں شروع ہوا، اس سلسلہ کی مشہور کتابوں میں اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی سبحۃ المرجان [عربی] اور مآثر الکرام [فارسی]۔ تذکرہ علمائے ہند (مولوی رحمٰن علی)۔ تذکرہ علمائے ہندوستان (مولانا محمد حسین بدایونی) نزہۃ الخواطر (مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی) رجال السند والہند (قاضی اطہر مبارکپوری) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں ہزاروں گاؤں اور قصبات ایسے ہیں جہاں ایک سے ایک صاحب علم وفضل گزرے ہیں جن کے بارِ احسان سے علمی دنیا کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی، لیکن ان قصبات کی تاریخ اور وہاں کے اہل علم وفضل کے حالات محفوظ کرنے کے سلسلہ میں خطرناک

حد تک کوتاہی ہوئی ہے، قاضی اطہر صاحب لکھتے ہیں کہ:

مآثر الکرام کے مقدمہ نگار نے صحیح لکھا ہے کہ اگر علماء وفضلاء ودیگر مشاہیر کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اہل قصبات کا ملک پر بہت بڑا احسان ہے، کاش مولانا آزاد بلگرامی کی طرح دوسرے اہل قصبات بھی اس کا خیال رکھتے اور اپنے اپنے قصبہ کے علماء، فضلاء، صوفیاء اور دیگر مشاہیر کے حالات قلم بند کرڈالتے تو ہندوستان کی تاریخ کو اس سے بڑی مدد ملتی۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے قصبات ہیں کہ اگر ان کے حالات یا تاریخ لکھی جائے تو ایسی مفید معلومات حاصل ہوسکتی ہیں جن کا بڑی بڑی مبسوط تاریخوں میں پتہ نہیں چلتا۔ (مشاہیر پورہ معروف، ص:۳)

آج ہندوستان میں مسلمانوں کے تئیں نفرت وتعصب اور دشمنی کا جو حال ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، اس بات کی آخری حد تک کوشش جاری ہے کہ ہندوستان کی تاریخ سے مسلمانوں کا نام حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے، اس لئے آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنی بستیوں اور قصبات کی تاریخ مرتب کریں تا کہ ہماری نسلوں کو ہمارے حالات کا علم رہے اور وہ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں۔ قاضی اطہر صاحب نے آج سے نصف صدی قبل اس کی اہمیت کو جان لیا تھا، وہ اپنی کتاب اسلامی ہند کی عظمت رفتہ میں لکھتے ہیں:

''ملک میں مسلمانوں کی جو بستیاں علم وفضل اور دینی امانت کا صدیوں تک گہوارہ رہ چکی ہیں، ان کی بھی اسلامی تاریخ مرتب کردینی چاہئے، تا کہ سند رہے اور وقت پر اپنی نسل کے کام آئے، ورنہ فرقہ واریت اور تعصب کا منصوبہ یہاں سے ایک ایک اسلامی نشان کو مٹا دینا چاہتا ہے، اور مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی وثقافت سے محروم کرکے مسکین ویتیم بنانے کی کوشش میں ہے، اس کے دفاع کی ایک کامیاب شکل یہ بھی ہے۔ (اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ص:۱۴، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۶۹ء)

چنانچہ اس کے بعد خود قاضی اطہر صاحب نے اپنے قصبہ مبارکپور کی مبسوط تاریخ تذکرہ علماء مبارکپور کے نام سے لکھی، ان کے شاگرد مولانا محمد عثمان معروفی نے مشاہیر پورہ معروف اور مشاہیر کوپا گنج لکھی۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمی نے تذکرہ علماء

اعظم گڈھ لکھی، مولانا وسیم احمد صاحب بنارسی نے تذکرہ علماء بنارس لکھی، پرتاب گڑھ کے علماء کا تذکرہ بھی لکھا گیا، مئو کے علماء کا تذکرہ مولانا سعید الحق مدنی نے لکھا جو آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور ابھی طباعت کے مراحل میں ہے۔ غرض قاضی اطہر صاحب کے بعد مشرقی یوپی کے متعدد خطوں کی تاریخ اور وہاں کے اہل علم کے تذکرے لکھے گئے۔

''تاریخِ خیرآباد اور تذکرۂ علماء ودانشوران'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، یہ استاذ محترم مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی کے اس خواب کی تعبیر ہے جو انھوں نے ابتدائے تدریس میں دیکھا تھا، لیکن اس کی عملی تعبیر ان کے تیار کردہ تلامذہ کے مقدر میں تھی، جو ''پدر نتواند پسر تمام کند'' کا مصداق بن کر سامنے آئے اور ان کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کردیا، وہ لکھتے ہیں:

> ''جب بھی کسی قصبہ وخطہ کی تاریخ اور اس کے ثقافتی وتمدنی اور دینی وسماجی ورثہ کی تحریری داستان سامنے آتی تو میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا کہ اپنے وطن عزیز اپنے مولد ومسکن کی تاریخ وثقافت کو محفوظ کروں، خیرآباد کی داستان لکھوں۔ اس گاؤں کی عمر اگرچہ بہت طویل نہیں مگر یہاں کی دینی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور رفاہی زندگی میں آنے والی نسل کے لئے بہت کچھ پوشیدہ ہے جس پر وہ فخر وناز کرسکے اور اپنے آباء واجداد کے کارناموں کو بنیاد بناکر اپنی زندگی کی راہِ عمل متعین کرے۔''

استاذ محترم سے پہلے بھی اس گاؤں میں متعدد اہل قلم علماء وادباء گزرے ہیں، جو اس جانب توجہ کرتے تو گاؤں کی بہترین تاریخ مرتب ہوجاتی، لیکن نہ جانے کیوں ان کی توجہ اس جانب نہیں ہوئی، اور انھوں نے اپنے بزرگوں، علماء، شعراء، ادباء اور سیاستدانوں کا تذکرہ لکھنے اور نسل نو کی تربیت کا کوئی خاطر خواہ سامان نہیں کیا۔ اللہ بھلا کرے حافظ محمد شعیب صاحب شاکر انصاری کا، جو ایک شاعر اور ادیب ہونے کے ساتھ بیدار مغز وباشعور رہنما بھی تھے، انھوں نے یہاں کی تاریخ پر اپنی معلومات کے بقدر مواد اپنی خودنوشت ''سچی کہانی'' میں جمع کرکے ہم پر بڑا احسان کیا، اور یہی کتاب ہماری تاریخ کا بنیادی ماخذ ہے۔

مولانا کی ترغیب اور رہنمائی میں رفیق مکرم مولانا عبداللہ خالد نے آٹھ دس سال پہلے خیرآباد کی تاریخ پر کچھ کام شروع کیا تھا، ۴۸رصفحات پر مشتمل اس کا ابتدائی خاکہ انھوں نے ۲۰۱۲ء میں شائع بھی کر دیا تھا، جس میں انھوں نے اپنے منصوبوں کی تفصیل بھی لکھی تھی کہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہوگی۔ پہلا حصہ خیرآباد کی تاریخ پر مشتمل ہوگا، اور دوسرے حصہ میں یہاں کے علماء ودانشوروں کا تذکرہ ہوگا۔ لیکن ان کی مصروفیات کی وجہ سے پھر اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔ ایک روز اس کا ذکر مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب کے سامنے ہوا، مولانا موصوف علم حدیث میں بین الاقوامی شہرت کے حامل اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں پروفیسر ہیں، ان کو اپنے وطن سے غیر معمولی محبت ہے، انھوں نے کہا کہ میری قلبی تمنا اور دلی آرزو ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ کام مکمل ہونا چاہئے، ان کی تشجیع اور حوصلہ افزائی صرف قول تک محدود نہ رہی بلکہ انھوں نے آگے بڑھ کر اس کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں بھی ہر ممکن تعاون کی پیشکش کرکے ہمیں ایک بڑی فکر سے بچالیا، پھر انھوں نے اور مولانا ضیاء الدین صاحب نے میرے ذوق کو دیکھتے ہوئے مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ کتاب کا دوسرا حصہ یعنی تذکرہ علماء ودانشوران خیرآباد میں لکھوں۔

چنانچہ ان بزرگوں کی سرپرستی میں ہم نے سال بھر میں اپنی بساط بھر محنت وکوشش کے بعد یہ کام مکمل کرلیا۔ ہم نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ کسی مذہب ومسلک کی تفریق کے بغیر سب کا ذکر کیا جائے، چنانچہ اس میں دیوبندی، بریلوی، شیعہ ہر طبقہ کے اہل علم اور ان کی مدارس ومساجد کا تذکرہ موجود ہے۔ ہم نے تلاش وتحقیق میں اپنی بساط بھر جو سعی وکوشش ممکن ہوسکتی تھی اس میں کوئی کوتاہی نہیں روا رکھی، چونکہ خیرآباد کی تاریخ پر کوئی مطبوعہ مواد نہیں ہے، اس لئے زیادہ تر معلومات لوگوں سے مل کر حاصل کی گئیں، پرانے اخبارات ورسائل سے بھی مدد لی گئی، مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کے ریکارڈ سے بھی بہت سی معلومات ملیں، اس سلسلہ میں عم مکرم مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی ناظم اعلیٰ کا بے حد ممنون ہوں کہ جب بھی ان کو اس سلسلہ میں زحمت دی انھوں نے فوراً ریکارڈ نکلوا کر مطلوبہ معلومات فراہم کیں۔ دوران تحقیق

کہیں کہیں مواد کی عدم دستیابی میرے لئے پریشان کن ثابت ہوئی اور اس کے لئے خاصی دقت اٹھانی پڑی۔ گاؤں کے بعض معروف علماء کے سن فراغت کی تلاش میں دانتوں تلے پسینہ آگیا۔ مولانا ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب نے دارالعلوم مئو سے فارغ ہونے والے علماء کے بارے میں مدرسہ کے ریکارڈ سے معلومات فراہم کرکے بڑا کرم فرمایا۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند سے ریکارڈ کے بارے میں میرے دوست مولانا محمد اللہ خلیلی اور مظاہر علوم سہارنپور کے متعلق مولانا عبداللہ خالد اور مولانا ناصر الدین مظاہری نے بے حد تعاون کیا۔

غرض ہم نے اپنے تئیں اسے خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن یہ گاؤں کی تین سوسالہ تاریخ کی ترتیب کا نقش اولیں ہے، اس لئے یقیناً اس میں بہت سی کمیاں اور کوتاہیاں ہوسکتی ہیں، بہت سے واقعات اور لوگوں کا تذکرہ رہ گیا ہوگا، اس لئے گاؤں سے محبت اور تعلق رکھنے والوں سے میری گزارش ہے کہ اسے بغور پڑھیں اور تنقید وتنقیص کے بجائے جو کمی محسوس کریں اس کی نشاندہی کریں اور جو کچھ اضافہ کرسکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں تاکہ اس کا نقش ثانی بہتر سے بہتر صورت میں سامنے آسکے، ہمیں خود اپنی نارسائی کا اعتراف ہے، لیکن اتنا تو ضرور ہوا کہ اس محنت کے نتیجہ میں گاؤں کی ایک مرتب تاریخ سامنے آگئی، اب لوگ آگے بڑھیں اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں حصہ لیں۔

میں استاذ محترم مولانا فضل حق صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنے امراض وعوارض کے باوجود پوری کتاب دیکھی، اسی طرح مخدوم گرامی مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب کا، کہ انھیں کی ترغیب وتحریک اور غیر معمولی دلچسپی کے باعث میں نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب کے بارے میں کیا کہوں، اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے، ہر ہر قدم پر ان کی نگرانی وسرپرستی ہمیں حاصل رہی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

ضیاء الحق خیرآبادی

۲۶/نومبر ۲۰۲۱ء مطابق ۲۰/ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ یوم الجمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف مؤلفین

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

زیرنظر کتاب ''تاریخ خیرآباد وتذکرۂ علماء ودانشوراں'' میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں تیس چالیس سال سے دیکھ رہا تھا۔ جب بھی کسی قصبہ وخطہ کی تاریخ اور اس کے ثقافتی وتمدنی اور دینی وسماجی ورثہ کی تحریری داستان سامنے آتی تو میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا کہ اپنے وطن عزیز اپنے مولد ومسکن کی تاریخ وثقافت کو محفوظ کروں، خیرآباد کی داستان لکھوں۔ اس گاؤں کی عمر اگرچہ بہت طویل نہیں مگر یہاں کی دینی، سیاسی، سماجی، تہذیبی اور رفاہی زندگی میں آنے والی نسل کے لئے بہت کچھ پوشیدہ ہے جس پر وہ فخر وناز کرسکے اور اپنے آباء واجداد کے کارناموں کو بنیاد بناکر اپنی زندگی کی راہِ عمل متعین کرے۔

خیرآباد صنعت وحرفت کی بستی ہے، دینی ماحول اور تعاونِ باہمی کی فضا میں یہاں کے باشندے پُرسکون زندگی گزارتے آرہے ہیں۔ فرقہ وارانہ کشیدگی، علاقائی تعصب، مسلکی تنازعات سے یکسر پاک خیرآباد کی اپنی ایک کہانی ہے، میں چاہتا تھا کہ یہ کہانی سنی اور سنائی جائے، کتابوں کے اوراق پر اس سرزمین کے باکمال ہنرمندوں، علماء ودانشوروں، سیاسی وسماجی رہنماؤں، تاریخی سرمایوں وتعمیری ترقیات اور علمی کارناموں کو محفوظ کیا جائے۔

ہزار آرزوؤں اور تمناؤں کے باوجود میں یہ کام تو نہ کرسکا لیکن خواب دیکھنا بھی بند نہ ہوا۔

گزشتہ سال میں نے اپنی اس آرزو اور تمنا کا ذکر ایک واٹس اپ گروپ میں کیا تو

ہمارے کرم فرما ومحترم مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب خیرآبادی نے نہ صرف تائید وحمایت کی بلکہ عملی طور پر دوقدم آگے بڑھ کر فرمایا کہ اگر تاریخ خیرآباد لکھی جائے تو اس کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، اس بات سے ایک حوصلہ پیدا ہوا کہ خیرآباد کی تاریخ بہرصورت لکھی جانی چاہیے۔

لیکن سوال یہ تھا کہ میں تو اپنے امراض وعوارض کی وجہ سے اس کی ہمت نہیں جٹا پا رہا تھا، اور خیرآباد کی نسلِ نو کے اکثر نوجوان علماء میں لکھنے پڑھنے کا ذوق مفقود ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ان میں دو نوجوان فاضل ایسے ہیں جن کو اللہ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے اور وہ تصنیف وتالیف کا اعلیٰ معیاری ذوق بھی رکھتے ہیں، اور شاید قارئین کو یہ جان کر خوشگوار حیرت ہوگی کہ جب یہ دونوں پرائمری درجات (درجہ تین، چار، پانچ) میں تھے اسی وقت سے عام بچوں سے الگ اپنی پہچان رکھتے تھے، کھیل کود سے زیادہ مطالعہ کا شوق تھا۔ انصاری لائبریری اور اردو لائبریری میں جانا اور کتابیں لاکر مطالعہ کرنا اور ''پیام تعلیم'' و ''امنگ'' جیسے بچوں کے رسائل میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں اور انعامی مضامین لکھنا، انھیں پسند تھا۔ اکثر یہ مضامین مجھے دکھاتے تھے اور میری جانب سے حوصلہ پاتے تو ان کے شوق میں اضافہ ہوتا، رفتہ رفتہ لکھنے کا شعور بڑھتا گیا اور الحمدللہ آج ان میں حسنِ نگارش اور تحقیقی مزاج کا امتیازی وصف پایا جاتا ہے، بلکہ اگر یہ کہوں تو نامناسب نہ ہوگا کہ ان کا اپنا ایک منفرد لب ولہجہ بن چکا ہے۔ دونوں تحریر وتصنیف اور درس وتدریس کے میدان میں بھی نیک نام ہیں، میری نگاہِ انتخاب انھیں دونوں شاگردوں پر پڑی، مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب نے بھی اس انتخاب کو سراہا۔ ان میں ایک مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی قاسمی اور دوسرے مولانا ضیاء الحق خیرآبادی قاسمی (حاجی بابو) ہیں۔

عزیز گرامی مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی قاسمی چندسال قبل ''آئینۂ خیرآباد'' کے عنوان سے تاریخ خیرآباد پر ایک رسالہ لکھ چکے ہیں، جبکہ مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کو علماء صالحین اور برگزیدہ وسرکردہ اسلامی وادبی شخصیات پر لکھنے کا اچھا سلیقہ ہے، ان کے لکھے

ہوئے بہت سارے مضامین وخاکے شائع بھی ہو چکے ہیں، حسن اتفاق سے یہ دونوں نوجوان فاضل اردو رسالوں کے اڈیٹر بھی ہیں۔لہٰذا یہ طے کیا کہ تاریخ خیرآباد کا حصہ تو مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی لکھیں کہ اس پر وہ کام کر چکے ہیں،اور تذکرۂ علماء ودانشوران کا حصہ مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو) تحریر کریں کہ اس سے ان کو طبعی مناسبت ہے۔

الحمدللہ دونوں حضرات نے بطیبِ خاطر اور بشوقِ فراواں یہ خدمت قبول کی، میں نے بھی حسب ضرورت علمی تعاون کا وعدہ کرلیا اور حتی المقدور اسے پورا کیا۔ میں پورے اعتماد اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا انتخاب بالکل صحیح اور حق بحقدار رسید کا مصداق تھا، دونوں عزیزوں نے اس کام کو اپنا مشن بنالیا، پوری عرق ریزی، جانفشانی اور تحقیق وجستجو سے اپنی بساط بھر ہر بات کی صداقت ودیانت کو جانچا پرکھا، ہم لوگوں سے تبادلہ خیال کیا، گاؤں کے معمر وبزرگ لوگوں سے مل مل کر ہر شخصیت کے بارے میں درست معلومات حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، پرانے کاغذات تلاش کئے اور کھنگالے، مدارس اسلامیہ کے رجسٹر داخلہ وفراغت سے معلومات اکٹھا کیں، جب حاصل شدہ معلومات پر یقین ہوگیا، تاریخی مصادر سے مطمئن ہوگئے تب اسے تحریر کیا۔اللہ تعالیٰ انھیں اپنے شایانِ شان اجرعطا فرمائے اور دین ودنیا کی ترقیات سے نوازے۔

ضروری تھا کہ میں ان عزیز شاگردوں، اطاعت شعار نوجوانوں اور قابل ستائش فضلاء کا تعارف لکھوں، ان کی علمی وعملی سرگرمیوں سے قارئین کو آگاہ کروں تاکہ اہالیانِ خیرآباد اپنے ان دونوں محسنین کے کارناموں سے باخبر ہوں جنھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ خیرآباد کی تاریخ اور یہاں کے علماء ودانشوروں کو حیاتِ جاودانی عطا کی۔

ضیاء الدین قاسمی ندوی

۳؍ستمبر ۲۰۲۱ء مطابق ۲۴؍محرم ۱۴۴۳ھ یوم الجمعہ

☆☆☆☆☆

مولانا عبداللہ خالد خیرآبادی قاسمی

نام: عبداللہ خالد بن مولانا فضل حق بن محمد امین بن عبداللہ بن محمد رمضان

عزیزم مولانا عبداللہ خالد میرے عزیز شاگرد اور مدرسہ منبع العلوم کے ہونہار و لائق وفائق سپوت ہیں، مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی کے صاحبزادے ہیں۔ تقریباً بیس سال سے ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور کے ایڈیٹر ہیں اور وہاں ابتدائی عربی درجات کی تدریس بھی ان سے متعلق رہتی ہے، وہاں کے لوگوں میں کافی مقبول و نیک نام ہیں۔

۱۴ر فروری ۱۹۷۶ء شنبہ کے روز خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ والد محترم، ایک عالم دین، علم و مطالعہ کے شیدائی اور شعر و ادب سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں، اس لئے یہ خصوصیات فرزند ارجمند کے اندر بھی میراثِ پدر کے طور پر آئیں، اور منبع العلوم کے ممتاز طلبہ میں ان کا شمار رہا۔

تعلیم: از قاعدہ بغدادی تا جلالین شریف مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔

اساتذۂ پرائمری میں: حافظ شریف صاحب [انھیں کے سامنے بسم اللہ کی]، حافظ محمد امین صاحب، میاں جی زین العابدین ولید پوری، مولانا نظام الدین کرہائیؒ، قاری وسیم احمد صاحب، مولانا مشتاق احمد کوپاگنجیؒ، ماسٹر مجیب الحق مدھے پوری، ماسٹر محمد اختر بھیرویؒ، و ماسٹر شفیع احمدؒ۔

۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء پرائمری درجہ پانچ کا امتحان دیا۔

شوال ۱۴۰۹ھ مئی ۱۹۸۹ء سے فارسی کی ابتداء۔ اگلے سال عربی اول میں چند ماہ ہوئے تھے کہ دادا کی بیماری کی وجہ سے ایک سال تعلیم موقوف رہی۔

۹ر ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ/۲۴ر مئی ۱۹۹۱ء دادا کی وفات کے بعد پھر سے عربی تعلیم کا آغاز۔

منبع العلوم میں عربی اول سے لے کر جلالین تک ہر امتحان میں سوائے ایک سال کے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

تحریری وتقریری سرگرمیوں کی بناپر جداری رسالہ المنبع کے مدیر منتخب ہوئے اور تین سال تک ادارت کی ذمہ داری بخوبی انجام دی۔اسی طرح انجمن اصلاح اللسان کی بزم صحافت کے معتمد،اورناظم بزمِ خطابت رہے۔

درسی ساتھیوں میں مولانا ضیاالحق خیرآبادی (حاجی بابو) وغیرہ پرائمری میں،اورعربی درجات میں مولانا ضیاء الرحمٰن ولید پوری،مولانا امتیاز گریڈ ہوی (رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی) مولانا سرفراز احمد گریڈیہہ،مولانا صادق اختر خیرآبادی،مولانا زین الحق پورنوی وغیرہ۔

فارسی پڑھنے کے زمانہ ہی سے شعروشاعری کا اس قدر ذوق پیدا ہو چکا تھا کہ اشعار بھی کہنے لگے۔اور خیرآباد کی مختلف انجمنیں ان سے نعتیں اور نظمیں لکھوا کر مقابلوں میں پڑھتی تھیں،اوراکثر انعام اول کی مستحق ہوتی تھیں۔نعتیہ کلام اور مختلف غزلوں کی دوتین بیاضیں موجود ہیں،میدان شاعری میں ذوق تو والد صاحب کی طرف سے ملا البتہ اس کے نوک پلک ڈاکٹر محمد یحییٰ بیخود اعظمی خیرآبادی درست کرتے تھے۔

اشعار کے کچھ نمونے تعارف کے آخر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

شاعری کے ساتھ بچپن ہی سے تقریر کرنے کا بھی ذوق تھا چنانچہ دس سال کی عمر میں سب سے پہلی تقریر خیرآباد باغ میں منبع العلوم کے جلسۂ دستار بندی میں کی،جس پرخوب شاباشی ملی۔اس کے بعد خیرآباد بازار میں،محلّہ پچھّم کے جلسہ میں اور منبع العلوم کے مسابقاتی جلسوں میں تقریریں کیں جو اکثر میری اور کچھ ان کے والد محترم کی لکھی ہوتی تھیں۔

منبع العلوم کے اساتذہ میں میرے علاوہ،مولانا محمد عثمان صاحب ساحر،مولانا محمد اصغر صاحب،مولانا افضل صاحب،مولانا فضل حق صاحب،مولانا محمد زاہد صاحب،مولانا محمد ہارون صاحب،مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی صاحب،مولانا کمال اختر صاحب،مولانا محمد راشد صاحب،اورقاری وثیق الرحمٰن صاحب ہیں۔

شوال ۱۴۱۶ھ رفروری ۱۹۹۶ء میں دارالعلوم دیوبند گئے اور مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ ہوا،وہاں بھی درسیات کے ساتھ ساتھ انجمن کی سرگرمیوں میں پیش پیش رہے۔

دورۂ حدیث میں بخاری شریف جلد اول مولانا نصیر احمد خاں صاحب اور جلد ثانی مولانا عبدالحق صاحب اعظمی سے پڑھی، دورہ کے دیگر اساتذہ میں قاری محمد عثمان منصور پوری، مفتی سعید احمد پالنپوری، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا نعمت اللہ اعظمی، مولانا قمرالدین صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا عبدالخالق مدراسی وغیرہ ہیں۔

دوسال دارالعلوم میں رہ کر دورہ سے فراغت ہوئی، یہاں دوران تعلیم مدنی دارالمطالعہ کے مقابلہ مضمون نگاری میں حصہ لیا اور پورے دارالعلوم دیوبند میں اول پوزیشن ملی۔

تدریس: فراغت کے بعد شوال ۱۴۱۸ھ/جنوری ۱۹۹۸ء میں جامعہ فیض العلوم شیرواں سرائے میر سے تدریس کا آغاز کیا۔ یہاں ہدایہ رابع، ہدایہ اولین، دیوان حماسہ، متنبّی، نورالانوار اور نحومیر وغیرہ زیر درس رہیں اور ایک سال صدارتِ تدریس کی ذمہ داری بھی متعلق رہی۔ یہاں سے ایک سہ ماہی رسالہ فیضِ محمود بھی ان کی ادارت میں جاری ہوا۔

شادی واولادیں: اسی دوران یکم محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۸/اپریل ۱۹۹۹ء یکشنبہ کو ان کا نکاح ہوا، ۱۳/رمضان ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۰/سمبر ۲۰۰۰ء یکشنبہ کو پہلی بیٹی پیدا ہوئی، گھر کی ضروری واجبی تعلیم قرآن کریم مع ترجمہ وتفسیر کے بعد مختلف تعلیمی مراحل سے گزرتے ہوئے اب بی اے کی تیاری کررہی ہے۔ اردوادب اور دینیات کی کتابوں کے مطالعہ کا خاص ذوق ہے۔

۲۰/رجب ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۸/ستمبر ۲۰۰۲ء چہارشنبہ کو دوسری بیٹی کی ولادت ہوئی، قرآن کریم مع ترجمہ وتفسیر، دینیات اور اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سالِ گزشتہ اس نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا ہے اور اب انٹر کی تیاری کررہی ہے۔

۱۹/صفر ۱۴۲۵ھ مطابق ۸/اپریل ۲۰۰۴ء جمعرات کو بیٹے فرحان خالد کی پیدائش ہوئی، پیدائشی جسمانی اعتبار سے نحیف ہے اس لئے واجبی اردو و دینیات سے آگے تعلیمی سلسلہ نہیں بڑھ سکا۔

۲۳/رمضان ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۳/ستمبر ۲۰۰۹ء یکشنبہ کو حسان خالد کا تولد ہوا، قرآن کریم، اردو اور دینیات کے ساتھ ساتھ انگلش میڈیم کی پانچویں کلاس میں زیر تعلیم ہے۔

دو سال فیض العلوم شیرواں سرائمیر کی تدریس کے بعد جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں مدرس ہوکر آگئے، یہاں شرح وقایہ، دیوان متنبیؔ، شرح تہذیب، کافیہ، ترجمہ قرآن وغیرہ کے ساتھ فارسی کی کتابیں زیر درس رہیں۔

مولانا محمد عثمان صاحب معروفی ایڈیٹر ماہنامہ مظاہرعلوم کی وفات کے بعد اگست ۲۰۰۱ء میں مبارکپور سے مظاہرعلوم سہارنپور کی انتظامیہ کی طلب پر یہاں آگئے، یہاں اصل کام ماہنامہ مظاہرعلوم کی ادارت کا ہے، اس مناسبت سے ماہ بماہ اداریے اور مختلف مضامین لکھنے کا موقع ملا اور اب تک تقریباً ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل مجموعۂ مضامین تیار ہے، اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی سبیل پیدا فرمائے۔

وطن عزیز خیرآباد کے تعارف کے سلسلہ میں ''آئینۂ خیرآباد'' کے نام سے ۴۸؍صفحات پر مشتمل ایک رسالہ تقریباً ۸؍سال پہلے مرتب کیا تھا، جس کا اجراء مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہاتھوں عمل میں آیا، اب وہی رسالہ بسط وتفصیل کے ساتھ دوبارہ تاریخ خیرآباد کے نام سے شائع ہورہا ہے۔

مظاہرعلوم میں موصوف کی خدمات اور سرگرمیاں مختلف النوع ہیں، ماہنامہ مظاہرعلوم کی ادارت کے ساتھ ساتھ شعبہ صحافت کے جملہ امور کی انجام دہی (مدرسہ کی ویب سائٹ کی تیاری، ای میل کے ذریعہ مظاہرعلوم کے لئے مراسلت، یہاں کے مختلف دینی وعلمی اور سماجی پروگراموں کی ترتیب وتنظیم) اور یہاں کے شعبہ مکاتب دینیہ کی نظامت من جانب مدرسہ تفویض ہے۔ مکاتب دینیہ کی نگرانی، اس کے لئے ہریانہ پنجاب، چنڈی گڑھ کے دورے، ان مکاتب کے امتحانات اور معلمین مکاتب کے مشاہرہ جات کی ترتیب وغیرہ امور مفوضہ کی انجام دہی کی بھی ذمہ داری ہے۔

اس کے علاوہ جمعیۃ علماء ہریانہ، پنجاب، ہماچل چنڈی گڑھ کے نائب سکریٹری، دینی تعلیمی بورڈ ہریانہ، پنجاب، ہماچل، چنڈی گڑھ کے جنرل سکریٹری، اور رابطہ مدارس شمالی ہریانہ کے جنرل سکریٹری ہیں اور ان عناوین سے جمعیۃ علماء ہریانہ پنجاب ہماچل و چنڈی

گڑھ کے ذمہ دار اعلیٰ مولانا علی حسن صاحب مظاہری کے ساتھ مل کر دینی ،قومی اور ملی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی خدمات علمیہ وعملیہ کو قبول فرمائے اور بیش از بیش ترقیات سے نوازے۔

نمونۂ کلام: خالؔد خالد خیرآبادی

نعت

کرے یہ مشتِ خاکی لاکھ اپنی سعیِ امکانی
نہیں شایانِ شاں ممکن محمد کی ثنا خوانی

رسول اللہ کی معراج ہے تا عرش رحمانی
نماز پنجگانہ ہے مگر معراج انسانی

بشارت ابن مریم کی ہویدا ہوگئی جس دم
رکی ہے آتش فارس کی اس دم شعلہ سامانی

زہے شانِ کرامت نامۂ فاروقِ اعظم کی
ابھی تک نیل جاری ہے وہی باقی ہے طغیانی

سجائے کس طرح الفاظ مدحت کے لئے خالؔد
فصاحت کو تحیر ہے بلاغت کو پریشانی

غزل

دنیائے محبت کا لوگو! دستور ہی الٹا ہوتا ہے
الفت کا شرارہ پہلے تو معشوق میں پیدا ہوتا ہے

تاریخ مسلسل شاہد ہے ہر ظلم کو دبنا ہوتا ہے
فرعون کا سر جب اٹھتا ہے، موسیٰ کوئی پیدا ہوتا ہے

غزلوں سے چھلکتی تھی شوخی لیکن یہ تغیر کیسا ہے
خالؔد کی غزل کا ہر مصرع اب درد میں ڈوبا ہوتا ہے

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

نام: ضیاء الحق خیرآبادی (عرفیت حاجی بابو)

والد کا نام: حاجی عبدالرحمٰن بن حاجی محمد ابراہیم درگاہی بن نصر اللہ

مولانا حافظ عبدالحی صاحب (ناظم اعلیٰ) کے سگے بھتیجے ہیں، ناظم صاحب کے تذکرہ میں ان کے خاندانی احوال مذکور ہیں، ان کے والد حاجی عبدالرحمٰن صاحب نہایت باذوق وصاحب مطالعہ شخص تھے۔ جب یہ سوا سال کے تھے تو انھیں اپنے والدین کے ساتھ حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اسی لئے ان کو حاجی بابو کہا جاتا ہے، ان کی یہ عرفیت اس قدر غالب آئی کہ لوگ اصل نام بھول گئے، بعد میں بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد بار حج وعمرہ کی سعادت سے نوازا۔

تاریخ ولادت: ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۴؍اکتوبر ۱۹۷۵ء میں علم وہنر، شعروادب اور صنعت وحرفت کی سرزمین خیرآباد میں آنکھیں کھولیں، جس کی خاک سے مولانا شبلی شیدا خیرآبادی، مولانا محمد سلیمان شمسی خیرآبادی (سابق شیخ الحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا) مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی اور مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب خیرآبادی (پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا) جیسے صاحبان علم وفضل اٹھے اور علمی دنیا میں اپنی ایک شناخت اور پہچان بنائی، ایک دنیا ان کے علم وفضل کی معترف اور قدردان ہے۔

تعلیم: پرائمری، حفظ اور فارسی وعربی اول تک تعلیم وطن کی معروف درسگاہ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ پرائمری کا دورانیہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۹ء ہے۔ پرائمری کے اساتذہ میں حافظ محمد امین صاحب خیرآبادی، مولانا نظام الدین کرہائیؒ، مولانا مشتاق احمد کوپاگنجیؒ، ماسٹر مجیب الحق مدھے پوری، ماسٹر محمد اختر بھیرویؒ، وماسٹر شفیع احمدؒ ہیں۔

پرائمری درجہ ایک میں پہنچ کر مطالعہ کا ذوق نمایاں طور پر ظاہر ہوا اور اپنے بعض دوستوں کے ساتھ لائبریری آنے جانے لگے۔ابتداء میں بچوں کے لیے لکھی گئیں کتابیں اور رسائل زیر مطالعہ رہے اور اس میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی ، بعد میں مطالعہ کا یہ ذوق اتنا بڑھا کہ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ بیشتر اوقات کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی تھی ، وہ اپنے مطالعہ کے بارے میں ماہنامہ التخیل کراچی میں لکھتے ہیں:

مطالعہ کا آغاز تاریخ وسیرت اور اسلامیات سے متعلق کتابوں سے ہوا، آہستہ آہستہ اس میں توسع پیدا ہوتا گیا اور پھر تو مطالعہ کی ایسی لت پڑی کہ ادب وشاعری، ناول و افسانے، طنز و مزاح سے متعلق کتابیں اور رسائل وجرائد سب کا مطالعہ کرنے لگا۔روزانہ پوری پابندی سے مغرب کے بعد لائبریری جاتا تھا، کتابیں تو گھر لاکر پڑھتا تھا، اخبارات ورسائل وہیں جاکر پڑھتا تھا، اس لیے کہ اس کو لائبریری سے لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک کا دور (یہ میرے درجہ پرائمری کا دور ہے) ایسا گزرا ہے جس میں بلا مبالغہ اسلامیات، تاریخ وادب، ناول وافسانے اور دیگر موضوعات پر کئی سو کتابیں چاٹ ڈالیں۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ زبان وادب کا صحیح مذاق پیدا ہوا۔.......

مطالعہ کی راہ میں میرے سب سے پہلے محسن میرے عزیز دوست مولانا عبد اللہ خالد خیرآبادی ایڈیٹر ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور ہیں، انھوں نے ہی مجھے بالکل بچپن میں لائبریری کی راہ دکھائی اور اسی راہ سے میں مطالعہ کی وسیع شاہراہ پر پہنچا، اس کے بعد میرے استاذ مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی جن کو اللہ تعالی نے خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا خصوصی ملکہ عطا کیا ہے، انھوں نے مطالعہ کے ساتھ ساتھ قلم پکڑنا سکھایا۔جو کچھ اس وقت لکھ رہا ہوں اس کی بنیاد میں ان کی محنت وکوشش اور فکر وتوجہ کو بڑا دخل ہے۔جب میں پرائمری درجات میں تھا تو مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی نے میرا شوق مطالعہ دیکھا تو بہت تحسین کی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔انھیں نے پہلی مرتبہ باقاعدہ لکھنے کی ترغیب دی اور مضامین لکھوائے، اس کی اصلاح وتصحیح کے بعد اسے بچوں کے رسالہ پیام تعلیم دہلی میں شائع کروایا۔اس وقت بچوں کے دو رسالے دہلی سے نکلتے

تھے جسے ہم لوگ لائبریری سے لاکر پڑھتے تھے: ایک بچوں کا ماہنامہ امنگ اور دوسرا ماہنامہ پیام تعلیم۔ ماہنامہ امنگ میں ایک بلاعنوان کہانی شائع ہوئی اور اعلان کیا گیا کہ جس کا عنوان سب سے عمدہ ہوگا، اسے سال بھر تک رسالہ مفت دیا جائے گا۔ مولانا موصوف نے اس کے مختلف عنوان لکھ کر مجھے، عبداللہ خالد اور چند ایک لڑکوں کو دیے۔ میرا عنوان تھا ''پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر'' مجھے پہلا انعام ملا اور سال بھر تک رسالہ میرے پاس آتا رہا۔ رسالہ میں پہلی بار اپنا نام دیکھ کر جو خوشی ہوئی تھی، اسے دل اب بھی محسوس کر رہا ہے۔ اس وقت مولانا موصوف کی رہنمائی میں کئی مضامین لکھے جو دہلی سے نکلنے والے بچوں کے مشہور رسالہ پیام تعلیم میں شائع ہوتے رہے۔ یہ ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان کی بات ہے، اسی وقت میں نے مولانا کا انٹرویو بھی لیا، جو پیام تعلیم میں چھپا اور اس پر مجھے سو روپے کا انعام بھی ملا تھا۔

(ماہنامہ ''النخیل''، کراچی، مطالعہ نمبر، ص:۶۵۱[طبع اول] ستمبر ۲۰۲۰ء)

۹؍شوال ۱۴۰۹ھ [۱۴؍مئی ۱۹۸۹ء] حفظ قرآن کریم کا آغاز کیا، حفظ کے استاذ قاری وسیم احمد صاحب خیرآبادی ہیں، ڈیڑھ سال میں حفظ مکمل کرلیا۔ فارسی مولانا محمد ہارون صاحب اور مولانا محمد افضل صاحب سے پڑھی، مولانا افضل صاحب نے ان کی درخواست پر مدرسہ کے نصاب کے علاوہ گلزار دبستاں، کریما، پند نامہ، مامقیماں، مفتاح القواعد، اخلاق محسنی و یوسف زلیخا اور شعر العجم جیسی کتابیں پڑھائیں۔ خیرآباد عربی اول پڑھنے کے بعد ہمارے دیار کے ممتاز عالم و مربی، بہترین خطیب و ادیب مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں شیخوپور پہنچے، انھوں نے جماعت سے ہٹ کر تین سال میں عربی دوم سے عربی پنجم تک کی دو کتاب کے علاوہ تمام کتابیں پڑھائیں، یہ عرصہ موصوف کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، مولانا سے انھوں نے خوب کسب فیض کیا اور ان کی صحبت و تربیت میں رہ کر وہاں سے کندن بن کر نکلے، مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ پر ان کا مفصل مضمون جو مجلّہ ''عکس'' [ناشر: مولانا ابوالکلام لائبریری، نوتنواں، ضلع مہراج گنج) کے مولانا اعجاز احمد اعظمی نمبر میں شائع ہوا ہے، لائق مطالعہ ہے۔

شوال ۱۴۱۷ھ مطابق فروری ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا۔ شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ مشکوٰۃ کے سال درج ذیل اساتذہ کے یہاں اسباق رہے:

مولانا ریاست علی صاحب بجنوری (مشکوٰۃ شریف حصہ اول)

مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی (مشکوٰۃ شریف حصہ دوم)[۱]

مولانا حکیم محمد احمد صاحب (مشکوٰۃ شریف حصہ سوم)

مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی (ہدایہ جلد ثالث)

مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی (ہدایہ جلد رابع)

مولانا مفتی محمد امین صاحب (شرح عقائد و سراجی)

دورۂ حدیث کے سال اسباق کی ترتیب اس طرح تھی:

بخاری شریف جلد اول:	مولانا نصیر احمد خاں صاحب
بخاری شریف جلد ثانی:	مولانا عبدالحق صاحب اعظمی
مسلم شریف جلد اول:	مولانا قمرالدین صاحب
مسلم شریف جلد ثانی:	مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی
ترمذی شریف جلد اول:	مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
ترمذی شریف جلد ثانی:	مولانا سید ارشد مدنی صاحب
ابوداؤد شریف اول:	مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی
ابوداؤد شریف ثانی:	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی
ابن ماجہ شریف:	مولانا ریاست علی صاحب بجنوری
نسائی شریف:	مولانا قمرالدین صاحب
مؤطا امام مالک:	مولانا قاری محمد عثمان صاحب
مؤطا امام محمد:	مولانا مفتی محمد امین صاحب

تدریس: مولانا اعجاز احمد صاحب کو اپنے اس شاگرد پر اس درجہ اعتماد تھا کہ دورۂ

حدیث کے سال سالانہ امتحان سے پہلے یہ پیغام بھیجا کہ اب مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں، اگلے سال سے مدرسہ شیخ الاسلام میں کارِ تدریس سنبھالو، چنانچہ فراغت کے بعد ہی شوال ۱۴۱۹ھ مطابق جنوری ۱۹۹۹ء میں مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں مدرس ہوگئے، جہاں شوال ۱۴۳۴ھ مطابق اگست ۲۰۱۳ء تک پورے ۱۵/سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد اپنے استاذ محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کے ہمراہ مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو گئے جہاں دوسال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مولانا عبدالعظیم قاسمی کے شدید اصرار پر دارالعلوم تحفیظ القرآن سکھٹی، مبارکپور آ گئے، جہاں شوال ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء سے تاحال تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کے یہاں آنے سے عربی شعبہ کا آغاز ہوا، اوراس وقت عربی چہارم تک تعلیم ہے۔اس وقت تدریسی زندگی کو۲۲/سال پورے ہونے والے ہیں، اس دوران فارسی کی پہلی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔آج ان کے بہتیرے شاگرد مسند علم وحکمت پر فائز ہوکر علم ومعرفت کے چراغ روشن کئے ہوئے ہیں۔اپنے تلامذہ پر شفقت ومحبت کے ساتھ ان کی اخلاقی وفکری تربیت اوراسی کے ساتھ قدم بہ قدم حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ ان کے تلامذہ ان سے بے حد محبت کرتے ہیں اور فراغت کے بعد بھی ان سے مربوط رہتے ہیں۔

تحریری سرگرمیاں: زمانہ طالب علمی سے ہی کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ رہا۔ان کے شیخوپور میں مدرس ہونے کے بعد مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نے ماہنامہ ضیاءالاسلام کے نام سے ایک رسالہ نکالنے کی تجویز پیش کی جس کی ترتیب وادارت کی ذمہ داری موصوف سے متعلق رہی، جس کو انھوں نے بخوبی ۱۲/سال تک نبھایا۔اس کے بعد سکھٹی سے ایک سہ ماہی مجلّہ رشد وہدایت نکالا جو کئی سال نکلنے کے بعد اس وقت ناسازگار حالات کی وجہ سے موقوف ہے۔

میری نظر میں عزیز موصوف کا ایک بڑا اور نمایاں کام اپنے مرشد ومربی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ کے مضامین ومقالات کی ترتیب وتدوین ہے، مولانا مرحوم کے تمام علمی، فکری، ادبی اور اصلاحی مضامین کو تلاش کر کے کتابی شکل میں ترتیب دے

کر تقریباً چھوٹی بڑی ۳۰/۳۵ رکتابیں شائع کر چکے ہیں، جس طرح امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو امام ابو یوسف اور امام محمد نے مدون کر کے زندۂ جاوید بنادیا، اگر یہی بات مولانا ضیاء الحق صاحب کے بارے میں کہی جائے تو غلط نہیں ہوگی کہ انھوں نے اپنے مرشد و مربی کے علمی ورثہ کو زندۂ جاوید بنادیا ہے، اسی طرح انھوں نے مولانا سے ان کی خودنوشت اور کئی ایک مضامین و رسائل لکھوائے۔ یہ جو کچھ ہوا محض اللہ کی توفیق اور اس کے فضل کی کارفرمائی ہے اور اس میں قابلیت سے زیادہ قبولیت کا دخل ہے، ورنہ مولانا مرحوم کے ایک سے ایک قابل و باصلاحیت اور لائق و فائق تلامذہ موجود ہیں لیکن یہ شرف انھیں کو حاصل ہوا۔ ان کے مرشد و مربی نے ان کی خدمات کا تذکرہ بڑے بلیغ اور بلند الفاظ و کلمات کے ذریعہ کیا ہے، جو اُن کی تصانیف میں دیکھا جاسکتا ہے، یقیناً یہ ان کے لئے سعادت اور فخر کی بات ہے۔

تصنیفات و مقالات اور ترتیب دادہ کتب:

☆ اندلس میں اسلام (مطبوعہ)

☆ تذکرہ علماء ودانشورانِ خیرآباد (زیر مطالعہ کتاب)

☆ خاصانِ خدا کے آخری لمحاتِ زندگی (غیر مطبوعہ)

☆ مولانا حبیب الرحمٰن محدث الاعظمی اور مجلّہ المآثر (مطبوعہ، در ''تذکرہ محدث الاعظمی'' ۱۶۰ رصفحات)

☆ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی: محاسن و کمالات اور میرے مشاہدات
(مطبوعہ در مجلّہ ''عکس'' مولانا اعظمی نمبر، ۱۲۰ رصفحات)

☆ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے مکاتیب اور مضامین و مقالات پر مشتمل درجنوں کتابیں مرتب کر کے اپنے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے شائع کیں۔

☆ تذکرہ سید الملت [مجموعہ مقالات] ۱۱۸۴ رصفحات، مطبوعہ

☆ ماہنامہ ضیاء الاسلام قاضی اطہر مبارکپوری نمبر ۴۶۰ رصفحات، مطبوعہ

☆ سرگزشت حیات [خودنوشت مولانا ابواللیث صاحب خیرآبادی] ۲۵۶ رصفحات، مطبوعہ

[اس سرگزشت حیات کی بھی ایک سرگزشت ہے، وہ یہ کہ مولانا ضیاء الحق (حاجی بابو) نے ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی سے یہ آپ بیتی لکھوائی، اور اسے بار بار پڑھ کر تہذیب و تحسین کی اور حسن ترتیب کے ساتھ اپنے مکتبہ ضیاء الکتب سے شائع کیا۔

رفقائے درس: دورۂ حدیث کے چند ساتھیوں کے نام یہ ہیں: مولانا محمد مزمل بدایونی، مولانا فہیم الدین بجنوری، مولانا عمران اللہ غازی آبادی (اساتذۂ دارالعلوم دیوبند) مولانا عبدالملک رسولپوری، اسسٹنٹ پروفیسر دہلی یونیورسٹی، مولانا ظہیر احسن خیرآبادی وغیرہم۔

اہل علم سے تعلق: ہندوپاک کے علماء اور صلحاء سے ان کے بہت گہرے روابط ہیں۔ پاکستان کے مشہور عالم دین جسٹس حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ سے متعدد مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہے، اور ان سے عرصہ تک خط وکتابت بھی رہی، مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے شیخ ومرشد مولانا عبدالواحد صاحب علیہ الرحمہ، ان کے صاحبزادے مولانا قاسم عبداللہ۔ مولانا ابن الحسن عباسیؒ، مولانا حکیم محمد مظہر صاحب بن مولانا حکیم محمد اختر صاحب، مولانا ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن صاحب معاون مدیر السیرہ کراچی، ڈاکٹر محمد ارشد [مدیر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور] جناب شبیر احمد خاں میواتی وغیرہم سے بھی علمی ودینی مراسم رہے ہیں۔ ابھی حال میں پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ان کو اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) کے لئے مولانا قاضی اطہر مبارکپوری پر مقالہ لکھنے کے لئے منتخب کیا، ان شاء اللہ ان کا مقالہ اس انسائیکلو پیڈیا میں شائع ہوگا۔ ہندوستان میں مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، مولانا نور الحسن صاحب راشد کاندھلوی، مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی، مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، مولانا جعفر مسعود ندوی، ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، مولانا عبدالحی ندوی، مولانا حشمت اللہ ندوی (قطر)، مولانا وزیر احمد اعظمی ندوی، (دبئی) مولانا فیصل احمد بھٹکلی، ڈاکٹر یاسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر ظفر احمد صاحب اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، تمام رفقاء دارالمصنفین اعظم گڈھ، کہاں تک لکھوں اور بھی بہت سارے حضرات ہیں، ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب سے انتہائی قریبی تعلقات تھے، ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بیسوں خطوط ان کے پاس محفوظ ہیں۔

علماء وصلحاء اور قائدین امت اسلامیہ سے روابط ہی کا نتیجہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے صد سالہ اجلاس کے سلسلہ میں ہونے والے پہلے سیمینار کا انہیں کنوینر منتخب کیا، جو ہر

لحاظ سے تاریخ ساز رہا، انھوں نے چند ماہ میں ۱۸۴؍صفحات پر مشتمل مجموعہ مقالات (بنام تذکرۃ سید الملت) مرتب کر کے شائع کر دیا۔

نکاح واولاد: موصوف کا نکاح ۲۹؍مئی ۱۹۹۹ء مطابق ۱۳؍صفر ۱۴۲۰ھ شنبہ کو ہوا۔ اس وقت چار اولادیں ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱. حافظ احمد ضیاء سلّمہٗ (ولادت: ۹؍جولائی ۲۰۰۳ء) پرائمری پڑھنے کے بعد جامعہ عزیزیہ سہریا نظام آباد میں زیر تعلیم ہے، وہیں ڈیڑھ سال میں حفظ کیا، اس وقت عربی سوم میں ہے۔

۲۔ حافظ محمود ضیاء سلّمہٗ (ولادت: ۲؍جنوری ۲۰۰۸ء) پرائمری پڑھنے کے بعد لاک ڈاؤن میں حفظ شروع کیا، مدرسہ منبع العلوم میں زیر تعلیم ہے، الحمدللہ ۱۳؍جنوری ۲۰۲۲ء کو حفظ مکمل کر لیا۔ دونوں بچے ماشاءاللہ کافی ذہین وہونہار ہیں، اور لکھنے پڑھنے کا ذوق رکھتے ہیں، خصوصاً محمود سلّمہٗ۔

۳۔ تحمیدہ ضیاء سلمہا (ولادت: ۳؍فروری ۲۰۱۴ء) منبع العلوم کے شعبہ نسواں میں پڑھ رہی ہے۔

۴۔ حمودہ ضیاء سلمہا (ولادت: ۱۷؍جنوری ۲۰۱۹ء)

ایک واٹس اپ گروپ میں حاجی بابو نے ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب کا ایک خط شیئر کیا، تو اس مناسبت سے میں نے حاجی بابو کے بارے میں چند سطریں لکھی تھیں جو میرے دل کی آواز تھی، اسے اس تحریر کا اختتامیہ بناتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس میں کہی باتوں کو حقیقت بنا دے۔

> مجھے حاجی بابو کی قسمت پر رشک بھی آتا ہے اور فخر بھی ہوتا ہے کہ اللہ نے ان کی جانب اپنے بہت ہی خاص خاص بندوں کے قلوب موڑ دیئے ہیں، اہل علم اور اہل دل دونوں کے منظور نظر بن جاتے ہیں۔ ایک ملاقات میں لوگ دل سے چاہنے لگتے ہیں، یہ ثمرہ ہے اس قربانی کا کہ دوران تعلیم انھوں نے اپنے استاذ ومربی کے سامنے ''خودسپردگی'' کردی، اپنے آپ کو ان کے حوالہ کر دیا، اپنوں اور غیروں کے طنز وطعن کے تلخ گھونٹ بھی پیئے لیکن جب شان خلیلی (اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ) کی تفسیر بن گئے اپنے مرشد خاص کے سامنے تو (فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ) کا اللہ نے ایک حسن بھی ان کی ذات میں پیدا کر دیا۔ میں حاجی بابو کو مولانا اعجاز احمد صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کی وجودی کرامت کہتا ہوں اور کلیم عاجز کو

حاجی بابو سے وہی والہانہ، پدرانہ، مربیانہ شفقت تھی جیسی مولانا اعجاز صاحبؒ سے۔

ایک بات میں بارہا حاجی بابو سے کہہ چکا ہوں کہ اب اللہ تم کو عزت وشہرت بھی دے گا اور تم سے کچھ ایسے عجیب وحیرت انگیز کام بھی لے گا کہ عالمی سطح پر محبوب العلماء بنو گے، اس میں حاجی بابو کے ارادے کا دخل نہیں بلکہ منجانب اللہ یہ ہوگا اور ہو رہا ہے، کبھی انھوں نے انتظام وانصرام نہیں سنبھالا لیکن جب میں نے اصرار کرکے زبردستی دارالعلوم تحفیظ القرآن کا صدر مدرس اور مالیات کا ذمہ دار بنوایا تو اللہ نے مدرسہ کو شاہراہ ترقی پر ڈال دیا، بگڑا انظام درست کر ڈالا، کبھی زندگی میں چندہ نہیں کیا تھا لیکن مدرسہ کی ضرورت کے لئے اہل خیر حضرات کے پاس جانا ہوا تو ان لوگوں نے بلا درخواست ازخود پوچھ پوچھ کر توقع سے زیادہ تعاون کر دیا، بہت کچھ ہو رہا ہے، تقدیر الٰہی یہی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے بین الاقوامی سطح کے سیمینار کا کنوینر بنانے کی بات آئی تو کبھی جلسہ وپروگرام کے قریب نہ پھٹکنے والے، اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ مجھے کچھ تجربہ تو ہے نہیں، لیکن میں نے اور مولانا معزالدین صاحب گونڈوی نے کہا کہ بن جاؤ، اس میں خیر ہے، اللہ مدد کرے گا، پھر سیمینار کے شرکاء اہل قلم آج بھی کہنے پر مجبور ہیں کہ اتنا کامیاب، منظّم اور معیاری سیمینار ہم نے کم دیکھا ہے۔

بات کلیم عاجز سے چلی تھی، لیکن ذکر حاجی بابو کا ہونے لگا تو اس لئے کہ دونوں میں ایک ربط بن گیا۔ کلیم عاجز کا ہی ایک شعر ہے

کہاں سے چل کے اے ساقی کہاں تک بات پہنچی ہے
تری آنکھوں سے عمر جاوداں تک بات پہنچی ہے

میرے دوستو! میں نے جو بھی لکھا ہے ان کے ایک استاذ کی حیثیت سے لکھا ہے، مجھے کسی قسم کے تملّق کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بس جو دل نے محسوس کیا اور جو آنکھوں نے دیکھا ان مشاہدات وتجربات کو بیان کرنا بھی ایک استاذ کا فرض ہے۔ ورنہ وہ استاذ نہیں، خود پسند ملازم ہے۔

حاشیہ

[۱] اس حصہ کی کتاب البیوع مکمل مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی نے پڑھائی، بیضاوی شریف بھی مولانا موصوف کے یہاں تھی، جس کا کچھ حصہ مولانا نے ہمیں پڑھایا، اور بقرعید سے پہلے یہ نصاب بدر ہوگئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیرآباد: ایک تاریخی جائزہ

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں ہمارے اس خطۂ ارضی اعظم گڑھ اور مئو پر آفتاب اسلام کی ابتدائی کرنیں پڑیں، جب سید سالار مسعود عرف غازی میاں رحمۃ اللہ علیہ (فروری ۱۰۱۵ء- جولائی ۱۰۳۳ء) کا قافلۂ جہاد دہلی فتح کرتا ہوا اودھ کی سرزمین میں داخل ہوا۔سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جہادی سرگرمیاں قنوج، کڑا، مانک پور، بنارس، بہرائچ اور گردونواح کے علاقوں میں جاری رہیں۔

ان مردان غازی کا یہ کاروان جہاد پورے عزم واستقلال اور ایمانی غیرت وحمیت کے ساتھ رائے بریلی، سلطان پور، فیض آباد، پرتاپ گڑھ، اعظم گڑھ، جونپور، بنارس اور غازی پور سے گزرا ہے اور ایمان وایقان کے ابر رحمت کے کچھ چھینٹوں سے یہ سرزمین سیراب ہوئی ہے۔

تاریخ آئینۂ اودھ میں مولانا شاہ ابوالحسن قطبی مانک پوری لکھتے ہیں:

> اکثر قبریں، گنج شہیداں دیہات وقصبات متعلقہ اضلاع رائے بریلی، سلطان پور، فیض آباد، پرتاپ گڑھ، اعظم گڑھ، جونپور، بنارس اور غازی پور میں برابر پائی جاتی ہیں اور جہاں جہاں قبریں ہیں باوجود تمادی ایام کے عام طور پر بلا کسی اختلاف کے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں یہاں معرکہ مجاہدانِ غازی میاں ہوا ہے اور یہ ان ہی کے ساتھی کی قبریں ہیں ناظرین کتاب کو خیال رہے کہ ممالک مغربی وشمالی اودھ میں جہاں مقابرِ شہیدانِ ہمراہیانِ غازی میاں کہا جائے اس کو باور کرنے میں تامل نہ کیا جائے۔
>
> (تاریخ آئینۂ اودھ ص: ۲۷ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء)

چونکہ سید سالار مسعود غازی اور ان کے رفقاء کی یہ مہمات ہمارے اس دیار میں اس وقت ہوئی ہیں جب کہ ان علاقوں میں مسلم بستیاں اور آبادیاں بھی نہیں تھیں اور اس بات پر بھی تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ سید سالار مسعود غازی کی اس جہادی سرگرمی کے بعد جس کا زمانہ پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی ہے کسی مسلم حکمراں اور کسی صاحب دل ولی باصفا کی عملی واصلاحی سرگرمی سے یہ علاقہ محروم رہا ہے، البتہ سید سالار مسعود غازی کے قافلۂ جہاد کے دو جیالوں سید ملک عبداللہ شاہ اور سید جعفر شاہ کی قبروں کا وجود خیرآباد کے جانبِ مشرق ومغرب میں زبان زدِ خواص وعوام ہے، اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کاروانِ جہاد، تاریخ دعوت وعزیمت رقم کرتا ہوا ہمارے اس خیرآباد سے بھی گزرا ہے، گیارہویں صدی عیسوی کے اس دور میں سوائے کڑا اور مانک پور (موجودہ الہ آباد اور اناؤ کے درمیان ضلع پرتاپ گڑھ کا ایک علاقہ) کے اس پورے دیار پورب میں کسی اسلامی مملکت اور باقاعدہ ریاست کا پتہ نہیں ملتا ہے۔

سید ابوالحسن قطبی مانکپوری رقمطراز ہیں:

> مرآۃِ مسعودی سے مستنبط ہوتا ہے کہ سید سالار ساہو مسعود غازی خود جانب کڑا اور مانک پور کے گئے وہاں کے راجاؤں کو بعد شکست دینے کے زندہ گرفتار کیا اور دونوں شہروں کو پھر تاخت وتاراج کیا اور ملک قطب حیدر کو حاکم مانک پور اور ملک عبداللہ کو حاکم کڑا مقرر کیا۔

(تاریخ آئینۂ اودھ ص:۳۶ مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۳۰۲ھ)

یہ پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی کے اواخر کا زمانہ ہے، مانک پور اور کڑا میں چونکہ اسلامی مملکت کا قیام ہو چکا تھا اس لئے شہری اور تمدنی اعتبار سے یہ علاقہ ترقی کی راہ پر گامزن ہوا، اپنے عمرانی اور تہذیبی وتمدنی عروج کی وجہ سے مزید ترقیات کرتا رہا یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری (۶۳۳/۱۲۳۶ء) سلطان شمس الدین التمش کے دور اقتدار میں یہ مانکپور سلطنت دہلی کا مشرقی پایۂ تخت بن گیا اور کثیر تعداد میں علماء دین اور

داعیانِ اسلام کی آمد یہاں شروع ہوئی۔ٹھیک اسی دور میں افغانستان کے مشہور شہر گرویز سے صاحب فضل وکمال دو بھائی سید شمس الدین اور سید شہاب الدین نقل مکانی کر کے ہندوستان آئے۔سید شمس الدین نے میوات کے علاقے کو اور سید شہاب الدین نے علاقۂ کڑا مانک پور کو اپنی دینی واصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، اور یہیں مستقل بود و باش اختیار فرمائی۔

سید شہاب الدین کی اولاد کو کڑا مانک پور میں بڑا فروغ حاصل ہوا، مشیخت وامارت اور دین ودنیا کے امتزاج کی وجہ سے شاہی مناصب، عہدے اور جاگیرداری نے ان کے قدم چومے اور مشرقی علاقوں میں انھیں بڑا حسن قبول ملا، عوام کے ساتھ ساتھ سلاطین وامراء سے لے کر علماء وفضلاء تک ان لوگوں کے قدرداں ہوئے اور یہ لوگ راجہ اور شاہ کے خطابات سے نوازے گئے۔

محرم ۷۵۲ھ/ مارچ ۱۳۵۱ء میں تغلق خاندان کا بادشاہ فیروز شاہ تغلق ہندوستان کا حکمراں بنا، اس نے اپنے چچازاد بھائی محمد بن تغلق (جونا خان) کے نام پر ۷۷۲ھ/ ۱۳۷۰ء میں جونپور کو آباد کر کے اسے دار العلم والعلماء بنایا، ریاست جونپور کی حد جانب شمال میں بہرائچ تک تھی۔تغلق خاندان کے آخری بادشاہ سلطان محمود شاہ نے ۷۹۲ھ/ ۱۳۹۰ء میں اپنے باپ فیروز شاہ تغلق کے وزیر ملک سرور خواجہ جہاں کو سلطان الشرق کا لقب دے کر جونپور کی فرمانروائی عطا کی۔لاہور کے زبردست عالم مولانا شرف الدین کو بڑی عقیدت وارادت کے ساتھ ملِک العلماء کا شاہی خطاب دلا کر ملک جہاں اپنے ساتھ جونپور لے آیا، ان کے لئے مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرائی۔۸۰۰ھ/ ۱۳۹۸ء میں مولانا شرف الدین کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے امیر صدر الدین علم وفضل میں والد محترم کے جانشین ہوئے، جو اس دور کے صاحب تصانیف علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ان کی تصانیف میں شرح کافیہ، شرح حاشیہ عضدی اور شرح تفسیر بیضاوی وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے، ان کی بھی مستقل سکونت جونپور میں رہی اور ملک جہاں کے بعد یہاں کے حکمران مبارک شاہ شرقی کے وزیر رہے۔

فیروز شاہ تغلق سے لے کر امیر صدر الدین تک یہ چار اہم شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن

کی وجہ سے یہ پورا دیار آباد و پُر بہار نظر آتا ہے، اسی زمانے میں شیخ مخدوم ظہیر الدین صدیقی (م:۲۷/ذی الحجہ ۷۴۵ھ مطابق یکم مئی ۱۳۴۵ء) محمد آباد گوہنہ میں آباد ہوئے۔ شیخ زکریا ملتانی کے پوتے شیخ ابوالفتح رکن الدین ملتانی سے بیعت وارشاد کا تعلق تھا اور انھیں سے خلافت حاصل ہوئی۔ ان کے صاحبزادے شیخ مخدوم جمال الدین ان کے سجادہ نشین ہوئے اور ان کے بعد شیخ داؤد کو ولایت وخلافت ملی، ان تینوں حضرات کی قبریں خیرآباد اور محمد آباد کی درمیانی شاہراہ پر جانب شمال ایک اونچے ٹیلے پر موجود ہیں۔

اسی خانوادۂ ظہیریہ سے شیخ محمد ماہ تھے جو مبارکپور سے متصل املو میں جاگیر پاکر سکونت پذیر ہوئے، دور فیروز شاہی میں ایک اور بزرگ شیخ بایزید محمد آباد گہنہ آئے، ان کے خاندان میں بھی کئی اہل علم پیدا ہوئے، فیروز شاہ تغلق نے پرگنہ محمد آباد میں شیخ بایزید کو کوئریا پار، کبیر پور اور چک میر کی جاگیر عطا کی۔

شاہان شرقیہ کے تیسرے حکمراں ابراہیم شاہ شرقی (۸۰۴ھ /۱۴۰۲ء تا ۸۴۴ھ / ۱۴۴۰ء) کا تقریباً چالیس سالہ دور حکمرانی اس سلطنت کا عہد زریں اور پورب میں علمی بہار کا زمانہ ہے۔ اسی دور میں ایک زبردست عالم دین شیخ محمد بن خضر وارد جونپور ہوئے، بادشاہ نے بڑا اعزاز واکرام کیا، ان کے لئے مکان تعمیر کرایا۔ ۸۱۱ھ /۱۴۰۸ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے شیخ مشید کو پرگنہ محمد آباد گہنہ میں کل بارہ گاؤں (جن کا سلسلہ ولید پور ،بھیرہ، اور مبارکپور سے ہوتا ہوا لہرا تک پہونچتا تھا) بطور جاگیر کے دیئے۔ اسی پرگنہ محمد آباد گہنہ میں شیخ مشید کے علمی وروحانی خانوادہ سے علم وتحقیق، فضل وکمال اور ولایت وارشاد کے آفتاب وماہتاب شاہ ابوسعید، شاہ ابوالخیر بھیروی، شاہ اسماعیل، ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، شاہ ابوالغوث گرم دیوان اور شاہ ابواسحٰق وغیرہ آج تک علمی وروحانی دنیا کو منور کررہے ہیں۔

اس تاریخی مطالعہ سے یہ بات قارئین کرام نے یقیناً محسوس کرلی ہوگی کہ پانچویں صدی ہجری کے وسط سے آٹھویں صدی ہجری تک یہ خطۂ ارضی جس میں خیرآباد شامل ہے

بڑا آباد اور علم وعلماء اور صوفیہ ومشائخ کا گہوارہ رہا ہے، ایسے ایسے جلیل القدر اولیاء اور اصحاب علم اس دیار میں پیدا ہوئے جن کی وجہ سے لوگوں کی آمد اور پھر مستقل سکونت کا بھی پتہ ملتا ہے، خاص طور سے محمد آباد گہنہ، ولید پور، بھیرہ، کوئریا پار، املو، اور پھر آگے چل کر لُہرا یہ سب خیرآباد کے نواح میں ہیں اور اس دور میں نہ صرف مکمل طور پر آباد ہیں بلکہ یہاں کے علماء و صوفیاء مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں تو اس چھوٹے سے خطۂ ارضی (خیرآباد) کا وجود اس دور میں کیسے نہیں ہوگا، اس لئے تجزیاتی طور پر تاریخ کے مطالعہ سے خیرآباد کی آبادکاری کے سلسلہ میں جو بات صحیح اور درست سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

> خیرآباد کی موجودہ بستی سید سالار مسعود غازی کے زمانۂ جہاد (پانچویں صدی ہجری) میں بھی آباد تھی، اس کا قرینہ یہ ہے کہ سید صاحب کی جہادی مہم انھیں علاقوں میں سرگرم رہی ہے جہاں ہندوؤں کی اکثریت اور کافی عمل دخل رہا ہے، ملک عبداللہ شاہ اور سید جعفر شاہ کی قبر کی موجودگی یہ بتاتی ہے کہ یہاں غیر مسلم آبادی تھی اور یہ معرکۂ جہاد عمل میں آیا ہے، اس کے بعد سید جعفر شاہ کے مزار کے اور جانبِ مغرب تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر صالح آباد کے نام سے ایک مسلم بستی آباد ہوئی، جس کے آثار ونشانات اب بھی باقی ہیں۔
>
> اسی طرح خیرآباد کے جانب شمال جو ٹونس ندی بہتی ہے، محلّہ اٹھور یہ ٹولہ اور اتراری کے بیچ کی سیدھ میں ندی کے کنارے آبادی کے آثار ملتے ہیں اور لوگ اسے کرملا کے نام سے آج بھی جانتے ہیں، اس علاقے کے کھیتوں میں بھی کھدائی کے دوران بعض حضرات کو قدیم زمانے کے سکہ جات وغیرہ ملنے کی روایتیں عام ہیں، ویسے بھی ندی کے کنارے اس آبادی کا وجود بالکل قرین قیاس ہے، اس لئے کہ جس زمانے کا ذکر کیا جارہا ہے اس زمانے کی اکثر آبادیاں نقل وحمل اور آمدورفت کی سہولت کے لئے ندی اور دریاؤں کے کنارے ہوا کرتی تھیں، سیلاب کی وجہ سے پھر یہ آبادی اپنی جگہ سے اور جانب جنوب منتقل ہوئی ہے اور محلّہ اٹھور یہ ٹولہ اور موضع اتراری کا وجود ہوا ہے، یہ بات بھی زبان زدِ عوام وخواص ہے کہ ندی کے کنارے کے

اس حصہ میں بہت پہلے اٹھواری نام کی ایک تجارت پیشہ غیر مسلم قوم آباد تھی جس کے پس ماندگان آج بھی شہر اعظم گڑھ اور شہر کلکتہ میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح ندی کے کنارے تین بڑے ستون ایک دوسرے سے قدرے فاصلہ پر ''ستی'' کے نام سے جو ہندو تیرتھ استھان ہیں ان کا وجود بھی اس قوم کی آبادی کے لئے شاہد بنتا ہے، میرے بچپن میں یہ تینوں ستی موجود تھی، دو کے کھنڈرات تھے اور ایک آج بھی اپنی اصل شکل میں موجود ہے، کبھی کبھی اٹھواری قوم کے لوگ اعظم گڑھ سے آکر پوجا پاٹ کرتے ہیں، اندازہ ہے کہ پہلے جو ستی کی رسم (مرنے والے شوہر کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی زندہ جلا دینا) رائج تھی، اسی کی یادگار کے طور پر یہ ستون بنائے گئے ہیں۔

ہمارے مطالعہ کا حاصل یہ ہے کہ خیرآباد کی بستی بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں آباد نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کا وجود پانچویں صدی ہجری سے ہے، رہا راجہ خیراللہ شاہ (جن کو خیرآباد کا بانی کہا جاتا ہے) کی آمد اور ارشاد وتلقین کی ان کی کوششیں، تو اس سے یہ باور کیا جانا چاہئے کہ باقاعدہ مسلم آبادی اور اسلامی تہذیب وثقافت کی شروعات ان کے دور سے ہوئی ہے۔

خاندان گرویزیہ جو ساتویں صدی ہجری میں سلطان شمس الدین التمش کے دورِ اقتدار میں ہندوستان میں وارد ہوا، اس خانوادہ کے گوہر شب چراغ سید راجہ حامد شاہ چشتی متوفی: ۹۰۱ ھ نے اپنے شیخ ومرشد مخدوم حسام الدین مانک پوری کے حکم سے ریاست جونپور کو اصلاح وتربیت کا مرکز بنایا، یہ ابراہیم شاہ شرقی (۸۰۴ھ تا ۸۴۴ھ) کا دور اقتدار تھا، اس زمانے میں ریاست جونپور سلاطین شرقیہ کی قدردانی اور علم دوستی کی وجہ سے دہلی ثانی بنا ہوا تھا اور اطراف واکناف کے اہل علم وفضل کھنچ کھنچ کر یہاں آرہے تھے، سید حامد شاہ کو حکومت کی طرف سے منصب سلطانی اور مانک پور کی جاگیر ملی اور اللہ تعالی نے آپ کو اتنی بافیض اولادیں عطا کیں کہ ان سے کئی مواضعات آباد ہوگئے، آپ کے روحانی سلسلہ میں آپ کے بہت سارے خلفا ہوئے جن کے فیوض وبرکات سے دنیا اور خاص طور سے دیار پورب مستفیض ہوا۔ انھیں خلفا اور متوسلین میں آپ کے صاحبزادہ محترم راجہ سید نور بھی ہیں جن کی بعد کی اولاد میں ایک صاحب نسبت بزرگ راجہ سید نظام الدین عرف خیراللہ شاہ ہیں۔

راجہ خیر اللہ شاہ

پورا نام غلام نظام الدین اور عرفیت خیر اللہ شاہ ہے، علماء مانکپور میں سے راجہ سید غلام محی الدین کے صاحبزادے ہیں۔ طریقۂ چشتیہ میں انتہائی بلند مقام اور عالیشان تھے، ظاہری و باطنی تصرفات کے مالک اور پاک نہاد، راہ سلوک کے طالبوں اور مریدوں کی تعلیم و تربیت میں اللہ تعالی نے ان کو کرامت کی حد تک ملکہ دیا تھا، چونکہ وہ محمد آباد کے صاحب ولایت تھے اس لئے اکثر محمد آباد ہی میں سکونت کرتے تھے، ان کے دور میں محمد آباد میں اولیاء کرام اور مشائخ طریقت کی خوب دھوم رہا کرتی تھی اور عرس کی تقریبات اور سماع کی محفلیں سجتی تھیں۔

راجہ خیر اللہ شاہ کا انتقال ۷/رجب ۱۱۲۸ھ مطابق ۲۷/جون ۱۷۱۶ء میں محمد آباد میں ہوا اور وہیں اپنے صحن میں دفن کیے گئے۔

ان کے صرف ایک صاحبزادے سید مردان علی کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے راجہ خیر اللہ شاہ کی ولایت کی جانشینی کی ہے۔ (دیار پورب میں علم اور علماء: از قاضی اطہر مبارکپوری)

خیرآباد کی سرزمین پر بسنے والے یہاں کے آبائی حضرات بہت کم ہیں، اللہ تعالی نے اس بستی کے خمیر میں خوشحالی اور معیشت کے مواقع بکثرت ودیعت فرمائے ہیں، قرب وجوار کی بہت ساری بستیوں سے بھی مالداری اور خوشحالی میں ہمارا یہ خیرآباد ممتاز ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ گردونواح کے بہت سارے افراد نقل مکانی کر کر کے یہاں آباد ہوتے رہے اور یہ خیرآباد، آبادی کے لحاظ سے چند در چند ہوتا گیا اور اب بھی الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

خیرآباد کا محل وقوع

تحصیل محمد آباد گوہنہ سے بجانب مغرب تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر خیرآباد واقع ہے، اور دن بدن بڑھتی آبادی کے سبب خیرآباد اور محمد آباد تقریبا متصل ہو گئے، خیرآباد کے دکھن جانب اعظم گڑھ سے مئو جانے والی پختہ سڑک ہے اور اتر جانب دریائے ٹونس ہے، پورب جانب میں ملک عبداللہ شاہ کا مزار، دیوبندی مسلک کی شاندار و پرشکوہ عیدگاہ وقبرستان، سرکاری ڈاک بنگلہ کی عمارت اور سرکاری اسکول کی پرانی عمارت اور ان دونوں کے درمیان میں نوجوانان خیرآباد کی فٹ بال ٹیم ینگ انصار اسپورٹنگ کلب کا کھیل کا میدان ہے۔ خیرآباد کی پچھّم جانب محمد آباد، مبارکپور ہائی وے، بریلوی مسلک اور دیوبندی جماعت کی دو عیدگاہیں اور سید جعفر شاہ کا مزار اور ایک مسجد طریق ہے، یہ خیرآباد کا حدودِ اربعہ ہے۔ خیرآباد سے متصل جانب مشرق میں محمد آباد گہنہ کی قدیم بڑی آبادی ہے، جانب مغرب میں چند چھوٹے قریات کے بعد تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر مسلمانوں کی بڑی آبادی ابراہیم پور کے نام سے ہے، جانب شمال میں ندی ہے اور اس ندی کے اس پار بھیرہ اور ولید پور کی آبادی ہے، جانب جنوب میں مئو سے شاہ گنج بذریعہ ٹرین جانے کے لئے ریلوے لائن ہے۔

موضع اتراری

موضع اتراری اگر چہ سرکاری حد بندی اور کاغذات کے اعتبار سے مستقل گرام پنچایت ہے جس کا مستقل پردھان چنا جاتا ہے لیکن شدتِ اتصال کی وجہ سے عرفاً خیرآباد کا ایک محلّہ مانا جاتا ہے، اتراری کے بہت سے مکانات آدھے خیرآباد میں تو آدھے اتراری

میں ہیں، کوئی سرحدی فاصلہ نہیں اور آئندہ آنے والے کچھ سال میں خیرآباد و اترا ری نگر پنچایت بن جائیں گے۔

رقبہ کے اعتبار سے موضع اترا ری خیرآباد سے بڑا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے خیرآباد سے دکھن جانب ملک عبداللہ شاہ کے مزار اور اس سے متصل مسجد کا احاطہ کئے ہوئے عیدگاہ تک چلا جاتا ہے تو مشرق میں یہ عاشق حسین روڈ محمد آباد تک چلا گیا تھا، یہ مشرقی حصہ ابھی چند سال قبل محمد آباد ٹاؤن ایریا میں شامل کر دیا گیا۔ یہ پچھّم جانب سید جعفر بابا اور دونوں عیدگاہ کا احاطہ کرتے ہوئے گونچھہ نامی بستی تک چلا جاتا ہے اور یہیں پر ضلع مئو کی سرحد تمام ہو کر ضلع اعظم گڑھ کی سرحد شروع ہوتی ہے، اور شمال میں ٹونس ندی تک یہ پھیلا ہوا ہے۔

اترا ری کے شرق و شمال میں ہندو آبادی اور مِلکی زمیندار خاندان عاشق حسین میاں، اشرف میاں اور افضال میاں کی حویلیاں تھیں جن کے کھنڈرات ان کی خوشحالی کے گواہ ہیں۔

۱۹۵۲ء میں یہاں گرام پنچایت کا الیکشن ہوا، جس میں ووٹنگ کے بجائے ہاتھ اٹھا کر بڑی اترا ری کے رام پرساد کو پردھان اور امانت اللہ کو اتفاق رائے سے نائب پردھان بنایا گیا۔ پھر دس بارہ سال تک انتخاب نہیں ہوا۔ ۱۹۶۴ء کے قریب دوسرا انتخاب ہوا جس میں دھرہرہ کے ردھو پردھان کو منتخب کیا گیا، اور محمد ادریس پردھان ان کے نائب منتخب ہوئے۔ چند سال بعد ردھو پردھان کے مرنے کے بعد نائب پردھان محمد ادریس نے پردھانی کا چارج سنبھالا۔ ۱۹۷۳ء کے الیکشن میں حاجی عبدالغفار صاحب پردھان ہوئے، یہ پردھانی بھی دس سال چلی۔ اس کے بعد پانچ سال امانت اللہ پردھان رہے، اور ان کے بعد محمد پردھان ہوئے۔ ان کے بعد صغیر احمد پردھان، ان کے بعد فیض الحق پردھان، ان کے بعد اعجاز احمد دو مرتبہ پردھان ہوئے، پھر امام الدین، موجودہ پردھان ابرار احمد بن اعجاز پردھان ہیں۔

خیرآباد سے انتہائی اتصال کی وجہ سے ہماری تحریر میں اترا ری کا ذکر الگ سے موضع اور مستقل گرام پنچایت ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے لیکن خیرآباد کی تاریخ اور تذکرہ علماء و دانشورانِ خیرآباد میں یہ موضع بھی مستقل طور سے ہر جگہ شامل ہے۔

گرام پنچایت خیرآباد

اوراس کی موجودہ آبادی

۱۹۱۰ء اوراس کے بعد بہت دنوں تک انصاری برادری کی پنچایت کے سلسلہ میں خیرآباد کومرکزی مقام حاصل تھا۔محمد آباد، خیرآباد، ولید پور، بھیرہ، ابراہیم پورمل کر پنچ گانواں قائم تھی، جس میں محمد آباد بادشاہ، خیرآباد وزیر، ولید پور بھیرہ کوتوال، ابراہیم پور سپاہی کی حیثیت رکھتے تھے، اپنے اپنے مقام کی پنچایت اگر ابتدائی عدالت تھی تو پانچ گاؤں کی پنچایت عدالت عالیہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

۱۹۳۰ء کے بعد تک سرکاری اعتبار سے خیرآباد، محمد آباد گہنہ ٹاون ایریا کے تحت ہی آتا تھا، حاجی عبداللہ صاحب محلّہ دکھن کے بچلے صاحبزادے جناب محمد ایوب ۱۹۳۰ء میں جن کا قتل کردیا گیا تھا وہ باقاعدہ محمد آباد ٹاون ایریا کے ممبر تھے۔ بعد میں شیخ حماد میاں فاروقی اور شاہ حمیداللہ کی پارٹی بندی نے خیرآباد کو محمد آباد کی ٹاون ایریا سے الگ کردیا۔

خیرآباد ۱۹۴۹ء میں باقاعدہ گرام پنچایت بنا اور حافظ محمد شعیب صاحب اس گرام پنچایت کے ۱۹۵۶ء تک پہلے پردھان رہے، جن کے ساتھ ہندو مسلم کل ۳۹ ممبران پنچایت تھے۔

خیرآباد واترا ری کی موجودہ آبادی ایک محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار کے قریب ہے، جس میں چوتھائی کے قریب غیر مسلم ہیں، جن میں کھٹک، چمار، ڈوم، بڑھئی، سونار، اگروال، کلوار، برہمن، مالی، کائستھ، یادو، کرمی، موریہ سب ہیں۔ مسلمانوں میں اکثریت کپڑا بننے والے مومن انصار کی ہے اس کے علاوہ چند خاندان دھوبی، حجام، درزی، قصاب اور کنجڑا بھی ہیں، مومن انصاری برادری کا آبائی پیشہ پارچہ بافی ہے۔

صنعتِ پارچہ بافی

ہمارے اس دیار میں کپڑے تیار ہونے کی تاریخ شاہجہاں بادشاہ کے دور(۱۰۳۶ھ تا ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۲۷ء تا ۱۶۵۸ء) سے ملتی ہے جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں:

یہ قصبہ(مئو) شہزادی جہاں آرا بنت شاہجہاں کی جاگیر میں تھا اسی لئے اس کا نام جہان آباد رکھا گیا، شہزادی نے اپنے شوق سے یہاں کپڑے بننے والے کاریگروں کو جمع کیا اور جامع مسجد بنوائی جس کے چاروں طرف طلبہ کیلئے حجرے تھے۔(مقدمہ حیات شبلی:۵۷)

سچی کہانی قلمی خودنوشت سوانح حافظ محمد شعیب شاکر خیر آبادی سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ریشم، سوت، نقلی ریشم، کے مختلف رنگ وڈیزائن کے بہترین کپڑے تیار ہوتے تھے جن میں سنگی غلطہ، گلبدن، مشروع، نیم زری اور بنارسی ساڑیاں بہت مشہور تھیں، دور دور تک ان کی کھپت تھی۔ سوتی ساڑیاں، دوپٹے اور چادریں وغیرہ بھی بکثرت تیار ہوکر مئو کی منڈی کے ذریعہ بنگال تک پہونچتی تھیں، یہ کپڑے رنگ کی پختگی اور پائداری میں اپنی مثال آپ ہوا کرتے تھے۔ کچھ لوگ انھیں لکھنو، کانپور، رائے بریلی، لکھیم پور، نینی تال اور دہلی وغیرہ کے علاوہ صوبہ بہار اور صوبہ مدراس وبنگال تک لے جاتے تھے اور اس کی تجارت کرتے تھے جو یہاں کی زبان میں گماشتہ کہلاتے تھے۔ زیادہ تر لوگ انھیں کپڑوں کی تیاری کی مزدوری کرتے تھے اور انھیں گماشتوں اور آڑھتیوں کی بانی بنتے تھے، اور یہ کپڑا تیار کرنے کا سارا کام ہینڈلوم یعنی کرگھہ کے ذریعہ انجام دیا جاتا تھا۔

خیر آباد میں پاورلوم کی آمد تقریباً ۱۹۶۴ء میں ہوئی ہے، سب سے پہلے عبدالجبار غازی پوری نے محلّہ اٹھوریہ ٹولہ میں پاورلوم لگایا ہے، اس وقت کاٹن کے کپڑے تیار ہوا کرتے تھے، اس کے بعد اترا ری میں حاجی عبدالغفار پردھان اور صغیر دلال نے پاورلوم لگوائے پھر

یہ سلسلہ چل پڑا اور ہینڈ لوم ختم ہونے لگے، آج پورا قصبہ پاورلوم کی آواز سے گونجتا رہتا ہے، بعض گھروں میں اِکادکا کرگھہ بھی ہیں۔

موجودہ دور میں یہاں کی پوری آبادی (چاہے وہ کسی بھی برادری، مسلک اور مذہب سے متعلق ہو۔) اسی صنعت پارچہ بافی کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہے، اسی لئے خیرآباد میں اس وقت کوئی گھر شاید ہی ایسا ہوگا جہاں پاورلوم یا اس سے متعلق کوئی کام نہ ہوتا ہو، اس وقت خیرآباد کے تیار شدہ کپڑوں کی بنارس اور کلکتہ کی مارکیٹ میں کھپت ہے۔

یہاں کے پرانے رؤسا

آج سے تقریباً ایک سو سال پہلے حاجی محمد حسن، حاجی عبداللہ، حاجی عبدالرحمٰن، حاجی نورمحمد ان چار اشخاص کی ذات خیرآباد کے رؤسا میں شمار کی جاتی تھی، یہ چاروں حضرات موضع کے سرغنہ اور سربرآوردہ تھے، ان کی منشا کے مطابق یہاں کا ہر کام انجام پاتا تھا۔

حاجی محمد حسن: حاجی محمد طیب، اور مولانا عبدالسلام کے خاندانی اجداد میں سے ہیں۔

حاجی عبداللہ: محلّہ دکھن میں مولوی محمد عمر، حاجی محمد شفیع پردھان اور حافظ محمد ایوب کے جدامجد ہیں۔

حاجی عبدالرحمٰن: محلّہ اٹھوریہ ٹولہ میں مولانا انصاراحمد قاسمی (مرحوم) مقیم فرفرہ شریف بنگال، واقبال اجمیری وغیرہ کے اجداد میں سے ہیں۔

حاجی نورمحمد: محلّہ اٹھوریہ ٹولہ میں مولانا عبدالحق، مولانا سلیمان صاحب شمسی کے اجداد میں سے تھے، اسی خانوادے میں بیسویں صدی کے اوائل میں مولوی نعمت اللہ صاحب تھے جن کا ایک بڑا باغ تھا جو آج بھی مولوی صاحب کے باغ کے نام سے مشہور ہے۔

ماضی کے کچھ اہم حوادث وواقعات

(۱) سنسنی خیز واقعہ

انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں سلسلہ احسنیہ مجددیہ کے ایک مشہور بزرگ شیخ مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کے اصلاحی دورے اعظم گڑھ اور اس کے نواح میں ہوئے ہیں اور انھیں کے دم قدم سے بدعات وخرافات کا جو شیوع خیرآباد واترازی کی عوام میں رچا بسا تھا ان کا خاتمہ ہوا ہے، خیرآباد میں ان کے ارادتمندوں کی ایک بڑی جماعت تھی۔

خیرآباد کے زمین دار لوگوں میں حاجی عبداللہ صاحب محلہ دکھن کے لڑکے محمد ایوب بھی ان کے ارادت مندوں میں تھے، ان کے بعض نامناسب افعال پر مولانا سید امین صاحب نے سخت سرزنش کی اور کہا کہ ایوب! اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو ایسی موت مروگے کہ تمہیں جنازہ بھی نصیب نہ ہوگا۔ ۱۹۳۰ء میں ان کو کسی نے قتل کردیا اور ۲۹/روز بعد دریائے ٹونس کے ایک نالے سے پولیس نے ان کی لاش برآمد کی۔

خیرآباد میں اس غیر معمولی قتل سے تہلکہ مچ گیا، ان کے خاندان کے لوگوں نے دفعہ ۳۰۲ میں مقدمہ درج کرایا، اور خاندان کے تمام مخالفین اور ان کے ہمنوائیوں کو گرفتار کرادیا، خیرآباد میں دو گروپ ہوگئے اور آپس میں بڑی دوریاں پیدا ہوگئیں، پولیس نے تفتیش کی، لیکن صحیح قاتل کا پتہ نہیں لگا سکی، خاندان والوں کا کہنا ہے کہ لاش ٹکڑے ٹکڑے کرکے خراب کردی گئی تھی اور قاتل نے بڑی بے رحمی کا معاملہ کیا تھا۔

(۲) ایک خاص وبا

۱۹۳۶ء میں خیرآباد میں ایک عجیب بیماری چلی تھی، ہوتا یہ تھا کہ پیر کی انگلیوں میں سوزش کے ساتھ کھجلی پیدا ہوتی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کھجلی جسے مقامی زبان میں **جُھنجُھنی**

کہا جاتا ہے پورے جسم میں پھیل جاتی ،اور آدمی بیہوش ہو جاتا ، گاؤں کی اکثریت اس سے متاثر ہوئی ،اس کا علاج صرف ٹھنڈے پانی سے غسل تھا، چنانچہ گاؤں کے لوگ کنوؤں سے پانی بھرتے اوراس وبائی بیماری سے چھٹکارے کے لئے سینکڑوں گھڑے پانی کے استعمال کرتے ،اس بیماری سے عورتیں زیادہ متاثر ہوئیں۔

(۳) قینچی چلنے کی وبا

اسی سال ۱۹۳۶ء میں خیرآباد میں قینچی چلنے کی وبا چلی تھی ،ہوتا یہ تھا کہ پہنے ہوئے کپڑے جگہ جگہ سے اس طرح کٹ جاتے جیسے کسی نے قینچی سے کاٹ رکھا ہو، کرگہہ کے دھاگے بھی اسی انداز سے کٹ جایا کرتے تھے،لوگ بہت پریشان تھے،لوگوں کا خیال تھا کہ کسی نے پورے گاؤں پر آسیب اور جادو کردیا ہے جس کی وجہ سے یہ مصیبت آئی ہوئی ہے، اس وبا کے ذکر میں حافظ شعیب شاکر صاحب ''سچی کہانی'' میں لکھتے ہیں کہ:

فروری ۱۹۳۶ء میں اس کا سلسلہ محمد بشیر کے گھر سے شروع ہوا،اوراس کی بہن فاطمہ معمول تھی ،ابتدا میں ''پائی'' کا کچھ حصہ کٹ جاتا، جسے درست کرکے کام شروع ہوتا، کہ پھر وہی حرکت ہوتی اور بار بار پائی کا حصہ کٹ جایا کرتا ،اچھے اچھے عامل اور جھاڑ پھونک والے آتے اور طرح طرح کے ٹوٹکے،تعویذ ،گنڈے اس کی ترکیب کے لیے استعمال کرتے کہ بند ہو جائے ؛مگر یہ شیطانی فعل رکنے کے بجائے نئے نئے لباس میں آتا،ملبوس ساڑی کا کٹنا،سر میں تیل کا خود بخود بہنا،ہتھیلیوں میں سوئی کا دھنسنا اور خون بہنا،گھر میں بغیر لائے نئی نئی اشیا کا آنا، عجیب وغریب تماشا ہوتا تھا۔

میں تو اِن توہمات کا کبھی قائل نہ تھا، نہ مجھے ایسی باتوں پر یقین آسکتا تھا؛لیکن اب میرے سامنے یہ منظر کریہہ موجود تھا جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ میں نے ایک اہم استفسار کے عنوان سے اخبار میں مضمون شائع کیا، جو ۲۸رفروری وکیم مارچ ۱۹۳۶ءکو اخبار مدینہ بجنور میں بھیج کر مشتہر ہوا۔ اب اطراف ملک سے شاکر کے نام خطوط آنے لگے، ہندوستان کے علاوہ عرب وعراق سے بھی خط آئے، ملک کے تقریباً ہر حصہ سے لوگ حال دریافت کرتے ،کوئی تعویذ وفلیتہ بھیجتا،کوئی آنے جانے کا کرایہ طلب کرکے اس کے دفعیہ

کے لیے آنے کی خواہش کرتا، گاؤں کے لوگ خوف زدہ اور پریشان تھے، تنہا بشیر اس مصیبت کا مقابلہ کر رہا تھا، مگر اس کے اعتقاد میں کوئی تزلزل نہیں پیدا ہوا، بہتیرا لوگوں نے اسے عملیات وخرافات کی طرف راغب کرنا چاہا؛ لیکن اس نے باوجود جہالت کے کسی پر یقین نہیں کیا۔ شاکر ہی اس وقت اس معاملے میں مکمل دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا، بقیہ لوگ اس خوف سے کہ مبادا میرے گھر یہ وبا نہ پہنچ جائے، بہت دور دور رہتے۔

اتفاق سے بنگال کے ایک عامل علم الدین صاحب بنارس ہوتے ہوا تے آ گئے، شاکر نے ان سے خلاصہ بیان کیا اور گھر والوں کی پریشان حالی بتلا کر مناسب پیش کش کی، علم الدین نے دو ایک روز رہ کر مقام معمول کا جائزہ لیا اور کسی ترکیب سے اس کا دفعیہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

(۴) ۱۹۵۵ء کا سیلاب اور اس کی تباہ کاریاں

۱۸۷۱ء میں ٹونس ندی میں زبردست سیلاب آیا، اس کے بعد تقریباً ۶۷ رسال کے بعد ۱۹۳۸ء میں سیلاب آیا اور خیرآباد میں زبردست تباہی ہوئی، بہت ساری جانیں اور املاک تباہ ہوگئیں، پھر ۱۷ رسال کے بعد ٹونس ندی میں طغیانی آئی، ہر سیلاب تباہی اور ہلاکت خیزی میں گذشتہ رکارڈ توڑ دیتا تھا۔

۱۹۵۵ء کے سیلاب کے بارے میں خیرآباد کے ایک علم دوست اور علماء نواز جناب حاجی عبدالاحد صاحب شائق محلہ دکھن کی خودنوشت ذاتی ڈائری کے مطابق:

۲ رجولائی ۱۹۵۵ء سے ٹونس ندی کا پانی بڑھنے لگا اور بڑھتے بڑھتے ۱۴ رجولائی تک ٹونس ندی میں باڑھ شروع ہوگئی اور سیلاب کا زور بڑھتا ہی رہا، لوگوں میں ہیجانی کیفیتیں پیدا ہونے لگیں۔

گذشتہ آنے والے سیلابوں میں اتنا نقصان نہیں ہوا تھا جتنا کہ اِس ۱۹۵۵ء کے سیلاب میں ہوا، اعظم گڑھ کے مغرب جنوب میں ٹونس ندی پر جو شاہی پل ہے اس کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا، اِسی پرانے پل کے سامنے ضلع انجینیر نگ بورڈ نے نیا پل تعمیر کرایا تھا، اِس سیلاب نے تو اس کو جڑ سے اکھاڑ دیا، اعظم گڑھ اور مئو کا پل جو چار پانچ سو

سال پہلے شہنشاہِ ہند شیر شاہ سوری نے تعمیر کرایا تھا اِس سیلاب میں تہِ خاک ہو گیا۔

(۵) ۱۹۵۶ء کی باڑھ (سیلاب)

حاجی عبدالاحد صاحب کے ڈائری کے مطابق:

۸؍ستمبر ۱۹۵۶ء مطابق ۲؍صفر ۱۳۷۶ھ بروز سنیچر بوقت دوپہر مغرب وشمال جانب کونہ سے ابر کا ایک ٹکڑا سیاہ گھٹاؤں کے ساتھ نمودار ہوا اور بادوباراں کے تند و تیز جھونکوں کے ساتھ چاروں طرف پھیل گیا، ۱۵ستمبر تک سورج نظر نہیں آیا، مسلسل آٹھ روز تک کبھی کچھ بونداباندی اور کبھی بہت تیزی کے ساتھ موسلا دھار بارش، بزرگوں اور عمر رسیدہ لوگوں کا کہنا ہے کہ پچھلے سو برسوں میں شاید شاذونادر ہی ایسی ہولناک بارش ہوئی ہو۔

اس سیلاب سے کروڑوں ایکڑ زمینیں زیرآب ہو گئیں، ہزاروں اور لاکھوں ایکڑ فصلیں تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں، کسی شخص کا کوئی مکان یا گھر محفوظ نہیں رہا، مسلسل بارش کی وجہ سے کھپڑوں (تھپوا) پر تری پہنچتے پہنچتے نمی غالب ہوگئی اور کچے تو کچے یہاں تک کہ اکثر پکے مکانات کی چھتیں بھی ٹپکنے لگی تھیں۔

اس بارش اور سیلاب کی وجہ سے ضلع اعظم گڑھ میں ہزار مکانات اور ضلع غازی پور میں ہزار مکانات گرنے کی خبریں آل انڈیا ریڈیو کی نشری اطلاعات کے ذریعہ موصول ہوئی ہیں۔

اس پریشانی میں اللہ تعالی کے حضور اپنے گناہوں کی معافی اور مشکل حالات کو ختم کرنے کے لئے خلوص نیت اور صدق دل کے ساتھ دعا خوانی کا پروگرام خیرآباد کے لوگوں نے بنایا اور جامع مسجد میں اپنے افعال پر اشکِ ندامت بہانے اور گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے ۱۴؍ستمبر بروز جمعہ خوب خوب دعائیں کی گئیں، پھر ۱۵؍ستمبر صبح نو بجے سے گیارہ بجے تک اسی جامع مسجد میں دعا اور الحاح وزاری کا سلسلہ رہا، بالآخر رحمت خداوندی بندگان خدا کی طرف متوجہ ہوئی اور یہ طوفان بادوباراں موقوف ہوا اور لوگوں نے راحت کا سانس لیا۔

(۶) ۱۹۷۱ء کا سیلاب

۱۹۵۵ء کے تباہ کن سیلاب کی حشر سامانیوں کو نہ اس وقت کے آفت زدگان بھول سکے،

نہ خیرآباد و اطراف کی تاریخ، آج تک اس کا تذکرہ ہورہا ہے کہ فلاں ۱۹۵۵ء کے سیلاب کے دوسرے سال پیدا ہوا، فلاں تین سال کے بعد، فلاں صاحب ۵۵ء کے سیلاب کے ایک سال بعد فوت ہوئے، گویا عام الفیل کی طرح واقعات و حوادث اور ماہ و سال اس سیلاب سے یاد کئے جانے لگے۔

اس کے بعد بڑا بھیانک سیلاب ۱۹۷۱ء میں آیا جو اپنی شدت اور پانی کی زیادتی کے سبب ۱۹۵۵ء کے سیلاب سے بہت ہی بڑا تھا۔ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے اپنی خودنوشت ''حکایت ہستی'' میں بڑی تفصیل سے اس کے بارے میں لکھا ہے۔ اس سولہ سال کے عرصہ میں خیرآباد خاص کراتراری کی زمین پٹائی کر کے کافی اونچی کی جا چکی تھی، پھر بھی محمد آباد سے مبارکپور جانے والی سڑک پر ایک ماہ تک کمر تک پانی تھا، خیرآباد چاروں طرف سے بالکل کٹ چکا تھا، لیکن الحمدللہ کوئی بڑا حادثہ اور نقصان نہیں ہوا، گاؤں کے چاروں طرف لوگوں نے عارضی باندھ بنا رکھے تھے، نوجوانوں کی ٹولیاں رات بھر گشت کرتی تھیں۔

(۷) ۱۹۸۰ء کا سیلاب

چوتھا بڑا سیلاب ۱۹۸۰ء میں آیا تھا جو کافی دنوں تک رہا جس کی وجہ سے دھان وغیرہ کی رُپائی نہیں ہوسکی، سرکار کی جانب سے راحت رسانی کے نام پر بھی تھوڑی بہت مدد ہوئی لیکن زیادہ تر امدادی رقم بچولیے ہڑپ کر گئے جیسا کہ عام طور پر ہندوستان کی بھرشٹ کہانی ہے۔

۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۰ء کا سیلاب ستمبر کے مہینہ میں آیا، سیلاب عموماً اس دیار میں اگست، ستمبر میں ہی زیادہ تر آئے ہیں۔

(۸) مولانا سید محمد سعید احمد نصیرآبادی کا ورود مسعود

سید محمد امین نصیرآبادی (و:۱۲۷۵ھ۔م:۱۲؍جمادی الاخریٰ ۱۳۴۹ھ/۳؍نومبر ۱۹۳۰ء) کے تبلیغی و اصلاحی دورے چونکہ اِس دیار میں ہوا کرتے تھے جن کے دم قدم سے خیرآباد و اتراری میں بدعات و خرافات کا خاتمہ شروع ہوگیا تھا، ان کے اِس سلسلہ اصلاح کو ان کے جانشین مولانا سید محمد سعید احمد صاحب (۱۹۰۷ء۔م:۲؍مئی ۱۹۷۰ء/ ۲۵؍صفر ۱۳۹۰ھ) نے

پورا کیا ہے۔

۱۹۵۷ء میں جانشین مولانا سید محمد امین نصیر آبادی (۱)، مولانا سید محمد سعید صاحب کا ورود مسعود اور اہالیان خیر آباد کا زوردار استقبال بھی خیر آباد کے اہم واقعات میں سے ہے۔

حاجی عبدالاحد صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

۱۴ر نومبر ۱۹۵۷ء بروز پنجشنبہ وہ خوشگوار دن تھا جس روز حضرت مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی کے مسند نشیں حضرت مولانا محمد سعید احمد صاحب مدظلہ نے شام کو ۵ بجے کی ٹرین سے اپنی تشریف آوری کا شرف اہلِ خیر آباد کو بخشا، مغرب کی نماز آپ نے محمد آباد اسٹیشن کی مسجد پر ادا کی، بروقت پالکی موجود نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو رکشہ ہی پر سوار کر کے عاشق حسین روڈ ہوتے ہوئے محلّہ اتراری کی طرف سے لایا گیا، آپ متصل جامع مسجد مدرسہ منبع العلوم میں رونق افروز ہوئے، آپ نے بعد نماز عشا کچھ دیر وعظ فرمایا، اگلے روز بعد نماز فجر دس بجے تک لوگوں کو پند و نصیحت فرمانا ہم لوگوں کے لئے باعثِ خوش قسمتی تھا۔

---

(۱) مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی (۱۲۷۵ھ۔۱۳۴۹ھ) ان علماء ربانیین میں سے تھے، جن کے فیض سے سنت و شریعت کا نور خوب پھیلا، خیر آباد کی دینی چہل پہل میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ''مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ کی خدمت میں درسیات کی تکمیل کی، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ سے بھی علم حدیث کی سند حاصل کی، سلوک و طریقت کی منزلیں رائے بریلی میں مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے نانا مولانا سید ضیاء النبی صاحبؒ کی خدمت و صحبت میں طے کیں۔'' ان کے دورے ہمارے اطراف میں بکثرت ہوا کرتے تھے، ابھی پندرہ سال پہلے تک ان کو دیکھنے والے موجود تھے جو ان کی مجالس کی ایمان افروز باتیں سنایا کرتے تھے۔ ان کی مفصل سوانح مولانا نجم الدین اصلاحیؒ نے ''یادگار سلف'' کے نام سے لکھی ہے، جسے ۱۹۳۸ء میں علامہ سید سلیمان ندوی کے مقدمہ کے ساتھ دارالمصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا تھا۔ مولانا محمد سعید صاحب نصیر آبادی (۱۹۰۷ء۔و: ۲ر مئی ۱۹۷۰ء مطابق ۲۵ر صفر ۱۳۹۰ھ) ان کے ہم وطن و جانشین اور مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے شاگرد و دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ اپنے شیخ کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد ہمارے علاقہ میں ان کی آمد و رفت شروع ہوئی، ان سے بھی بڑا فیض پہنچا، دیکھئے ''تذکرہ علماء پرتاب گڑھ'' ص: ۲۰۱۔ (ضیاء الحق خیر آبادی)

شعر و ادب

انسان جب کاروبار دنیوی سے تھک جاتا ہے، مسائل زندگی گردو پیش سے اس کا احاطہ کرلیتے ہیں، تو اس کی طبیعت ایک الگ ماحول اور فضا کا تقاضا کرتی ہے، تاکہ کچھ دیر کے لئے وہ ان الجھنوں سے دور رہ کر دل و دماغ کو فرحت و انبساط کی وادیوں کی سیر کرا سکے اور نشاط و کیف حاصل کر کے آگے کاروبار زندگی میں مصروف ہوسکے۔

حیات انسانی میں یہی وہ موڑ ہے جہاں پہونچ کر یا تو انسان شراب و کباب کا سہارا لیتا ہے یا اگر طبیعت سلیم ہے تو پھر اس کے لئے اور ذرائع استعمال کرتا ہے، ایسے مواقع پر پہونچ کر فرحت و انبساط کے لئے کچھ طبائع کو شعر و ادب کے دامن میں سکون و اطمینان میسر آتا ہے اور وہ اسی کو اپنی جبلت کا جز بنالیتی ہیں، اور اسی کے مطابق ماحول اور معاشرہ سازگار اور موافق ہوتا چلا جاتا ہے، ہر طرف شعر و ادب کی محفلیں سجنے لگتی ہیں، اس کے لوازمات کے پیمانے گردش میں آنے لگتے ہیں، مشاعرے، لائبریریاں، شعری نشستیں اور بزم شعرو شاعری منعقد ہونے لگتی ہے، اور پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ اسی رنگ و آہنگ میں سرشار ہوجاتا ہے۔

باشندگان خیرآباد جن کی اکثریت مزدور طبقہ پر مشتمل ہے ان کے ساتھ بھی ٹھیک یہی فطری کاریگری نظر آتی ہے، اسی لئے خیرآباد کی تاریخ میں شعر و ادب اور ذوق کتب بینی کا بڑا اچھا ماحول نظر آتا ہے۔

حافظ محمد شعیب شاکر کی خودنوشت ''سچی کہانی'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً سوا صدی پہلے یہاں بڑے نامور شعرا پیدا ہوئے ہیں، ویسے خیرآباد کی تاریخ اور احوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے سے یہاں شعر و شاعری کا ذوق پایا جاتا

ہے، محلّہ محلّہ میں شعری نشستیں اور نعت خوانی کے مقابلے ہوا کرتے تھے، ایک دور ایسا بھی گذرا ہے کہ مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر کے سلسلہ میں لوگوں کی ترغیب اور اسلامی حمیت کو بیدار کرنے کے لئے چندہ کی نظموں کا خوب رواج تھا، تقریباً ہر محلّہ میں نظم خوانی کے لئے انجمنیں قائم تھیں اور لوگ بڑے ذوق وشوق سے اس میں حصہ لیتے تھے اور تعمیر ملت میں اس کا بڑا اچھا اثر ہوتا تھا۔

جب پورے ہندوستان میں تحریک مدح صحابہ کا زور ہوا تو چونکہ یہاں کے لوگوں کا بھی ذوق، شعر وادب سے مناسبت کا ہو چکا تھا لہٰذا اس سلسلہ میں بھی یہاں کافی گرما گرمی رہی، لوگ مدح صحابہ کی نظمیں، مدح صحابہ کے جلوس خود ترتیب دیتے یا معتبر شعرا کے کلام سے منتخب کرتے اور اسے بڑی عقیدت ومحبت سے پڑھتے، اس کے لئے جلسوں اور اجتماعات کا قیام ہوتا، اس سلسلہ میں جناب محمد مبین انجم ضیائی کے والد گرامی محترم جناب سعید مجاہد خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی آج بھی زبان زدِ خلائق ہے۔

چندہ کی نظمیں اور مدح صحابہ کے کلام پڑھنے کے لئے محلے محلے انجمنیں قائم تھیں، اس کے لئے مشق اور تمرین کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

حافظ محمد شعیب شاکر، مولانا محمد شبلی شیدا، منشی محمد یونس مجروح، مولانا سلیمان شمسی، انجم ضیائی، بیخود اعظمی، مشتاق شیدائی، محمد مبین جوہر، مولانا شمس ضیائی اور اس طرح اور بہت ساری شخصیات بحیثیت شاعر تاریخ خیرآباد کا ایک اہم حصہ ہیں۔

شعر وادب کے حوالے سے یہ چند نام تو وہ ہیں جن کو تاریخی اعتبار سے محفوظ رکھا گیا ہے، لیکن ماحول اور معاشرہ کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بالکل بے جا نہیں ہے کہ شعر وشاعری کا یہ محمود ذوق باشندگان خیرآباد کی فطرتِ ثانیہ تھا، بہت ساری شخصیات ایسی ہیں جن کو تاریخ نے محفوظ تو نہیں رکھا لیکن ان کے تذکرے لوگوں کی زبانی سنے گئے ہیں، وہ لوگ علم وادب اور شعر وشاعری کے رسیا ضرور تھے لیکن نام ونمود کی خواہش وتمنا سے کوسوں دور تھے۔

موجودہ دور میں اس حوالہ سے شعرا میں جناب ڈاکٹر شوکت علی برقی، مولانا فضل حق

عارف خیرآبادی، قاری انجم ضیائی، متین خیرآبادی، عبدالعلیم علیم خیرآبادی، اور محمد شعبان دل خیرآبادی تو اپنی خوش گلوئی، غزلوں اور گیتوں کی وجہ سے عالمی پیمانہ کے اردو مشاعروں میں شریک ہوتے رہتے ہیں اور خیرآباد کی نیک نامی و شہرت میں اضافہ کرتے ہیں۔

شعری و ادبی تصنیفات

تصنیف و تالیف شخصیت کا آئینہ ہوا کرتی ہیں، قوموں کی تاریخ میں قوم کے افراد کی لکھی ہوئی کتابیں قوم کے علمی ذوق کا پتہ دیتی ہیں۔

باشندگان خیرآباد میں ایسی نابغہ روزگار چند شخصیتیں ہیں جنھوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

خیرآباد کی تاریخ میں ایک صدی قبل تک کسی تصنیفی خدمت کا پتہ نہیں ملتا ہے، مطالعہ اور تلاش و جستجو کے بعد خیرآباد کے تاریخی منظر نامہ میں سب سے پہلی تصنیف حافظ محمد شعیب شاکر خیرآبادی کی سچی کہانی کا پتہ ملتا ہے۔

ا۔ سچی کہانی

حافظ محمد شعیب شاکر (و: فروری ۱۹۰۸ء۔م: مئی ۱۹۷۴ء) کی خودنوشت سوانح ہے، جس میں انھوں نے اپنے خانگی احوال، زمانے کی ستم ظریفیاں، خیرآباد اور اس کے اطراف کے حالات، اپنی سیاسی سرگرمیاں اور قید و بند کی آزمائشوں کو تحریر کیا ہے جس کو احمد آباد کے زمانہ ملازمت میں لکھنا شروع کیا تھا جو تکمیل کے بعد تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے، جس کا مقدمہ مولانا محمد سلیمان شمسی خیرآبادی کے قلم سے لکھا ہوا مطبوع ہے، سچی کہانی غیر مطبوع ہے، اگر اس کی اشاعت ہو جائے تو خیرآباد کی تاریخ میں ایک علمی و ادبی اضافہ ہوگا، یہ خود نوشت ہماری اس کتاب کا بنیادی ماخذ ہے۔

اس کتاب کا مکمل تعارف رفیق محترم مولانا ضیاء الحق خیرآبادی کے قلم سے لکھا ہوا اس کتاب کے دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲- دیواری قلمی ماہنامہ ''آہنگِ خیرآباد''

۱۹۷۲ء میں مدرسہ منبع العلوم کے وہ اساتذہ جن کا تعلق خیرآباد واترا ری سے تھا، تعلیمی بیداری کے جذبہ سے ان لوگوں نے ایک مستحسن قدم یہ اٹھایا کہ ایک دیواری قلمی ماہنامہ کا اجراء ''آہنگِ خیرآباد'' کے نام سے کیا جس کا سرپرست اس وقت گاؤں کے پردھان جناب عبدالحق مقادم صاحب کو بنایا گیا، مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی (موجودہ ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم) اس کے نگراں تھے، پہلا شمارہ اپریل ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا، اکتوبر ۱۹۷۳ء میں اس ماہنامہ کی ادارتی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اِس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اس کے متعدد خصوصی شمارے بھی شائع ہوئے ہیں جن میں ''مشاعرہ نمبر''، سلور جوبلی آزادی نمبر''، ''عید نمبر''، محرم الحرام کی مناسبت سے خصوصی ضمیمہ بھی شامل ہے۔

اس کی خصوصی اشاعت سلور جوبلی آزادی نمبر کے بارے میں اکتوبر ۱۹۷۳ء کے ماہنامہ کی ادارتی تحریر میں یہ لکھا گیا ہے کہ

''یہ شمارہ پچیس سالہ جشنِ آزادی کے موقع پر پیش کیا گیا جس میں خیرآباد کے عظیم سیاسی وادبی شخصیت مجاہدِ آزادی حافظ محمد شعیب صاحب کی مجاہدانہ زندگی کی داستان ایک طویل انٹرویو کی شکل پیش میں کی گئی جس کو قارئین نے بیحد سراہا اور پورے ماہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جاتا رہا''

اس ماہنامہ کے مشہور قلمکار اور شاعر کے طور پر حافظ محمد شعیب خیرآبادی، علی حماد عباسی، فرحت قمر، مولوی عبدالحی، مولوی نظام الدین مفتاحی، صغیر احمد اعظمی، منشی عزیز الرحمٰن، محمد مبین ادیب کامل، اعجاز احمد ادیب کامل، مولانا ابواللیث خیرآبادی، وسیم دھامپوری، محمد زاہد خیرآبادی، محمد عثمان اصلاحی، عبدالرب جہانا گنجی قاسمی، نعمان احمد انصاری، وارث پھلواری، کوثر بھیروی، مشتاق شیدائی، انجم ضیائی، رشید انصاری سرائمیر، ایم کوٹھیاوی، فدا بھیروی، ریاض الدین صوفی، عادل رشید، مبین جوہر، عیش خیرآبادی، شائق خیرآبادی، مہدی پرتاب

گڑھی، عبدالمجیب سہالوی، اثرلکھنوی اور بہزادلکھنوی وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

اس کی مجلس ادارت میں مولانا نظام الدین مفتاحی، صغیر احمد اعظمی بن منشی محمد یونس، مولانا عزیز الرحمٰن مفتاحی اور حافظ محمد مبین اترار ی شامل تھے، باضابطہ اس کا کوئی ایڈیٹر نہیں تھا، مختلف ارکان مجلس ادارت اس کا افتتاحیہ لکھا کرتے تھے، مولانا نظام الدین مفتاحی باقاعدہ اس کی کتابت کیا کرتے تھے۔

تاریخ خیرآباد میں اس انداز کی یہ پہلی کارکردگی ہے جو منظر عام پر آئی ہے، اس کے شمارے اب نایاب ہو چکے ہیں، صرف اس کے پانچ شمارے مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم کے پاس محفوظ تھے، ان کی کرم فرمائی سے ہمیں دستیاب ہوئے ہیں، فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

۲۔ گلہائے صدرنگ

خیرآباد کی علمی وادبی شخصیات میں بحیثیت شاعر جناب محمد مبین انجم ضیائی کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے، شعر گوئی کا اچھا ذوق اور عمدہ سلیقہ رکھتے تھے، اردو لائبریری کے سب سے پہلے صدر بنائے گئے۔ دسمبر ۱۹۸۶ء میں ان کے انتقال کے بعد اردو لائبریری کے ذمہ داروں نے ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لائبریری کے جنرل سکریٹری جناب غفران انصاری خیرآبادی کے انتخاب وترتیب اور فخرالدین علی احمد میموریل حکومت اتر پردیش کے مالی تعاون سے ان کا شعری مجموعہ گلہائے صدرنگ بڑے ہی اہتمام سے شائع کیا، جس کے اجرا کا شاندار اجلاس خیرآباد بازار میں اکتوبر ۱۹۸۹ء کو منعقد ہوا، اس اجلاس کی صدارت مشہور زمانہ شاعر جناب فضا ابن فیضی (م: ۱۷/جنوری ۲۰۰۷ء) نے کی۔

۱۴۴/صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ کلام شعر وادب کا ایک شاہکار ہے، جس کے بارے میں فضا ابن فیضی نے لکھا ہے:

> انجم ضیائی کی شاعری کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ایک حساس شاعر اور اپنے گردوپیش کی زندگی وحالات ومسائل سے واقف تھے، دل کے معاملات ہوں یا زمانہ

کے معمولات، زندگی کی سنگینی ہو یا ماحول کی رنگینی، وہ مختلف واردات و کیفیات کو شعری زبان میں بیان کرنے کا ہنر جانتے تھے، انھوں نے کم وبیش موجودہ عہد ومعاشرہ کے بیش تر محرکات وعوامل کو اپنی شاعری میں سمونے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہیں۔

ان کی زبان سادہ اور عام فہم ہے، انداز بیان شگفتہ وسلیس، مضامین وخیالات میں بھی عمومیت ہے، وہ سامنے کی اشیا سے اپنی شاعری کے لئے مواد حاصل کرتے ہیں اور اسے بلا کم وکاست قاری کے سامنے پیش کردیتے ہیں، ان کا شعری مزاج فکری پیچیدگیوں کو قبول نہیں کرتا، ان کی ان ذہنی ترجیحات نے ان کے شعری اکتسابات کو راست بیانی اور وضاحتی اسلوب عطا کیا ہے۔

کلام انجم پر استاذ الشعرا مولانا محمد عثمان ساؔحر مبارکپوری کے منظوم تاثرات:

دُھلا ہوا سا ہے آب کوثر سے نعت کا لفظ لفظ ہمدم
ڈھلا ہوا قلب ہنر میں حسین الفاظ کا جہاں ہے
غزل ہو یا حسنِ ریختہ ہو، قصیدہ ہو یا کہ مثنوی ہو
سراپا حسن نظر کا پرتو، حجابِ معنیٰ میں پَرفشاں ہے

۳۔ جام سخن

مولانا محمد سلیمان شمسیؔ خیرآبادی (م: ۲۸؍دسمبر ۱۹۹۹ء) کے کچھ منتخب کلام کا مجموعہ ہے۔ ۴۸؍صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کو مکتبہ السلام، اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر نے نومبر ۱۹۹۹ء میں شائع کیا ہے۔

۴۔ نیرنگِ سخن

محمد انعام الحق ادیب وارثی خیرآبادی (ولادت: ۵؍فروری ۱۹۶۲ء) کا مجموعۂ کلام ہے، جسے حامد رضا صدیقی (شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے مرتب کیا۔ ۲۰۸؍صفحات پر مشتمل یہ مجموعۂ کلام دسمبر ۲۰۱۶ء میں مشکوٰۃ پرنٹرس علی گڑھ سے عمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہوا۔

ابتداء میں مصنف کا مختصر سا دیباچہ ہے، اس کے بعد ۲۵ رصفحات پر مشتمل مرتب کا مفصل مقدمہ ہے، جس میں انھوں نے کلام پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

کتاب کا آغاز حمد سے ہوتا ہے، اس کے بعد نعتیں ہیں، سب سے طویل حصہ غزلوں کا ہے، دو نظمیں اور متعدد رباعیات بھی ہیں۔ مزید تفصیل دوسرے حصہ میں مصنف کے تذکرہ میں آئے گی۔ ان شاءاللہ

۵۔ صہبائے عارف

مولانا فضل حق عارف خیرآبادی کا مجموعہ کلام ہے جسے راقم الحروف نے مرتب کیا ہے، خیرآباد کی تاریخ میں منظر عام پر آنے والا یہ تیسرا شعری مجموعہ ہے۔ اسے مولانا ضیاء الحق خیرآبادی نے اپنے ''مکتبہ ضیا الکتب'' اترارى خیرآباد سے دسمبر ۲۰۱۹ء میں شائع کیا۔ ۲۴۴ رصفحات کے اس مجموعہ کلام میں مولانا موصوف کی لکھی ہوئی حمد، نعت، منقبت صحابہ، استقبالیہ اور مختلف مناسبتوں سے لکھی ہوئی نظمیں اور متعدد غزلیں شامل ہیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی، صاحبِ کلام مولانا فضل حق عارف خیرآبادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ مولانا فضل حق صاحب جو ایک بلند پایہ ادیب، زبردست ناقد اور بہترین شاعر ہیں۔ ان پر کچھ لکھنا مجھ عاجز اور غیر ادیب کے بس کی بات نہیں، صرف اتنا کہوں گا کہ مولانا ایک عظیم شخصیت کے مالک ہیں، تقویٰ کے پیکر، عمدہ استاذ، لاجواب انشا پرداز، قادر الکلام شاعر، موثر نعت گو، نظم ونثر پر یکساں قدرت رکھنے والے، ہزاروں اشعار کے حافظ، اردو کے ساتھ فارسی اشعار کے رموز واسرار اور اس کی نزاکتوں اور باریکیوں سے واقف۔ مگر ان تمام خوبیوں کے باوجود نہایت متواضع ومنکسر المزاج، گمنام وگوشہ نشین اور حلیم وبردبار۔

مجموعہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سید ندرت حسین، سہارنپوری رقمطراز ہیں:

> نعتیہ کلام کے علاوہ اس مجموعہ صہبائے عارف میں قلبی واردات کو مختلف مناسبتوں سے موزوں کیا گیا ہے، مثال کے طور پر اکابر و بزرگان دین کی آمد پر ان کے استقبالیے، مسافران حرم کو مبارکبادیاں اور اپنی نارسائی کے تاثرات حجاج کرام سے، اکابر وہم

عصروں کے سانحہ ہائے ارتحال پر مرثیے، مختلف مدارس اور دینی درسگاہوں کے ترانے، اسی طرح مختلف قومی وملی مناسبتوں سے قومی وملی نظمیں اس مجموعہ کلام میں شامل ہیں، مرتب مجموعہ نے تمام منظومات کا شانِ ورود مختصر الفاظ میں لکھ کر اس مجموعہ کو ایک تاریخی حیثیت دے دی ہے۔

۵۔ سرگزشتِ حیات

''سچی کہانی'' حافظ محمد شعیب صاحب شاکر کی لکھی ہوئی ان کی آپ بیتی ہے جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ سرگزشتِ حیات خیرآباد کی تاریخ میں پہلی خودنوشت آپ بیتی ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔

یہ عالمِ اسلام کے ممتاز عالم ومحدث مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی (استاذ و چیر ہولڈر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا) کی داستانِ حیات ہے جس میں مولانا خیرآبادی نے صرف اپنی آپ بیتی ہی نہیں بیان کی ہے بلکہ اپنی آپ بیتی کی جلو میں بقول ساحر لدھیانوی

دنیا نے تجربات وحوادث کی شکل میں جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

کی مکمل کامیاب قلمی تصویر ہے۔

کتاب ۱۸؍ابواب پر مشتمل ہے، مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو) کی کوشش وکاوش، ترتیب وتہذیب اور شاندار مقدمہ کے ساتھ ان کے ''مکتبہ ضیا الکتب'' سے نہایت عمدہ اور دیدہ زیب طباعت کے ساتھ جولائی ۲۰۲۱ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے۔

اس کتاب میں مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب نے ابتدا میں اپنے ایام طفولیت کی داستان، مدرسہ منبع العلوم کی ابتدائی تعلیم کے احوال، خیرآباد اور اپنے خاندان کا تذکرہ بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے، اس کے بعد حیات العلوم مرادآباد اور دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی اور پھر بیت العلوم مالیگاؤں اور مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کی تدریس کا ذکر ہے، اس کے بعد مدینہ یونیورسٹی اور جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں تحصیل علم کی داستان اور اس راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور ان سے نبرد آزمائی کو بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی دست گیری اور

اس کے فضل و احسان کو ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ ہر ہر سطر دل کو چھو لیتی ہے۔اسی کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمی زندگی کا جائزہ بھی پیش کیا ہے۔اور پھر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں اپنی تقرری اور پھر وہاں کے تعلیمی ماحول اور علمی سرگرمیوں کو بھی بیان کیا ہے۔

کتاب کے ایک باب میں مولانا کی صلبی اولادوں اور ان کے موجودہ مشاغل کا دلچسپ تذکرہ ہے، ایک باب میں اپنی تصانیف و مقالات اور تقاریظ و تبصروں کو بیان کیا ہے، اسی طرح اپنے اساتذہ و بعض مخلص احباب کا تعارف بھی کرایا ہے۔کتاب کا ایک باب ''وقائع و حوادث'' کے عنوان سے ہے جس کو پڑھنے کے بعد

پر بکھر جائیں ہواوں میں، یہ غم مت کرنا　　　حوصلہ ہو تو اڑانوں میں مزہ آتا ہے

کا ادراک ہر قاری کو یقیناً ہوگا۔

کتاب کے آخر میں مولانا کے اشراف اور نگرانی میں جن طلبا نے پی ایچ ڈی اور ایم اے کیا ہے ان کی فہرست اور ان میں بعض کا تعارف ہے۔مولانا کے علمی کمالات؛ عالم اسلام میں اعزاز و افتخار کی جو اصل بنیاد ہیں یعنی ان کی علمی اسناد (دارالعلوم دیوبند، مدینہ یونیورسٹی اور جامعہ ام القری کی سندات) کا عکس بھی ہمرشتہ ہے۔

یہ داستان حیات اس قدر دلچسپ اور دل آویز ہے کہ قاری پڑھتا ہی چلا جائے۔کتاب کا ہر باب مولانا خیرآبادی کے ایثار اور طلب علم میں ان کی بے پناہ جانفشانی کی منھ بولتی تصویر ہے، بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام تر نامساعد حالات کے باوجود مولانا خیرآبادی نے اللہ کی ذات پر سے بھروسہ کو بالکل بھی نہیں چھوڑا ہے جس کے نتیجے میں رب العالمین نے علمی فتوحات کے دروازے کھول دیئے۔

یہ کتاب زبان و ادب کا بھی بہترین شاہکار ہے،اس کا مطالعہ تازہ واردان بساط علم و تحقیق کے لئے عبرت و موعظت کا حسین مرقع ہے۔

اللہ تعالی اس کتاب کو مفید و مقبول بنائے اور ہم سب کو اس سے مکمل استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

علم اور علماء

تاریخ وآثار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ایک صدی قبل تک یہاں علم کی روشنی نہیں تھی، اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہاں چند متمول اور زمیندار قسم کے لوگوں کی اجارہ داری تھی وہ یہاں کے لوگوں کو اپنے ذاتی مفاد کی غرض سے علم سے بے بہرہ رکھنا چاہتے تھے اور اپنے اثر ورسوخ سے حصول علم سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ پارچہ بافی میں یہاں کی اکثریت بحیثیت مزدور کے کام کرتی تھی اور یہی مزدوری ان کے گزر بسر کا سہارا تھی، کسب معاش کی کوششوں میں طلب علم اور پھر اس کی منفعت لوگوں کی نظروں سے جاگیردارانہ مزاج رکھنے والوں نے اوجھل کر رکھی تھی، اس لئے لوگوں میں کوئی خاص ذوق اور دلچسپی نہیں تھی، تاہم اللہ کے نیک بندے لوگوں کی اصلاح اور تبلیغ دین کے لئے یہاں تشریف لاتے رہے ہیں۔

حافظ محمد شعیب شاکر صاحب ''سچی کہانی'' میں ۱۹۲۰ء کے احوال میں لکھتے ہیں:

خیرآباد میں مذہبی تبلیغ واشاعت کے لیے باہر سے وقتاً فوقتاً علمائے کرام تشریف لاتے رہے اور اپنے اپنے مواعظ حسنہ سے یہاں کے عوام کو مستفید فرماتے، ان میں دونوں مکتب خیال کے علما شامل تھے، زیادہ تر علمائے جون پور مثلاً مولانا مصطفٰی مکی اور مولانا ابوبکر صاحبان کی خاص قدر ومنزلت یہاں ہوتی رہی، اور بحیثیت پیر ومرشد مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی ضلع رائے بریلی دیوبندی جماعت کے پیشوا اور مولانا شاہ علی حسین صاحب کچھوچھوی بریلوی جماعت کے مقتدا تھے، اور بڑی اکثریت یہاں کی ان ہی حضرات کی مرید تھی اور جب یہ لوگ خیرآباد تشریف لاتے تو پورے گاؤں میں ایک خوشی ومسرت کی لہر دوڑ جاتی اور لوگ بڑی خوش اعتقادی کا ثبوت دیتے۔

شاہ صاحب ایک مسکین طبیعت اور متین عالم تھے، اور اپنے مسلک کے مطابق اپنے

پیروؤں کو اچھی اور مناسب نصیحت فرماتے تھے، برعکس اس کے سید محمد امین صاحب ایک مجاہد اور پُرجلال شخصیت کے مالک تھے، اور اپنے تقویٰ و پرہیز گاری کی بنا پر بڑے جاذب اور بااثر تھے، ان کے رعب داب کا یہ عالم تھا کہ اچھے اچھے شقی القلب ان کے سامنے موم نظر آتے، اور کیا مجال جو اُن کے دوران قیام کوئی ان کی ہدایات کے خلاف سرموانحراف کی جرأت کرتا۔ ان حضرات کی بزرگی کی بیشتر مثالیں ملتی ہیں، سید صاحب بیعت لیتے وقت جس اسلامی شان کا اظہار فرماتے اور اپنے ہونے والے مرید کو جو کچھ ہدایات دیتے بڑا مؤثر منظر ہوتا، اور جو لوگ ان کی ہدایات کی خلاف ورزی کرتے، ان سے جواب طلب ہوتا اور پھر خفت کے بعد دوبارہ اقرار کراتے اور نیک تلقین فرماتے۔ کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے ان کی منشا کے خلاف کام کیا اور خدا اور رسول کی راہ سے الگ ہو کر منکرات اور گناہ کی زندگی اختیار کی، سید صاحب ان سے سخت ناراض ہوتے اور ان کے حق میں بددعائیں کیں، جن کا اثر اور نتیجہ بڑا عبرت انگیز ظاہر ہوا اور ان کی زندگی بڑی ذلت ورسوائی کے ساتھ ختم ہوئی اور دوسروں کے لیے نصیحت کا باعث بنی۔ سید صاحب کے وصال کے بعد یہ سلسلۂ تبلیغ بند ہو گیا۔

شاہ علی حسین صاحب کی وفات کے بعد سید محمد صاحب اب تک بریلوی جماعت کے پیشوا کی حیثیت سے گاہے گاہے تشریف لاتے ہیں، اور وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ پیری مریدی کا رشتہ باقی رکھے ہوئے ہیں؛ مگر: ؎

ان کے سینوں میں نہیں ایمانِ کامل کی جھلک
دامن رنگیں قبا کی اڑ چکی ہیں دھجیاں

زمانہ بدلتا گیا، لوگ جہالت کی تاریکی سے علم کی روشنی میں آتے گئے، مئو اور مبارکپور میں بڑی بڑی درس گاہیں کام کرنے لگیں، گاؤں گاؤں مذہبی مکتب، مدرسہ کی شکل اختیار کرتے گئے، طلبہ ابتدائی تعلیم کے بعد مئو اور مبارکپور پہنچ کر اپنی تعلیم مکمل کر کے اور اکثر مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کرنے لگے۔

مختصر علوم دینی کے حصول کے علاوہ علوم جدیدہ کی طرف تو بالکل رغبت نہیں تھی، اپنی دنیاوی ضرورتوں کے لئے تھوڑی سی ہندی اور مہاجنی سیکھ لینا کافی سمجھا جاتا

تھا، اور یہ ضرورت اس وقت مدرسہ منبع العلوم سے پوری ہو جایا کرتی تھی، علوم دینیہ اور علوم عصریہ میں تکمیل یا ڈگری کی حد تک کسی بھی تعلیم یافتہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔

مولانا محمد شبلی شیداؔ خیرآباد کی ان عظیم شخصیتوں میں ہیں جن پر تاریخ خیرآباد کو فخر وناز ہے، مولانا شبلی شیدا نے ابتدا سے لے کر آخر تک مدرسہ منبع العلوم میں مولانا شاہ محمد سَرَیّا نوی شاگرد مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے تعلیم حاصل کی اور طبابت وخوشنویسی میں امام وقت شمار کئے گئے، پھر دہلی جا کر طب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ داغ دہلوی کے شاگرد سائلؔ دہلوی سے فن شاعری میں درک حاصل کر کے استاذ الشعرا ہوئے۔ ایک طویل عرصہ تک مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں استاذ فارسی رہے، ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں سفر حج کے لئے تشریف لے گئے، وہیں ان کا انتقال ہوا اور جنت المعلی میں دفن ہیں۔ (تفصیلی حالات کیلئے حصہ دوم دیکھئے)

مولانا عبدالسمیع محلّہ اترازی نے ۱۹۳۱ء میں مظاہر علوم سہارنپور سے فراغت حاصل کی، اس کے دو سال کے بعد ۱۹۳۳ء میں مولانا نذیر احمد (صدر صاحب) نے دارالعلوم مئو سے فضیلت کی تکمیل کی اور ان کا علمی فیضان بہت عام ہوا۔

خیرآباد کے علمی افق پر نمودار ہونے والے مولانا عبدالحق سابق ناظم مدرسہ منبع العلوم کی ذات بھی ہے، آپ کی فراغت دارالعلوم مئو سے شعبان ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں ہوئی، آپ کے انتظامی وانصرامی امور سے مدرسہ منبع العلوم کو بڑی ترقی ملی۔

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے فیضان علمی سے مستفیض ہونے والے سرزمین خیرآباد کے اولین علماء میں مولانا محمد سلیمان شمسی، مولانا عبدالسلام صاحب (والد حاجی سلیمان کپڑے والے) اور مولانا محمد یعقوب برادر اکبر حاجی محمد ایوب اور مولانا انصار احمد (مقیم بنگال) برادر اکبر اقبال اجمیری ہیں۔ سب کے تفصیلی احوال حصہ دوم میں مذکور ہیں۔

علوم دینیہ کا ایک چشمہ صافی منبع العلوم کی شکل میں خیرآباد میں رواں تھا اور اس کا آبِ زلال رہ نوردان علم دین کی تشنگی مکمل طور پر تو نہیں بجھا پا رہا تھا لیکن بہرحال علم دین کے حصول کا شوق اور جذبۂ صادق کی تخم ریزی یہاں ضرور ہو جاتی تھی، پھر یہ کاروان شوق قرب وجوار

کے بڑے مدارس سے فیض پا کر علوم دینیہ میں تکمیل اور فراغت پاتا تھا۔

اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی کے طور پر سب سے پہلا نام محلّہ اتراری کے مولانا عبدالسمیع صاحب مظاہری کا ہے۔اس کے بعد مخدوم العلماء واستاذ الاساتذہ حضرت مولانا نذیر احمد کا نام تاریخ نے محفوظ کیا ہے، اس کے بعد مولانا عبدالحق ناظم صاحب، مولانا محمد سلیمان شمسی، مولانا محمد صدیق اشرفی، مولانا محمد عمر صاحب، مولانا محمد یعقوب قاسمی، مولانا عبدالسلام قاسمی، مولانا عبیدالرحمٰن، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن مظاہری، مولانا انصار احمد قاسمی، مولانا انوار احمد مظاہری، مولانا عبدالحکیم قاسمی (سابق ناظم مدرسہ منبع العلوم)، مولانا عبدالحی مجاز قاسمی، مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث قاسمی، مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی (موجودہ ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم)، مولانا ڈاکٹر زین الحق مفتاحی، مولانا زبیر احمد مفتاحی، مولانا شمس الضحیٰ ضیائی، مولانا فضل حق عارف، مولانا غلام مصطفیٰ اشرفی، مولانا عبد العلی صاحب، مولانا محبوب احمد عزیزی، مولانا ناظم علی، مولانا نظام الدین مفتاحی، مولانا قاری منظور احمد قاسمی، مولانا امتیاز احمد قاسمی، مولانا محمد زاہد قاسمی، مولانا انوار احمد قاسمی، مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی، مولانا افضال احمد قاسمی، مولانا کمال اختر قاسمی، مولانا محمد راشد قاسمی، مولانا محمد اطہر قاسمی، مولانا شمس الدین ندوی، مولانا قاری نسیم احمد قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی، مولانا عبد العزیز ندوی، مولانا اعجاز احمد قاسمی، مولانا عزیز الرحمٰن قاسمی وغیرہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں، یہ وہ اصحاب فضل وکمال ہیں جن سے علوم دینیہ کا فیضان جاری ہوا اور ان کی شخصیتیں علماء گر بنیں۔

اسی طرح مولانا مرحوم حبیب الرحمٰن کپڑے والے جو ڈابھیل کے فضلا میں سے تھے اور بڑے صاحب استعداد تھے، مولانا صلاح الدین قاسمی، مولانا نثار احمد، مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا احمد حسن قاسمی ندوی، باقاعدہ سند فراغت سے سرفراز ہونے والے علماء خیرآباد میں سے ہیں لیکن خانگی احوال اور کاروبار کی مشغولیت کی بنا پر ان کا فیضان علمی عام نہ ہوسکا۔

مولوی محمد احمد مرحوم، مولوی نثار احمد (والد قاری وسیم صاحب) مولوی اقبال، مولوی

نثار احمد بن مولانا محمد یعقوب اگر چہ ضابطہ کے ساتھ درس نظامی کی تکمیل تو نہیں کر سکے لیکن معاشرے اور سماج میں ان حضرات کو بھی مولویت کا خطاب ملا، اس کے بعد علوم دینیہ سے آراستہ ہونے والے اور بھی علماء کرام ہیں جن کے اسمائے گرامی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مولانا عین الحق قاسمی، مولانا ڈاکٹر آفاق اختر قاسمی، مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد قاسمی، مولانا مفتی جاوید اختر قاسمی، مولانا ظہیر الحق قاسمی، مولانا مجیب الرحمٰن قاسمی، مولانا ضیاء الرحمٰن قاسمی، مولانا فرید الحق قاسمی، مولانا منظور الحق قاسمی، مولانا آفتاب نعمانی قاسمی، مولانا خورشید قاسمی، مولانا سرور محمود قاسمی، مولانا طاہر ظفر قاسمی، مولانا قاری نیاز احمد قاسمی، مولانا صادق عیاض قاسمی، مولانا عبداللہ خالد قاسمی، مولانا صادق اختر قاسمی، مولانا ضیاء الحق قاسمی، مولانا عزیز الرحمٰن قاسمی، مولانا مفتی ظہیر احسن قاسمی، مولانا حافظ طاہر ظفر قاسمی، مولانا محفوظ الحق قاسمی، مولانا شاہنواز قاسمی، مولانا نعیم ارشد قاسمی، مولانا فیض احمد لیڈر، مولانا مفتی ابوذر قاسمی، مولانا فیضان الحق قاسمی، مولانا انصار الحق قاسمی، مولانا شمیم احمد قاسمی وغیرہم۔

مذکورہ بالا علماء خیرآباد کی فہرست ۱۹۹۹ء تک کے فضلاء کی ہے حالانکہ یہ بات متحقق ہے کہ اس کے بعد اب تک علماء اور فضلاء کی ایک معتد بہ تعداد ہے، جو اس سے کہیں زیادہ۔

علماء کرام کی اس طویل فہرست کے ساتھ ساتھ حفاظ کرام کی بھی ایک طویل فہرست ہے، ان دونوں فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً ایک صدی کے عرصہ میں سرزمین خیرآباد نے علمی اعتبار سے کس قدر ترقی کی ہے، اور یہ علماء، حفاظ اور قراء کرام یہاں کی علم پرور و علم نواز فضا میں پرورش پا کر ملک کے دیگر علاقوں کو بھی فیضیاب کر رہے ہیں، فللہ الحمد علی ذلک

ان علماء وحفاظ میں بھی بہت سارے ایسے حضرات ہیں جو ملک کے مختلف حصوں میں علمی خدمات میں مصروف ہیں اور اپنے اس وطن عزیز خیرآباد کا نام روشن کر رہے ہیں، ان تمام علماء واساطین علم وفضل کا تفصیلی تذکرہ اور ان کی علمی خدمات پر تاریخی مواد اس کتاب کے دوسرے حصہ ''تذکرہ علماء ودانشورانِ خیرآباد'' میں ملاحظہ کی جا سکتا ہے۔ جسے رفیق محترم مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو) لکھ رہے ہیں۔

مدارس

اللہ تعالی جب کسی جگہ کو اپنے دین کی نشر واشاعت کے لئے منتخب فرماتا ہے اور اس مقام کو علوم وعرفان کا سرچشمہ بنانے کا فیصلہ فرماتا ہے تو تکوینی طور پر حالات کو اسی اعتبار سے سازگار بناتا چلا جاتا ہے۔

تاریخی تجزیہ سے قارئین کرام نے ملاحظہ فرمالیا کہ ہماری بستی خیرآباد میں ڈیڑھ صدی قبل تعلیم وتعلم اور خاص طور سے علوم دینیہ کے تحصیل کی کوئی روایت نہیں تھی اور نہ اس کے لئے کسی مرکزی جگہ اور ادارہ کا پتہ چلتا ہے، لیکن جب مشیت خداوندی نے اہالیان خیرآباد کے لئے خیر کا فیصلہ فرمایا تو یہاں سے علوم دینیہ کا ایک چشمہ صافی مدرسہ منبع العلوم رواں فرمایا، خیرآباد کی تاریخ میں سب سے پہلے اسی مرکز علم وحکمت کا پتہ ملتا ہے۔

۱- مدرسہ منبع العلوم

یہ مدرسہ اہل سنت وجماعت دیوبندی مکتبہ فکر کا ادارہ ہے، اس کے تاریخ قیام کا کوئی مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے، درحقیقت نام ونمود اور ریا وشہرت سے دور، خلوص وللّٰہیت سے بھرپور چند خاصان خدا نے حضرت مولانا کرامت علی جونپوری (متوفی: ۳ / ربیع الآخر ۱۲۹۰ھ / ۲۹ مئی ۱۸۷۳ء یوم جمعہ) کی تحریک وترغیب پر ایک مکتب قائم کیا، جس کا نام منبع العلوم رکھا گیا، یہ مدرسہ جامع مسجد سے متصل حاجی ولی اللہ کے دالان سے شروع ہوا، جب طلبہ کی کچھ تعداد بڑھ گئی تو جامع مسجد سے ملحق جانب جنوب کے کمروں میں یہ مدرسہ منتقل ہوا۔

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء یعنی آج سے تقریباً سوا سو سال پہلے سے اس مدرسہ کا تاریخی ریکارڈ محفوظ ہے۔

اس کے اولین ذمہ داروں کے اسمائے گرامی بسیار تلاش وجستجو کے باوجود دستیاب نہیں

ہو سکے۔ تاریخ منبع العلوم میں بحیثیت ذمہ دار سب سے پہلی شخصیت حافظ عبدالغفور اور حافظ عبدالرحیم (جو بڑے حافظ جی اور چھوٹے حافظ جی کے نام سے مشہور تھے اور جمعہ وعیدین کے امام بھی تھے) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں، بڑے حافظ جی امام جامع مسجد حافظ رحمت اللہ صاحب کے والد اور چھوٹے حافظ جی ان کے چچا تھے، حصہ دوم میں امام صاحب کے تذکرہ میں ان دونوں حضرات کا ذکر بھی ہے۔ یہ دونوں بزرگ گھر گھر جا کر بچوں کو لاتے اور ہر جمعرات کو چٹکی وصول کرتے، اس طرح ان دونوں بھائیوں نے پورے گاؤں کو مدرسہ سے مربوط کر دیا اور ہر ہر فرد کو مدرسہ کی تعمیر وترقی کے لئے فکر مند بنا دیا۔

سچی کہانی غیر مطبوعہ کے مطالعہ سے بیسویں صدی کے بالکل ابتدا میں مدرسہ منبع العلوم کی انتظامی وتعلیمی صورت حال پر اس طرح آگاہی ہوتی ہے:

حافظ محمد شعیب شاکر انصاری لکھتے ہیں:

> شاکر ۱۹۱۶ اور ۱۹۱۷ء میں جب منبع العلوم میں تعلیم حاصل کرتا تھا، اس وقت مولوی شاہ محمد صاحب کے بعد مولوی عبدالحمید مبارکپوری درس پر مامور تھے، حافظ عبدالرحیم صاحب مہتمم، کچھ روز مولوی شبلی صاحب شیدا اور منشی اسماعیل بھی پڑھاتے رہے۔ (ص:۹۹)

مدرسہ منبع العلوم کی جانب سے سب سے پہلا سالانہ اجلاس خیرآباد بازار میں منعقد ہوا، جس کی تفصیل مورخِ خیرآباد جناب شاکر انصاری خیرآبادی اپنی خودنوشت سوانح سچی کہانی میں یوں لکھتے ہیں:

> شاکر نے ابتدائے ۱۹۳۴ء میں دوبارہ اپنے ذاتی مکان میں جب سکونت اختیار کی تو اسے خیرآباد کے ماحول کا جائزہ لینا پڑا۔
>
> مدرسہ کے سالانہ امتحانات کے موقع پر باہر سے ممتحن آتے اور بعد امتحان ایک روز جامع مسجد میں وعظ ہوتا، جس میں مذہبی عبادات اور اس کی پابندی کی تلقین کی جاتی اور بس!
>
> شاکر نے یہاں کچھ نوجوانوں کی معیت میں پہلی مرتبہ جدت کی اور سالانہ امتحان کا جلسہ عام بازار میں منعقد کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا، باہر سے علمائے کرام مدعو کیے گئے، جس میں مولوی محمد عمر صاحب اور مولوی محمد حنیف صاحب رہبر، مولوی عبدالحفیظ

صاحب قاضی اطہر مبارکپوری، مولوی حکیم اکبر علی صاحب محمد آباد، مولوی محمد بشیر صاحب غالب پوری، اور جلسے کا نظام جدید طور پر اسٹیج بنا کر کرسی صدارت کے ساتھ انجام دیا گیا، چند بڑے بوڑھوں نے اسے ناپسند کیا؛ لیکن کوئی مخالفت موثر نہ ہوئی؛ بلکہ عوام میں اس سے خاص دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔(ص:(۱۰۶)

اس کے بعد مدرسہ کی جانب سے تقریباً ہر سال اجلاس عام کا اہتمام کیا جانے لگا اور قریب پاس کے علماء کرام تشریف لاتے اور وعظ وارشاد کی مجلسیں سجتیں۔

دستار بندی کے نام پر سب سے پہلا اجلاس ۱۹۶۴ء میں منعقد ہوا جس میں خیرآباد کے دو حافظ طالب علموں (حافظ عبدالحی اور حافظ محمد مبین صاحب) کو دستار بندی کی سعادت ملی۔

مدرسہ میں پڑھنے والے بچوں کی روز افزوں تعداد کے پیش نظر آخر کار ۲۲؍جولائی ۱۹۳۶ء کو بازار میں مولوی ہدایت اللہ اور حافظ محمد شعیب شاکر کی تحریک پر پنچایت کر کے مدرسہ کے لئے مستقل طور سے زمین کی خرید کی بابت مشورہ ہوا، ''سچی کہانی'' میں ہے کہ:

''مولوی ہدایت اللہ کی مدد سے شاکر نے پنچایت کے سامنے ایجنڈے کی شکل میں دس معاملے مدرسہ کے ناظم ونائب ناظم کی دستخط سے پیش کیے؛ لیکن یہاں کی پنچایت پر اتر، دکھن کا اثر کام کرتا تھا، یہ لوگ باقاعدہ تیار ہوکر پنچایت میں آتے اور ہمیشہ ایک کے خلاف دوسرا فریق حزب مخالف کے فرائض انجام دیتا، نتیجہ لا حاصل''۔

اس کے بعد حافظ محمد یوسف کا دور نظامت آیا اور مولانا نذیر احمد، مولانا سلیمان شمسی یہاں کے استاذ مقرر ہوئے، ان حضرات کی مساعی جمیلہ سے مدرسہ مکتب کے زمرے سے نکل کر پرائمری، فارسی، عربی اور حفظ کی تعلیم کا بڑا ادارہ بن گیا۔

مدرسہ منبع العلوم کے ذمہ داران اور نظماء کا جو ریکارڈ موجود ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

اسمائے نظماء	کب سے	کب تک
حافظ محمد یوسف صاحب	....	۲۴؍شعبان ۱۳۶۹ھ/ ۱۰؍جون ۱۹۵۰ء
حاجی محمد امین پردھان	۸؍شوال ۱۳۶۹ھ/ ۲۴؍جولائی ۱۹۵۰ء	۱۰؍محرم ۱۳۷۵ھ/ ۲۸؍اگست ۱۹۵۵ء

حاجی محمد یاسین (نائب ناظم)	۱۱ر محرم ۱۳۷۵ھ/ ۲۹ر اگست ۱۹۵۵ء	۹ر محرم ۱۳۷۶ھ/ ۱۶ر اگست ۱۹۵۶ء
مولانا عبدالحق صاحب	۱۰ر محرم ۱۳۷۶ھ/ ۱۷ر اگست ۱۹۵۶ء	۱۸ر شعبان ۱۳۹۷ھ/ ۴ر اگست ۱۹۷۷ء
مولانا عبدالحکیم صاحب	۲۹ر شعبان ۱۳۹۷ھ/ ۱۵ر اگست ۱۹۷۷ء	۱۸ر صفر ۱۴۱۶ھ/ ۱۶ر جولائی ۱۹۹۵ء
مولانا حافظ عبدالحی صاحب	۱۹ر صفر ۱۴۱۶ھ/ ۱۷ر جولائی ۱۹۹۵ء	تاحال ۱۴۴۳ھ/ ۲۰۲۱ء

مولانا عبدالحق کے دور نظامت ۱۹۵۹ء میں مدرسہ جامع مسجد سے منتقل ہوکر اپنی موجودہ عمارت بازار میں آیا اور مستقل ترقی کرتا رہا۔

۱۹۷۷ء میں مولانا عبدالحق کے انتقال کے بعد مولانا حکیم عبدالحکیم کا دور نظامت بڑا عروج وترقی کا زمانہ رہا، انتظامی امور کے منتظم اعلیٰ خود مولانا عبدالحکیم تھے لیکن تعلیمی سرگرمیوں کے روح رواں بحیثیت نائب ناظم کے مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی رہے، اس زمانہ میں یہ مدرسہ ہر لحاظ سے ایک مستند اور معیاری درسگاہ کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیگر امہات المدارس میں اہمیت کے ساتھ متعارف ہوا۔

۱۷/۱۸ر رجب ۱۴۰۶ھ/ ۲۹/۳۰ر مارچ ۱۹۸۶ء میں مدرسہ کی جانب سے بڑے اعلی پیمانہ پر جلسہ دستار بندی مولوی صاحب کے باغ میں منعقد ہوا، جس میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے علاوہ علماء وارباب فضل وکمال کی ایک کہکشاں جلوہ افروز تھی، خیرآباد کی تاریخ کا یہ بڑا عظیم الشان اجلاس تھا۔

مولانا عبدالحکیم ۱۹۹۵ء میں شدید علالت کی وجہ سے نظامت سے سبکدوش ہوگئے اور تعلیمی امور کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کی بھی تمام تر ذمہ داریاں مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی کے حوالے ہوگئیں اور قاری عبدالجلیل ولد حاجی علی احمد محلہ اٹھوریہ ٹولہ کو ناظم تعمیرات بنایا گیا۔

مولانا عبدالحکیم صاحب کے دورِ نظامت میں مدرسہ منبع العلوم کے اساتذہ کرام بالخصوص مولانا محمد راشد صاحب اور بعض علم دوست وعلم نواز حضرات کی کوششوں سے مدرسہ کے کتب خانہ کو خوب ترقی ملی اور ہزاروں کتابیں خریدی گئیں، رفتہ رفتہ مدرسہ کا کتب خانہ اس وقت کے نائب ناظم مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی کی توجہات اور چند اساتذہ کرام کی

کوششوں سے علاقہ کے مدارس کا ایک ممتاز کتب خانہ بن گیا۔

مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی کا دور نظامت منبع العلوم کی تاریخ کا زریں اور ممتاز دور ہے، تعمیر کے ساتھ ساتھ تعلیمی اعتبار سے بھی اس مدرسہ نے بڑی ترقی کی، اور اہالیان علم و فضل ملک کے ممتاز اداروں میں اس کا شمار کرنے لگے، یہاں کے ماہر اور مردم گر اساتذہ کرام نے تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی دینی و اخلاقی اور دعوتی تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرما کر یہاں کے طلبہ کی انجمن اصلاح اللسان کے دعوتی، تقریری اور مسابقاتی پروگرام کو علاقہ کے دیگر مدارس کے لئے اسوہ اور نمونہ بنا دیا۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ اس مدرسہ کی تمام تر علمی، دینی، تعلیمی اور تعمیری ترقی صرف باشندگانِ خیرآباد کی بے لوث مالی اعانت اور اس مدرسہ کے ارکان شوریٰ کی بے پناہ دلچسپی اور ان کے مخلصانہ تعاون کی مرہون منت ہے، جس کی وجہ سے خطیر صرفہ کے باوجود اس ادارہ کا خیرآباد سے باہر کہیں چندہ نہیں کیا جاتا۔

خیرآباد کی کثرتِ آبادی کا لحاظ کرتے ہوئے، بچوں کی تعلیمی سہولیات کے لیے ہر محلے میں شاخیں بھی قائم کی گئی ہیں، جن میں صرف درجہ ایک تک تعلیم کا نظم ہے، درجہ ۲/ سے بچے مرکز میں آجاتے ہیں اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں۔ گذشتہ سال محلّہ نیاپورہ سے دکھن کنارے پر مسجد کے ساتھ مدرسہ کی شاخ بنانے کے لیے زمین خریدی جا چکی ہے، اس کے علاوہ مدرسے کی شاخیں مختلف دیہاتوں میں بھی قائم ہیں۔ مثلاً برآمد پور، قطب پور، موضع زمین، انصار نگر اور خود خیرآباد گاؤں میں مرکز کے علاوہ ۴/ شاخیں قائم ہیں۔ اسی طرح مدرسے کے اندر مسجد کے دائیں جانب ۱۲/ کمروں پر مشتمل تحفیظ القرآن کی عمارت اللہ کی توفیق سے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔

بچیوں کے لئے ابتداء سے درجہ ۸/ تک شعبۂ نسواں قائم ہے، جو دو شاخوں پر مشتمل ہے، ان کے لئے تین سال قبل شعبۂ حفظ و تجوید بھی قائم کر دیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

۲- ضیاء العلوم اشرفیہ

مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مشرقی یوپی کی مشہور و معروف علمی درسگاہ اور اہل سنت والجماعت کا دینی و تعلیمی ادارہ ہے، یہ خیرآباد کے جانب شمال مبارکپور، محمد آباد روڈ پر واقع ہے۔

مولانا محمد صدیق اشرفی خیرآبادی (متوفی: یکم اپریل ۱۹۷۴ء) نے آج سے تقریباً ۸۵؍سال قبل ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں اس ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ شروع میں یہ مدرسہ مکتب کی حیثیت سے خیرآباد اور مضافات کے نونہالانِ امت کو اسلامی، دینی اور قرآنی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرتا رہا اور دینی و مذہبی تعلیمی ضروریات پوری کرتا رہا۔

جناب الحاج اخلاق احمد صاحب (موجودہ ناظم ادارہ ہذا) کے بیان کے مطابق:

عالی جناب اقبال احمد صاحب مرحوم محلّہ پچھّم باغ خیرآباد (جو ایک مخیّر اور فیاض طبع انسان تھے) نے دینی و ملی ضرورت کے پیش نظر اس کی توسیع و تعمیر کے لیے اپنی تقریباً دس بسوا قیمتی زمین ضیاء العلوم پر وقف کر دی جس پر آج اس کی دو منزلہ عمارت قائم ہے، اور مکتب کی تعلیم سے اوپر یہاں حفظ اور فضیلت تک کی تعلیم ہونے لگی۔

یوپی، بہار، بنگال اور ملک کے طول و عرض سے اب تک ہزاروں طلبہ اس سے فارغ ہو کر ملک کے مختلف شہروں میں تدریسی، تنظیمی اور دعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس ادارے کے فارغین ضیاء العلوم کی نسبت سے ضیائی کہلاتے ہیں۔

اس ادارہ کو ایک عرصہ سے سرکاری امداد حاصل ہے اور متعدد اساتذہ و ملازمین کو سرکاری ایڈ ملتی ہے۔ ہر پانچ سال پر یہاں انتظامیہ کمیٹی کی از سرِ نو تشکیل ہوتی ہے، جس میں اہالیانِ خیرآباد کی رائے سے صدر، ناظم، خازن اور محاسب وغیرہ ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

اس ادارہ کے پہلے ناظم جناب عبدالرؤف صاحب مرحوم تھے، ان کے بعد جناب محمد احمد صاحب مرحوم اٹھوریہ ٹولہ، پھر الحاج اخلاق احمد صاحب محلّہ پچھّم (موجودہ ناظم)، الحاج نظام الدین صاحب محلّہ پچھّم، الحاج اقبال احمد صاحب محلّہ پچھّم (موجودہ ناظم کے والد)

اور مولانا الحاج محمد شمیم صاحب اشرفی۔ ۲۰۱۱ء سے الحاج اخلاق احمد صاحب نظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، موجودہ صدر مدرس مولانا بدرالدجیٰ مصباحی صاحب ہیں۔

اس وقت مدرسہ میں ۳۵/ سے زائد مدرسین وملازمین اپنی مفوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں، اور ایک ہزار طلبہ وطالبات حصول علم میں مصروف ہیں، جن میں سے ۲۰۰/ طلبہ ہاسٹل میں رہتے ہیں جن کی کفالت ادارہ کرتا ہے۔

ضیاء العلوم کے تعلیمی شعبے:

ناظرہ قرآن کریم۔ پرائمری درجات۔ حفظ قرآن کریم۔ درسِ نظامی۔

موجودہ دور کے تقاضوں کے پیش نظر یہاں کے نصابِ تعلیم میں انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم کو لازمی طور پر شامل کیا گیا ہے۔

شعبۂ نسواں: ضیاء العلوم سے چند قدم کے فاصلے پر ضیاء العلوم کے شعبۂ نسواں کی ایک تین منزلہ عمارت ہے جو بچیوں کی غیر مخلوط تعلیم وتربیت کے لیے مخصوص ہے۔ جس میں ناظرہ، پرائمری اور درسِ نظامی، فضیلت تک کی تعلیم کا بندوبست ہے۔

ضیاء العلوم میں تعلیم وتربیت کے لیے ماہر، جید، محنتی، اور قابل اساتذہ کرام اور معلمات کی خدمات حاصل ہیں۔ ہر سال شعبان کے مہینے میں ادارہ کا عظیم الشان سالانہ جلسۂ جشن دستار فضیلت وعالمیت وحفظ منعقد ہوتا ہے، جس میں ملک کے نامور علمائے کرام وشعرا کی تشریف آوری ہوتی ہے۔ جن کے ہاتھوں فارغین کو دستارِ فضیلت دی جاتی ہے۔

مدرسہ سے متصل ایک وسیع وعریض اور خوبصورت دومنزلہ مسجد ہے جو جامع مسجد اہل سنت بھولئی گرہست کے نام سے مشہور ہے، جس میں ضیاء العلوم کے طلبہ، اساتذہ، اور اہالیانِ خیرآباد نماز پنجگانہ اور جمعہ ادا کرتے ہیں۔

۳۔ مدینۃ العلوم

خیرآباد میں اہل تشیع حضرات ہمیشہ اپنے عقیدہ کے اعتبار سے اپنی مذہبی رسومات انجام

دیتے رہے ہیں، لیکن ساٹھ ستر سال پہلے تک ان کا کوئی مستقل تعلیمی ادارہ نہیں تھا۔۱۹۵۲ء میں مکتب امامیہ حیدریہ کی بنیاد حیدری مسجد متصل بازار رکھی گئی جس میں صرف ابتدائی تعلیم کا نظم رہا ہے۔

۱۹۸۸ء میں اسی مکتب میں اعلیٰ دینی وعصری تعلیم کے لئے مدینۃ العلوم کے نام سے مولانا ناظم علی صاحب خیرآبادی نے اپنے چند اہل علم رفقا کے تعاون سے کام کی شروعات کی۔ ۱۹۹۶ء میں مدینۃ العلوم کے لئے خیرآباد سے جانبِ جنوب (کٹیا سے قریب) باقاعدہ قطعہ اراضی کی خریداری کی گئی اور دومنزلہ عمارت تعمیر ہوئی،اور مدرسہ یہاں منتقل ہوا، جس میں قرب وجوار کے طلبہ کی متعد بہ تعداد مقیم ہوکر تعلیم حاصل کرنے لگی۔

مدینۃ العلوم کے بانی مولانا ناظم علی خیرآبادی کے بیان کے مطابق اس ادارہ میں فقہ،اصول فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ، نحو وصرف، ادب عربی وفارسی، انگریزی وسائنس کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس ماہر اساتذہ کی نگرانی میں ہوتی ہے، دینی ماحول میں خصوصی تربیت کا خیال رکھا جاتا ہے۔اس وقت مولانا منہال رضا (پرنسپل) مولانا حسن رضا کوپا گنج،مولانا خادم عباس،مولانا میثم رضا،مولانا مرقال رضا وغیرہ تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں،اس ادارہ سے فارغ التحصیل طلبہ ملک و بیرون ملک میں دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

۲۰۰۵ء میں ایک اردو رسالہ ''البیان'' کا اجرا ہوا،جس میں دینی،علمی وادبی مضامین برابر شائع ہوتے ہیں۔

۲۰۱۸ء میں مدینہ پبلک اسکول کے نام سے ایک پرائمری اسکول کا آغاز کیا گیا جس میں حکومت کے مقرر کردہ نصاب کے ساتھ دینیات کی تعلیم بھی ہوتی ہے،اس اسکول کے موجودہ صدر مدرس مولانا زہیر عسکری ہیں۔

۴۔تعلیم القرآن

بریلوی مکتب فکر کا دوسرا ادارہ محلّہ نیا پورہ میں مئی ۱۹۸۵ء سے قائم ہے، پرائمری

درجات کی تعلیم ہوتی ہے، الہ آباد تعلیمی بورڈ سے منظور شدہ ہے، اس کے موجودہ ناظم مولانا نویدالاسلام شمسی خیرآبادی ہیں۔ان کے بیان کے مطابق:

> خیرآباد میں آبادی کا رقبہ بڑھتا جارہا تھا اور ضیاء العلوم اشرفیہ تک بچوں کا پہونچنا دشوار ہورہا تھا اس لئے مشورہ سے طے ہوا کہ خیرآباد کے جانبِ مغرب ایک اور ادارہ کی بنیاد رکھی جائے جس میں بچوں کو ابتدائی دینی وعصری تعلیم فراہم کی جاسکے، چنانچہ حاجی نسیم احمد فاروقی، حاجی اقبال سیٹھ، حاجی غلام رسول، صغیر احمد (آئی۔جی) اور بشیر احمد پہلوان کی کوششوں سے ایک ادارہ کی تجویز منظور ہوئی اور مئی ۱۹۸۵ء میں مولانا عبدالحفیظ صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور اور مفتی شریف الحق امجدی، امجدیہ گھوسی کے ہاتھوں اس ادارہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

اس ادارہ کے سب سے پہلے ناظم حاجی غلام رسول صاحب ۱۹۸۵ء سے ۲۰۰۸ء تک رہے، اس کے بعد متعدد حضرات وقتی ناظم بنائے گئے، ۲۰۱۷ء سے تادم تحریر مولانا نوید الاسلام نظامی خیرآبادی اس کے منتظم اور ناظم اعلیٰ ہیں۔

فی الحال یہ ادارہ ۱۴؍کمروں پر مشتمل ہے۔جن میں دینیات کے ساتھ عصری ضروری تعلیم کے لئے پرائمری درجات (درجہ پانچ تک) اور حفظ وناظرہ کا انتظام ہے۔

اس سے متصل ایک بڑی جامع مسجد بھی ہے۔

۵- جامعۃ الزاہدات

مسلم لڑکیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے یہ ادارہ ۳۱؍دسمبر ۲۰۰۹ء/۱۳؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بروز جمعرات حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ (سابق استاذ حدیث ونائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) ودیگر حضرات علما وعمائدین کی موجودگی میں قائم کیا گیا۔

یہ ادارہ خیرآباد سے جانبِ شمال موضع اتراری میں محمد آباد، مبارکپور شاہراہ سے متصل دکھن جانب نئی آبادی جامعہ نگر میں واقع ہے۔

اس ادارہ میں پرائمری درجات کے علاوہ عربی کی ابتدائی جماعت سے عالمیت تک کا

کورس کرایا جاتا ہے،اسی کے ساتھ ضروری عصری علوم کی تدریس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، نیز تجوید وقرأت کی مشق کرائی جاتی ہے۔

اس ادارہ کے بانی مولانا حافظ ظہیر الحق قاسمی بن مولانا حافظ عبدالحی صاحب ہیں۔

اس ادارہ کے تحت سالانہ اجلاس ہوتا ہے جس میں دارالعلوم دیوبند اور علاقہ کے علماء کرام اور عمائدین کی شرکت ہوتی ہے اور فارغ ہونے والی طالبات کو ردائے فضیلت دی جاتی ہے۔اس ادارہ کا پہلا سالانہ اجلاس عام بتاریخ ۲۶ر ستمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار صبح دس بجے منعقد ہوا تھا، لاک ڈاؤن سے قبل اس کے سالانہ اجلاس ہوتے رہے۔

۶-معہد الرحمۃ والسلام

خیرآباد کی تاریخ میں سب سے زیادہ مدت تک جمعہ وعیدین کی امامت کا شرف پانے والی شخصیت حضرت حافظ رحمت اللہ صاحب کی ہے،منصب امامت ہی ان کی ذات کی شناخت اور پہچان بن گیا تھا، پورے علاقہ میں امام صاحب کے نام سے مشہور تھے، ان کی جانب انتساب کرتے ہوئے ان کے فرزند مولانا عبدالعزیز ندوی نے محلّہ انصار نگر میں ۲۰۱۰ء میں مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے ''معہد الرحمۃ والسلام'' کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی، تعلیم وتعلم کے عنوان سے اسلامی خدمت میں مصروف کار ہے۔

اس ادارہ کے بانی مولانا عبدالعزیز ندوی صاحب نے اس ادارہ کے اغراض ومقاصد کے تحت لکھا ہے:

☆ ایسی نسل تیار کرنا جو قرآن وسنت کی روح سے آشنا ہو۔
☆ اطلاعاتی علوم کے ماہرین تیار کرنا۔
☆ اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کے لائق افراد تیار کرنا۔
☆ معہد کا تعلیمی نظم ونسق عصری تعلیمی نظام کے مطابق رکھنا۔
☆ طلبہ میں انگریزی اور عربی زبان میں تحریر وتخاطب کی صلاحیت پیدا کرنا۔
☆ جسمانی تربیت اور کھیل کود کی متنوع سرگرمیوں کے مطابق طلبہ کو تیار کرنا۔

مساجد

معاشرے کی اصلاح، لوگوں کی تعلیم و تربیت، مسلمانوں کو باہمی طور پر منظّم و مربوط کرنے، ان کی اجتماعیت قائم کرنے اور ان کے آپس کے روابط مستحکم کرنے کا جو بہترین نظام اسلام نے دیا ہے، اس کا ایک بنیادی ادارہ مسجد ہے، یہ ایک طرف اللہ تعالی کی عبادت اور اظہار بندگی کی جگہ ہے تو دوسری طرف معاشرے کی دینی، اخلاقی اور روحانی اصلاح اور اسے اسلامی اقدار پر قائم کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بھی ہے، مسجد دراصل مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا ایسا مرکز و محور ہے، جہاں سے ان کے ذہنی، اخلاقی، تعلیمی، تمدنی، تہذیبی، سیاسی اور اجتماعی امور کی راہ نمائی ہوتی ہے۔

مسجد کا یہ کردار اسلامی تاریخ کے آغاز میں پوری طرح جاری و ساری رہا، نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں مسجد دار الخلافت سے لے کر غربا کی قیام گاہ تک تھی۔

قرآن حکیم اور احادیث میں مسجد تعمیر کرنے، اسے آباد کرنے، اس کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی جملہ ضروریات کو پورا کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، نیز جو لوگ مسجدوں کی خدمت کرتے اور مسجد کی ہر قسم کی دیکھ بھال کرتے ہیں، ان کے لیے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ ہے، مسجد میں حاضری کو مسلمانوں کے لیے ایمان کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی حوالے سے تعمیر شخصیت، کردار سازی اور اصلاحِ معاشرہ میں مسجد کا بڑا اہم کردار ہے۔

خیرآباد جہاں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے، لازمی طور پر اسلامی اقدار و روایات کی پاسداری کے نشانات یہاں کے چپہ چپہ پر ملتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں پر مسلمانوں کی اجتماعیت اور مرکزیت مساجد کی شکل میں بھی ہمیشہ نمایاں رہی ہے، بلکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو آبادی کے تناسب سے یہاں مسجدوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے، اس وقت خیرآباد

میں کل ۳۷/مسجدیں ہیں جن میں بعض مسجدیں اپنے طرز تعمیر اور فن تعمیر کے لحاظ سے نہایت ہی شاندار اور عمدہ ہیں اور بعض مسجدیں قدیم طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ہماری اب تک کی اپنی تحقیق اور معلومات کے مطابق لطیف بابا والی مسجد جو حاجی صغیر احمد کے مکان کے قریب ہے خیرآباد کی سب سے قدیم مسجد ہے، اس کے بعد بھولئی گرہست کی جامع مسجد اور حضرت عمر فاروق کے نام سے منسوب محلّہ اتراری کی جامع مسجد [اس کی تعمیر ۱۲۸۵ھ میں ہوئی] اور پرانے باغ میں واقع مسجد نور محمد ہے۔ خیرآباد کی ان مساجد کو محلّہ کے تعارف کے ساتھ یہاں قید تحریر میں لایا جاتا ہے، تاکہ تاریخی اعتبار سے ایک ریکارڈ رہے۔

۱۔	جامع مسجد عمر فاروق	محلّہ اتراری
۲۔	نورانی مسجد	محلّہ اتراری
۳۔	مسجد ارقم	محلّہ اتراری
۴۔	مسجد امیر حمزہ	مولوی صاحب کا باغ
۵۔	مسجد انس بن مالک	مومن انصار اسکول کے عقب میں
۶۔	جامع مسجد سمیہ	اتراری عیدگاہ
۷۔	مسجد ملک عبداللہ بابا	ملک عبداللہ ٹولہ عیدگاہ روڈ
۸۔	مسجد آمنہ	جامعہ نگر اتراری
۹۔	مسجد معاذ بن جبل	حاجی محمد یوسف کے مکان کے پاس
۱۰۔	مسجد زید بن ارقم	اتراری طیب نگر
۱۱۔	مسجد طریق	گراونڈ ماڈرن اسپورٹنگ کلب
۱۲۔	مسجد بلال	حبیب نگر اتراری
۱۳۔	مسجد امیر معاویہ	حبیب نگر دھرہرہ روڈ
۱۴۔	مسجد خواجہ غریب نواز	حبیب نگر دھرہرہ روڈ
۱۵۔	مسجد عثمان غنی	محلّہ پچھّم

۱۶۔	مسجد علی	محلّہ پچھّم
۱۷۔	مسجد عائشہ	امام صاحب کا پوکھرہ محلّہ پچھّم
۱۸۔	مسجد ابوبکر صدیق	محلّہ پچھّم
۱۹۔	مسجد نور محمد	محلّہ پچھّم باغ
۲۰۔	مسجد مدن شاہ	محلّہ پچھّم فقیرٹولی
۲۱۔	مسجد امام ابوحنیفہ	محلّہ پچھّم نیاپورہ
۲۲۔	مسجد غوث اعظم	محلّہ پچھّم نیاپورہ
۲۳۔	مسجد ابوہریرہ	ملت نگر محلّہ پچھّم
۲۴۔	مسجد اہلِ سنت	محلّہ پچھّم نیاپورہ
۲۵۔	مسجد عبداللہ بن مسعود (دالان والی)	محلّہ اٹھوریہ ٹولہ
۲۶۔	جامع مسجد خیرآباد	محلّہ اٹھوریہ ٹولہ
۲۷۔	جامع مسجد بھولئی گرہست	محلّہ اٹھوریہ ٹولہ
۲۸۔	مسجد بلال	کلنڈر
۲۹	مسجد امیر حمزہ	انصارنگر
۳۰	مسجد رحمت	انصارنگر
۳۱۔	مسجد معہدالرحم	انصارنگر
۳۲۔	مدنی مسجد	انصارنگر زینب اسپتال کے پاس
۳۳۔	مسجد بازاروالی	خیرآباد بازار
۳۴۔	مسجد لطیف بابا	بازار کے قریب
۳۵۔	جامع مسجد	مدرسہ منبع العلوم
۳۶۔	مسجد حیدری	بازار خیرآباد
۳۷۔	مسجد ابوایوب انصاری	محلّہ دکھن

امام باڑے

امام باڑہ دالان محلّہ اٹھوریہ ٹولہ

خیرآباد کے مشہور شیعہ عالم مولانا ناظم علی صاحب کے بیان کے مطابق خیرآباد کا سب سے قدیم امام باڑہ یہی ہے، ان کے بیان کے مطابق راجہ خیراللہ شاہ کے قافلہ کے ساتھ ایک شخص غوثن نامی بھی وارد خیرآباد ہوئے اور انھوں نے محلّہ اٹھوریہ ٹولہ میں امام باڑہ اور مسجد تعمیر کرائی، اس امام باڑہ ومسجد کی تولیت انھیں غوثن شاہ کی اولادوں میں منتقل ہوتی رہی، بعد میں اہلِ سنت حضرات کی خواہش پر مسجد ان کے حوالہ کردی گئی، البتہ امام باڑہ کی تولیت اسی خاندان میں اب تک چل رہی ہے، مولانا ناظم علی کے بیان کے مطابق اس امام باڑہ کی تولیت کی جو تاریخ محفوظ ہے اس کے اعتبار سے اس کے پہلے متولی حاجی ہدایت اللہ، حاجی کاظم حسین، محمد رفیع اور اس وقت مولانا عالم علی برادر مولانا ناظم علی ہیں۔

یہ امام باڑہ کافی وسیع اراضی پر مشتمل ہے اور اب سے پچیس سال پہلے تک محلّہ پڑوس کی شادیوں کی تقریبات بھی اس کے وسیع صحن میں انجام پاتی تھیں، بعد میں کچھ نزاع اور اختلاف کے باعث اس پر سرکاری طور سے اسٹے ہوگیا اب یہ امام باڑہ صرف ماہ محرم کے چند ایام میں کچھ شیعی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے کھلتا ہے۔

جناب حاجی کاظم حسین صاحب کے زمانہ تولیت میں اس امام باڑہ میں بڑے اہتمام سے تعزیہ بنایا جاتا تھا اور مجالس عزا اور مختلف محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔

امام باڑہ حیدریہ

یہ امام باڑہ خیرآباد بازار میں واقع مسجد حیدری سے متصل ہے، اس مسجد اور امام باڑہ کی تاریخِ بِنا کے بارے میں صحیح علم نہیں ہوسکا، البتہ تلاش وجستجو کے بعد اتنا معلوم ہوا کہ ۱۹۲۳ء

میں اس مسجد حیدری کی جزوی مرمت ہوئی ،اس وقت بھی اس سے متصل یہ امام باڑہ موجود تھا،اس امام باڑہ میں خیرآباد کے شیعہ حضرات اپنی مجالس کرتے ہیں،مختلف مناسبتوں سے شعری وطرحی نشستیں بھی یہیں قائم ہوتی ہیں جس میں قریب پاس کے شعرا بلائے جاتے ہیں، اس امام باڑہ میں بڑے اہتمام سے ماہ محرم میں تعزیے بنائے جاتے ہیں اور عقیدت واحترام کے ساتھ مختلف جلوس یہیں سے نکالے جاتے ہیں، پورے گاوں میں متعینہ راستوں سے جن کا گشت ہوتا ہے،اور اختتام محلّہ پچھّم کے بالکل جانب غرب امام صاحب کے پوکھرے پر ہوتا ہے۔

اس امام باڑہ میں بچوں کی تعلیم کیلئے ۱۹۵۲ء میں مکتب امامیہ حیدریہ قائم کیا گیا جواب بھی جاری ہے جس میں اس وقت مولانا محمد مہدی معلم ہیں اور وہی حیدری مسجد کے امام بھی ہیں۔

بارگاہ امام، چوک بازار

سید حیدر حسین عرف حمدو میاں کا مکان واقع نزد اقرا پبلک اسکول میں بھی پہلے شیعہ حضرات کی مجالس ہوا کرتی تھیں،اور قریب ہی میں صحن میں چوک بنا کر اس پر تعزیہ رکھا جاتا تھا جو آج بھی چوک کے نام سے مشہور ہے۔حمدو میاں کے ورثا نے وہ مکان فروخت کر دیا اور یہاں سے نقل مکانی کر گئے،اس طرح سے مجالس اور تعزیہ داری کا سلسلہ اس مکان اور چوک سے ختم ہو گیا۔

امام باڑہ جنت البقیع

موضع اتراری میں عاشق حسین واشرف حسین میاں کی خستہ وشکستہ طویل حویلی میں ایک قدیم ووسیع امام باڑہ کے آثار وکھنڈرات بہت دنوں تک رہے، چونکہ یہ بہت بڑے زمیندار لوگ تھے اس لئے امام باڑہ بھی بہت بڑا تھا،تمام تر تلاش وجستجو کے باوجود اس کی تاریخ وتاسیس کا علم نہ ہوسکا،ان زمیندار حضرات کے لوگ بھی کچھ نہیں بتا پا رہے ہیں۔ابھی چند سال قبل علی جواد صاحب انکم ٹیکس کمشنر نے اسی حویلی کے پاس بڑا خوبصورت امام باڑہ بنوایا ہے،جس پر سنہرا کلر بڑا دیدہ زیب ہے،اس میں محرم کی مجالس ودیگر پروگرام ہوتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ

دعوت وتبلیغ کی عظیم الشان تحریک اللہ کے ایک مقبول اور مخلص بندے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے ہاتھوں ۱۹۲۶ء میں اٹھی، حقیقت تو یہ ہے کہ اصلاح امت کی اس عالم گیر اثرات کی حامل تحریک نے امت میں اصلاح وتربیت اور دینی استحکام اور تصلب کا جس قدر کام کیا ہے کسی اور تحریک کے حصہ میں وہ کام نہیں آیا، مولانا محمد الیاس صاحب نوراللہ مرقدہ نے کافی عرصہ تک مظاہرعلوم سہارنپور میں تدریسی خدمات انجام دیں اور یہیں سے دعوت وتبلیغ کی تحریک کے سلسلہ میں نظام الدین دہلی میں بنگلہ والی مسجد کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا، اور پھر یہاں سے پوری دنیا کے لئے اصلاح وتربیت کا ایسا مبارک کام شروع ہوا جس سے پورے عالم میں ایک انقلاب برپا ہوگیا، بہت سارے بھٹکے ہوئے انسانوں کی زندگی راہ مستقیم پر آگئی۔

رفتہ رفتہ اپنی نافعیت اور دوررس اثرات کی وجہ سے اس تحریک نے پورے ملک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں اصلاح وتربیت اور عبادات وریاضات کی درستگی کا ایسا کارنامہ انجام دیا کہ لوگوں کے قلوب اس جماعت کی تحریک سے جڑتے چلے گئے اور تبلیغی جماعتوں کے وفود پورے عالم میں گشت کرنے لگے۔

۱۹۶۰ء کے اوائل میں ہمارے وطن خیرآباد میں بھی اسی تبلیغی جماعت کا ایک دورہ میانجی عبدالرحمٰن میواتی کی امارت میں ہوا، اور انھوں نے تشکیل کے ذریعہ یہاں کے لوگوں کو جماعت میں شرکت کے لئے شوق دلایا، چنانچہ حاجی مشتاق احمد صاحب مرحوم ہوٹل والے پہلے وہ شخص تھے جنھوں نے خیرآباد سے پوری ایک جماعت کے ساتھ نظام الدین دہلی کا سفر کیا، وہاں سے کام کے طریقہ کو سیکھا، خاص طور سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے بیان سے کافی متاثر ہوئے اور خیرآباد لوٹنے کے بعد یہاں سے بھی تبلیغی

جماعت کا کام پوری سرگرمی سے شروع ہوا اور خیرآباد کی تبلیغی جماعت کے وہ پہلے امیر جماعت بنائے گئے۔

اُس وقت اس سلسلہ میں حاجی محمد صاحب محلّہ اٹھوریہ ٹولہ، محمد سعید صاحب امام دالان والی مسجد محلّہ اٹھوریہ ٹولہ، منشی نثار احمد صاحب محلّہ اٹھوریہ ٹولہ، حاجی محمد یعقوب صاحب محلّہ اتراری، حاجی عباداللہ صاحب محلّہ اترار ی، حاجی عبدالقدوس صاحب محلّہ پچھّم، حاجی عبدالحفیظ صاحب محلّہ پچھّم، حاجی نذیر احمد صاحب محلّہ دکھن وغیرہ خصوصی طور پر شامل تھےاور خیرآباد کی بہت سی مسجدوں میں باقاعدہ تبلیغی جماعت کے اعمال (گشت، تعلیم، ہفتہ واری مشورہ وغیرہ) انجام دیئے جانے لگےاور قریب پاس کے مختلف گاؤں دیہاتوں میں جامع مسجد خیرآباد سے باقاعدہ جماعتیں روانہ ہونے لگیں۔

حاجی مشتاق صاحب کی امارت کے دور میں خیرآباد کی جامع مسجد میں دو بڑے تبلیغی اجتماع ہوئے، سب سے پہلے اجتماع میں مولانا احمد لاڈ اور مولانا سلیمان جھانجھی مرکز نظام الدین سے تشریف لائے، اس کے کئی سال کے بعد دوسرا اجتماع ہوا جس میں مرکز نظام الدین دہلی سے مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی کا بیان ہوا۔

حاجی محمد مشتاق صاحب کے انتقال کے بعد حاجی محمد یعقوب صاحب محلّہ اتراری کو امیر جماعت بنایا گیا، چونکہ اس کام سے بہت سے افراد جڑتے چلے گئے، دعوت وتبلیغ کا کام بھی وسیع پیمانہ پر ہونے لگا اور ایک طرح سے خیرآباد کی جامع مسجد پورے علاقہ کے لئے تبلیغی مرکز بن گئی اور ہفتہ میں جمعرات کو باقاعدہ اجتماع ہونے لگا اور قریب پاس کے جماعت سے جڑے حضرات جمع ہوتے، پورے ہفتہ کی کارگزاری سنائی جاتی اور اگلے ہفتہ کے لئے کام کی ترتیب اور مشورہ ہوتا۔

ان تمام امور کیلئے باقاعدہ ایک مجلس شوریٰ بنائی گئی، جس کے اہم ارکان میں حاجی محمد یعقوب، حاجی عبدالعزیز چودھری، حاجی محمد یاسین سرپنچ، حاجی عبدالرشید، حافظ ابوبکر اور قاری وسیم احمد صاحبان ہوا کرتے تھے، اس سلسلہ میں قاری صاحب کی خدمات غیر معمولی ہیں۔

حاجی محمد یعقوب صاحب کی امارت میں خیرآباد میں ضلعی پیمانے کے کئی بڑے اجتماعات ہوئے ،سب سے پہلا اجتماع محلّہ دکھن مولوی نعمت اللہ صاحب کے باغ میں ہوا، پھر دوسرا اجتماع مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوا جس میں مرکز سے حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری اور مولانا مستقیم صاحب کے بیانات ہوئے ،اس کے بعد تیسرا اور چوتھا اجتماع گولڈن کلب کے گراونڈ (کلنڈر کے پاس) ہوا، پانچواں اور چھٹا اجتماع ماڈرن اسپورٹنگ کلب کے گراونڈ میں ہوا۔

چونکہ خیرآباد کا محل وقوع شاہراہ اعظم گڑھ ومئواور شاہراہ محمدآباد ومبارکپور سے متصل ہے ،یعنی شمال وجنوب اور مشرق تینوں جانب وسیع شاہراہوں سے گھرا ہے،آمدورفت کی بہتر سہولتوں کی وجہ سے یہاں کے اجتماعات میں مجمع کثیر ہوا کرتا ہے،اور پھر اجتماعات میں حسنِ انتظام، کھانے پینے کی سہولیات کا اہلیانِ خیرآباد کافی دھیان رکھتے ہیں، بڑے ہی دینی اور ملی جذبہ کے ساتھ خیرآباد کا تقریبا ہر ہر فرد اس کارِ خیر میں اپنی شرکت کو باعثِ سعادت سمجھتا ہے، پورے گاوں میں عجیب وغریب دینی بیداری کی لہر،اور انتظام وانصرام سے دلچسپی دیدنی ہوا کرتی ہے۔

ایک تاریخی واقعہ

تبلیغی جماعت خیرآباد کے امیر اول حاجی مشتاق مرحوم صاحب کے تعلق سے ایک بڑا دلچسپ تاریخی واقعہ بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ خیرآباد کی تاریخ میں وہ محفوظ ہوجائے:

حاجی مشتاق احمد صاحب ۱۹۵۱ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ خیرآباد سے پیدل حج کے لئے روانہ ہوئے ،ساتھ میں ایک سائیکل تھی جس پر ضروریات کا سامان تھا، پاکستان ،افغانستان، ایران اور بغداد ہوتے ہوئے ،جگہ جگہ قیام کرتے ہوئے ، چونکہ حاجی صاحب ہوٹل کا کام اچھی طرح جانتے تھے اس لئے راستے میں مختلف مقامات پر تھوڑے عرصہ قیام کرکے جلیبی اور پکوڑیاں بناتے ،عمدہ اور لذیذ کھانا تیار کرکے فروخت کرتے جس سے کچھ یافت ہوجاتی تو پھر آگے کا سفر طے کرتے ،اس طرح وہ مکہ مکرمہ پہونچے اور حج کیا، واپسی میں بیت المقدس کی زیارت کرتے ہوئے تقریباً تین سال میں گھر خیرآباد لوٹے۔

لائبریریاں

(۱) پبلک لائبریری

ذوق کتب بینی بھی یہاں کا امتیاز رہا ہے، اس ذوق کی تکمیل کے لئے خیرآباد کے ادب نواز اور ادب دوست احباب نے ''پبلک لائبریری'' کے نام سے ۱۷ر رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء ایک عوامی لائبریری کا افتتاح کیا، اس کے محرک اور روح رواں حافظ محمد شعیب صاحب تھے، انھوں نے اپنی خودنوشت میں اس سلسلہ میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اس سلسلہ میں وہی ہمارا ماخذ ہے۔ اس کے پہلے صدر مولوی حکیم محمد شبلی صاحب شیدا، نائبین صدر حافظ محمد یوسف صاحب ومنشی محمد امین صاحب بیدل، سکریٹری محمد شعیب شاکر اعظمی، نائب سکریٹری شیخ محمد زکریا انصاری، محاسب مولوی ہدایت اللہ صاحب، خازن شیخ عبدالرحمٰن عطار، مشیر قانونی مولوی عبدالباقی صاحب ایم،اے، ایل ایل بی وکیل، سرپرست حضرت مولانا شکراللہ صاحب ناظم مدرسہ احیاالعلوم مبارکپور منتخب کئے گئے۔

ان عہدہ داروں کے ساتھ حافظ امیر احمد، شیخ سلیم اللہ، محمد سلیمان گرہست، شری کرشن پرشاد کو ملا کر مجلس انتظامیہ بنائی گئی۔

اس لائبریری کا ۲۵ر فروری ۱۹۳۷ء میں مولانا ہدایت اللہ صاحب (جو خیرآباد کے مشہور خطاط اور مدرسہ منبع العلوم کے مدرس تھے) کی خوشنما تحریر میں لکھا ہوا باقاعدہ ایک دستور العمل مجلس عاملہ میں منظور کیا گیا، جس کے ٹائیٹل اور سرِ ورق پر یہ شعر لکھا ہوا ہے

اٹھو! وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی　　　دوڑو! زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اس کا تعارف کراتے ہوئے اس کے سکریٹری [حافظ محمد شعیب صاحب] نے لکھا ہے:

''بیسویں صدی کا یہ انقلاب آگیں زمانہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں ہاتھ پر ہاتھ

رکھے گزارا جا سکے؛ بلکہ یہ زمانہ ہے دوڑ دھوپ کا، محنت و عمل کا، سعی و کاوش کا، یاد رکھیے اس میں اگر ہم سے ذرا بھی سستی ہوئی تو دوسری قومیں ہمیں روندتی ہوئی گزر جائیں گی اور ہم نیم مردہ پڑے سسکتے ہی رہ جائیں گے۔

اور یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ قوموں کا عروج و ارتقا رہینِ منت ہے نوجوانوں کی بیداری کا، آج تک کسی ملت نے بامِ ترقی پر قدم نہیں رکھا، یہاں تک کہ اس کے نوجوان افراد نے اعانت نہ کی ہو، ہر قوم کے عروج و کمال کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ دنیا میں قوموں نے کوششِ مسلسل اور سعیِ پیہم سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جب تک کہ اس کے نوجوان غافل رہے۔..............................آج مسلمانانِ ہند اگر زوال و پستی کے عذاب میں مبتلا ہیں اور جہالت کے قعرِ مذلت میں پڑے سسکیاں لے رہے ہیں، تو اس کا علاج صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ ان کی مدہوشی کا پردہ چاک کیا جائے اور موجودہ حالاتِ عالم سے آگاہ و آشنا کیا جائے، اور گرد و پیش کے اضطراب کو اس کے سامنے لایا جائے اور ایسی سوسائٹیاں قائم ہوں اور ایسی انجمن بنیں جو بہترین فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوں، اور نوجوانوں میں علم و عمل، ایثار و قربانی کی سچی تڑپ کو بیدار کر سکیں۔

ہم چند افراد اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باوجود ایک ایسے ادارے کا آج افتتاح کر رہے ہیں، جو ہمارے خیال میں بے حد ضروری تھا، موجودہ فضا نے جو اعانت کی ہے، ہمارے لیے وہ بہت امید افزا ہے، اور آج ہم ایک دستور العمل کا خاکہ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور ایک اچھے مشیر قانون اور ایک فاضل سرپرست حاصل کر کے قوی امید ہے کہ ان کی رہنمائی میں اس قومی ادارہ کو احسن طریقے پر چلا سکیں گے۔

سکریٹری پبلک لائبریری مرقومہ ۱۴؍فروری ۱۹۳۷ء مطابق ۱۷؍رمضان ۱۳۵۵ھ

اس پبلک لائبریری کا جو دستور العمل میرے سامنے ہے اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی منظّم اور منصوبہ بند طریقے سے اس لائبریری کا خاکہ اربابِ علم و فضل

نے تیار کیا تھا، دستور میں اس لائبریری کے اغراض و مقاصد کے تحت آٹھ نمبرات پر مشتمل ایک مفصل تحریر ہے، اس کے بعد قواعد وضوابط کے عنوان سے ۱۱/دفعات قائم کر کے مستقل طور سے ضابطے لکھے گئے ہیں، پھر عہدہ داروں کے فرائض و اختیارات کے عنوان سے صدر، نائب صدر، سکریٹری، نائب سکریٹری، محاسب، خازن، مجلس منتظمہ جیسے اہم بنیادی مناصب متعین کر کے ہر ایک کے حدودِ اختیارات پر مکمل مواد مہیا کیا گیا ہے۔

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پبلک لائبریری کے ارباب بست و کشاد نے اس وقت کے ملکی و معاشرتی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جن اغراض و مقاصد کے پیش نظر یہ لائبریری قائم کی تھی اس پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے:

اغراض و مقاصد

(نام) اس ادارہ کا نام پبلک لائبریری خیرآباد ہوگا اور ہر اس انجمن سے اشتراک عمل کرے گا جو اس کے مقاصد سے متفق ہوں۔

(الف) نمبر۱ عوام کے مطالعہ کے لئے کتب و رسائل و اخبارات مہیا کرنا اور لوگوں میں ذوقِ علمی پیدا کرنا۔

نمبر(۲) علوم دینی و دنیاوی (تہذیب وتمدن، تاریخِ سلف) سے آگاہ کرنا۔

نمبر(۳) اچھے اخلاق اور بہترین معاشرت کی ترغیب دینا۔

نمبر(۴) سیاسی معلومات اور حقیقی قومیت کی تعلیم دینا۔

نمبر(۵) عملی قوت کو بیدار کرنا اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا۔

نمبر(۶) نوجوانوں میں باہمی امداد و تعاون اور محبت و اخوت کا رشتہ پائیدار و مضبوط بنانا۔

نمبر(۷) دیسی صنعت کی ترویج و ترقی کے لئے آئینی جدوجہد کرنا۔

(ب) اِن مقاصد کے حصول کے لئے عام جلسہ کرنا، جلوس نکالنا،

اشتہارات شائع کرنا، اخبارات میں پروپیگنڈا کرنا، مذاکرہ وتبادلۂ خیالات کی مجلسیں قائم کرنا وغیرہ۔

ان اغراض ومقاصد پر نظر ڈالنے سے اس وقت خیرآباد کے علم دوست حضرات کے فکر و خیال کی خوب عکاسی ہوتی ہے کہ کس طرح سے قوم کی ترقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے وہ لوگ سوچ رہے تھے، خاص طور سے نوجوانوں میں قوت فکر وعمل پیدا کرنے کے لئے اور زوال پذیر ہوتی ہوئی شوکت کی بحالی کے لئے کس قدر جامع اور مضبوط لائحہ عمل تیار کیا گیا تھا، اس وقت پورے ملک میں آزادی ہند کی تحریک مسلسل جاری تھی، بانیان لائبریری نے اپنے مقاصد میں اس تحریک کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، جیسا کہ شق نمبر (۷) دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے۔

اس لائبریری کے صدر ذی وقار کی جانب سے اس دستور العمل میں اغراض ومقاصد کے ساتھ مزید یہ ضمیمہ بھی شامل ہے:

"لائبریری سے ہر شخص بلا امتیاز ممبر وغیر ممبر فائدہ اٹھا سکتا ہے، کتب واخبار و رسائل وقت مقررہ پر آکر لائبریری میں پڑھ سکتا ہے، تازہ اخبار و رسائل کے علاوہ بعض مخصوص حالات میں کتب مطلوبہ کی ضمانت اور نصف پیسہ یومیہ کرایہ پیشگی ادا کر کے گھر لے جا سکتا ہے۔

دیگر سامان مثلاً فرش مدرسہ منبع العلوم کے اجلاس میں اور ہر اس اجلاس میں جو لائبریری کے اہتمام سے ہو، یا اس اجلاس عام کے لئے جو مدرسہ یا لائبریری کے مقاصد کے حصول کے لئے ہو۔ مفت استعمال ہوگا، ماسوائے اس کے دیگر جلسوں اور تقریبوں، ذاتی ضرورتوں کے لئے معقول معاوضہ پر دیا جا سکتا ہے۔"

پبلک لائبریری اپنے اصول وضوابط کے اعتبار سے اگر چہ ایک الگ آزاد ادارہ تھا لیکن علم اور علما سے وابستگی کو اپنے لئے ضروری خیال کرتا تھا، اسی لئے اس لائبریری کا خیرآباد کی سب سے قدیم علمی ودینی درسگاہ مدرسہ عربیہ منبع العلوم سے ربط وتعلق رہا ہے، چنانچہ پبلک لائبریری کے قواعد وضوابط کی دفعہ نمبر (۸) میں صاف طور سے لکھا ہوا ہے کہ:

لائبریری کا یہ آزاد ادارہ مدرسہ منبع العلوم کی سرپرستی کو اپنے لئے عرصہ تک قائم رکھنے کی

سعی کرے گا۔

لائبریری کے لیے پہلے بازار میں شیخ برکت اللہ دلال کی دکان عاریتاً ملی، اس کے بعد شیخ محمد زکریا نے اپنے بھائیوں کی رائے سے ایک وسیع کمرہ اس کے لیے خالی کر دیا اور لوگ بعد مغرب خالی اوقات میں جمع ہوکر مطالعہ کرتے اور مذاکرہ بھی۔

یہ لائبریری اپنے ابتدائی دور میں اپنے اغراض ومقاصد میں کس حد تک کامیاب رہی، اس کا اندازہ حافظ محمد شعیب شاکر کی خودنوشت سوانح ''سچی کہانی'' کے اس اقتباس سے ہوتا ہے:

۱۹۳۷ء کا آمد وخرچ حسب ذیل ہے:

آمدنی: چھیاسی روپیہ چودہ آنہ تین پائی

خرچ: چھہتر روپیہ آٹھ آنہ

بچت: دس روپیہ دس آنہ تین پائی

لائبریری میں دوسو تہتر مختلف علوم وفنون کی کتب کے علاوہ اخبار مدینہ، انصاری، مومن گزٹ، سہیل، تیج، پیغام، ہندوستان، پیام، رسالہ الفرقان، ترجمان القرآن، نگار، ساقی، عصمت، محشر خیال، ہمدرد صحت، مومن بدایوں، محدث مسلسل آتے ہیں اور عنقریب الامان جاری ہونے والا ہے۔

لائبریری میں اس سال اکیاون سو چالیس اشخاص بغرض مطالعہ تشریف لائے۔

اس لائبریری کے زیر انتظام اجلاس عام کی روداد درج ذیل ہے:

خلاصہ کاروائی جلسہ عام

خیرآباد ضلع اعظم گڑھ میں ''پبلک لائبریری خیرآباد'' کا پہلا عظیم الشان جلسہ بتاریخ ۲۸/ مارچ ۱۹۳۷ء زیر صدارت جناب مولوی عبدالباقی صاحب ایم اے، ایل ایل بی وکیل اعظم گڑھ منعقد ہوا، جس میں مئو، مبارکپور، پورہ معروف، ولید پور وغیرہ کے علمائے کرام نے شرکت فرمائی، عمائدین میں جناب سید عاشق حسین صاحب ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ اعظم گڑھ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، حاضرین میں قصبہ محمد آباد،

ولید پور، ابراہیم پور، بھیرہ وغیرہ کے کثیر اصحاب تشریف لائے تھے، نوجوانوں نے جلسہ کے اہتمام میں کافی محنت سے کام لیا، ایک عالی شان پنڈال رنگین جھنڈیوں سے آراستہ کیا، اس کے علاوہ خواتین کے لیے علاحدہ پردے کا انتظام تھا، جس میں چار پانچ سو خواتین موجود تھیں، ہندو مسلم سامعین تقریباً ڈیڑھ ہزار اس جلسہ میں شریک ہوئے تھے، چالیس باوردی رضا کار سرخ امتیازی نشانات کے ساتھ جلسہ کے انتظام میں ہمہ تن مصروف تھے، ۹/ بجے شب کو تلاوت کلام مجید سے جلسہ کا افتتاح ہوا، صاحب صدر نے لائبریری کی ضرورت، علمی فوائد، وسائل ترقی پر بصیرت افروز تقریر فرمائی، بعدہٗ شاکر نے بزم اخوان اور لائبریری کی رپورٹ پیش کی اور دستور العمل پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد جناب مولوی محمد شفیع صاحب مبارکپوری نے ایک پُرمغز تقریر نوجوانوں کی تنظیم کے متعلق فرمائی۔..........................

آخر میں مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی (قصبہ مئو) نے ایک عالمانہ اور نہایت جامع وعظ فرمایا اور مسلمانوں کی ایمانی کمزوری اور لائبریری کے فوائد پر مدلل روشنی ڈالی اور تصویر کا دوسرا رخ بھی نصیحتاً پیش کیا اور فرمایا کہ:

''میں نے بہت سی لائبریریاں دیکھی ہیں، جن میں کم ایسی ہیں جو صحیح معنوں میں لائق ستائش ہیں؛ ورنہ اکثر میں مصور رسائل، عشقیہ ناول، ذہنیت کو خراب کردینے والے لٹریچر کی بھرمار رہتی ہے۔ کارکنانِ لائبریری کو اس سے احتراز لازمی ہے۔''

مولانا کے اس بیان پر چند یتیم العقل اور تخریبی مزاج کے افراد نے یہ سمجھا کہ موصوف اسی لائبریری کے نقائص بیان فرماتے ہیں، جس کا بعد میں مولانا کو سخت افسوس بھی ہوا، مولانا کے بیان نے لوگوں میں اور خصوصاً نوجوانوں میں جذبۂ عمل پیدا کردیا۔ خدا استقلال بخشے! حاضرین اس بیان سے بے حد متأثر اور محظوظ ہوئے۔ بعد ازاں صاحب صدر کے شکریہ کے ساتھ ڈیڑھ بجے شب کو جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوا۔

اس کے بعد اسی پبلک لائبریری کے زیر اہتمام ۱۶/ستمبر ۱۹۳۸ء میں تحریک آزادی کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں بہت ساری قراردادیں منظور کی گئیں ،اس کی تفصیل اسی کتاب میں ''تحریک آزادی'' عنوان کے تحت آگے آرہی ہیں۔

یہ لائبریری اور اس کے آثار و بقایا جات بعد میں شاکر لائبریری کے نام سے خود حافظ محمد شعیب شاکر خیرآبادی کے مکان میں منتقل ہوگئے ،اس لائبریری سے استفادہ کرنے والے اربابِ ذوق آج بھی موجود ہیں ،شاکر لائبریری کی اجڑی ہوئی شکل میں نے خود بھی دیکھی ہے، پرانے رسائل ومجلّات کی ایک بڑی تعداد مجلد وغیر مجلد شکل میں مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، اردو لائبریری خیرآباد اور جامعہ احیاء العلوم مبارکپور کے کتب خانہ میں بھی حافظ شعیب صاحب کے ورثا کے ذریعہ منتقل ہوئی ہے، حافظ شعیب صاحب کے انتقال کے بعد خیرآباد کا یہ علمی ذخیرہ خرد برد ہوکر حوادث کا شکار ہوگیا۔

(۲) ضیائیہ لائبریری

سرزمین خیرآباد اور اس کے اطراف کی بستیوں کے مسلمان اپنی دینی حمیت وغیرت ، مذہبی جوش وعقیدت میں ہمیشہ ممتاز رہے ہیں، اسی کے ساتھ شوق مطالعہ، ذوق کتب بینی اور شعروادب کی آبیاری بھی یہاں کے لوگوں کا ایک امتیازی وصف تھا، حافظ محمد شعیب صاحب نے اسی ذوق کو پروان چڑھانے کے لئے پبلک لائبریری قائم کی تھی ۔اس کے کچھ عرصہ بعد مدرسہ ضیاء العلوم اشرفیہ کے بانی واولین روح رواں مولانا محمد صدیق صاحب کی تحریک پر ضیاء العلوم اشرفیہ کے زیر اثر ۱۹۵۹ء میں ''انجمن ضیائیہ'' کا قیام انھیں مولانا محمد صدیق صاحب کے مکان میں ہوا، اسی انجمن کے زیر انتظام ایک لائبریری ''ضیائیہ لائبریری'' کا وجود ہوا۔ یہ انجمن اپنے مختلف ادوار سے گذرتی ہوئی آج بھی محلّہ پچھّم باغ میں اپنی مستقل عمارت میں قائم ہے۔ جہاں دینی علمی ادبی کتب ورسائل سے لوگ استفادہ کرتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ عوام کی ضروریات کی دیگر اشیاء(شادی بیاہ میں استعمال کے برتن، فرش، لاؤڈاسپیکر وغیرہ) بھی یہاں سے کرایہ پر دستیاب ہوتی ہیں۔

(۳) انصاری لائبریری

’’پبلک لائبریری‘‘ کے قیام سے خیرآباد کے نوجوانوں اور علم دوست حضرات میں مطالعہ اور اخبار بینی کا ایک شوق و ولولہ پیدا ہوا۔ جب آتشِ شوق اور مطالعہ کا اشتیاق اہالیانِ خیرآباد میں اور بڑھا تو ضیائیہ لائبریری کا وجود ہوا، لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی، خیرآباد کی علمی وادبی فضا کو مزید پر بہار بنانے کے لئے بڑے پیمانے پر مزید ایک لائبریری کی ضرورت محسوس کی جانے لگی، چنانچہ ۱۹۶۰ء میں چند نوجوانوں نے جن میں جناب عبدالستار بن عبدالرؤوف (المعروف: ایم، ایل، اے) جناب عبدالجبار ٹیلر، جناب عبدالحنان (ناٹے)، جناب آفتاب عالم، جناب ظہیرالدین، جناب جہانگیر وغیرہ نے ’’انجمن انسانیہ‘‘ کے نام سے ایک کمیٹی بنائی، اس کمیٹی کے افراد نے باہمی مشاورت سے ایک لائبریری قائم کی اور سب سے پہلے مدرسہ منبع العلوم کی عمارت (بازار کی جانب) میں ایک زینہ کے نیچے چھوٹی سی الماری میں چالیس پینتالیس کتابوں سے (جو جناب عبدالستار ایم ایل اے اپنے گھر سے لائے تھے) اس کا آغاز ہوا۔ شروع شروع میں جناب عبدالستار ایم ایل اے، عبدالجبار ٹیلر اور ان کے چند ساتھی باقاعدہ گلیوں گلیوں گھوم گھوم کر انسانیہ لائبریری کے استحکام کے لئے لوگوں سے کتابوں کا چندہ کیا کرتے، لوگوں کا رجوعِ عام اس لائبریری کی جانب ہونے لگا، اور علم و مطالعہ کے رسیا اور مشتاقانِ علم وادب کی کثرت کی بنا پر لائبریری کی جگہ تنگ محسوس کی جانے لگی تو جناب عبدالجبار صاحب کے مکان واقع بازار خیرآباد میں اسے منتقل کر دیا گیا اور باقاعدہ ’’انیسِ اردو‘‘ لائبریری اس کا نام رکھا گیا۔ جناب عبدالجبار صاحب، جناب عبدالستار ایم ایل اے اور ان کے حوصلہ مند ساتھیوں نے ہمت نہیں ہاری اور باضابطہ بڑے پیمانے پر اس لائبریری کو مزید وسعت دینے کا فیصلہ کیا، اسی دوران مدرسہ منبع العلوم کی جدید

دو منزلہ عمارت بھی تیار ہوگئی تھی اور مدرسہ کی انتظامیہ نے عمارت کی ترتیب کچھ اس انداز سے دی تھی کہ دونوں منزلوں میں باہر کی جانب بہت ساری دکانیں نکل آئیں، دوسری منزل کی انھیں دکانوں میں سے ایک دکان کرایہ پر حاصل کر کے اس میں اس لائبریری کو منتقل کر دیا گیا، اور ۱۹۶۲ء میں باقاعدہ رجسٹرڈ کرا کے ''انصاری لائبریری'' کے نام سے اس کو ترقی دی گئی۔

اس لائبریری کے ارباب انتظام نے اصحابِ علم، علماء کرام اور مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کی سرپرستی سے لائبریری کو مستغنی نہیں رکھا، چنانچہ اس کے اولین بنیادی ذمہ داروں میں رشید احمد منیجر، مولانا نثار احمد (والد محترم قاری وسیم احمد صاحب) مولوی اقبال احمد (والد محترم مولانا محمد اطہر صاحب) مولانا محمد احمد محلّہ اٹھوریہ ٹولہ کی شخصیات شامل ہوئیں، مدرسہ منبع العلوم کے سابق ناظم اعلیٰ مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب کو اس لائبریری کا صدر اور مولوی اقبال احمد صاحب کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔

یہ لائبریری خیرآباد کی ایک بڑی لائبریری بن گئی اور خیرآباد کا علم نواز طبقہ اس سے متعلق ہوتا گیا، دینی، علمی اور ادبی کتابوں کی فراہمی، رسائل ومجلّات کی حصولیابی بڑے پیمانے پر ہونے لگی اور رشدہ شدہ یہ لائبریری دینیات اور علم وادب کی کتابوں کا ایک مخزن بن گئی۔

خیرآباد کی جتنی بھی مشہور علمی شخصیات ہیں مثلاً حافظ محمد شعیب شاکر، مولانا محمد سلیمان شمسی، مولانا نذیر احمد، مفتی حبیب الرحمٰن، مولانا عبدالحی مجاز، مولانا ڈاکٹر ابواللیث قاسمی، مولانا فضل حق عارف، مولانا انوار احمد قاسمی، مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی، مولانا ضیاء الحق خیرآبادی وغیرہ وہ سب اسی لائبریری کی خوشہ چیں رہی ہیں۔

مشہور زمانہ مقرر وصاحبِ قلم استاذ گرامی مولانا ضیاء الدین خیرآبادی لکھتے ہیں:

.... اس وقت کے مستقل ذمہ داروں میں بحیثیت لائبریرین مولانا نظام الدین صاحب محلّہ دکھن، جناب ابوبکر صاحب محلّہ دکھن، فیاض احمد محلّہ پچھّم اور جناب عبدالجبار صاحب کی قربانیوں کا کوئی بدل نہیں، لائبریری کے معماران اور ذمہ داران نے جس ولولہ

اور جذبۂ صادق کے ساتھ انصاری لائبریری کو پروان چڑھایا وہ ایک تاریخی کردار ہے۔

ہم نے پرائمری درجات ہی سے انصاری لائبریری جا کر مطالعہ کتب کا آغاز کردیا تھا، مغرب بعد لائبریری کھلتی تھی، شیدائیوں کا ایک ہجوم ہوتا تھا، بہت ہی سنجیدہ مزاج کے لوگ شوق سے لائبریری تشریف لے جاتے، کتابیں جاری کراتے، عبدالجبار ٹیلر اور عبدالستار صاحب اور جہانگیر عالم صاحب لوگوں سے مل مل کر لائبریری کے لئے کتابیں دینے کی درخواست بھی کرتے تھے اور معیاری کتابیں بھی منگوانے کوشش کرتے، دارالمصنفین اعظم گڈھ، ندوالمصنفین دلی، مکتبہ الحسنات رامپور اور دلی و دیو بند سے برابر کتابیں منگواتے، بہت سے معیاری میگزین اور ماہنامے منگواتے تھے، ہر دن تقریبا سو، پچاس افراد لائبریری سے کتاب ایشو (جاری) کراتے تھے۔

عبدالجبار صاحب اور لائبریری کے اراکین نے اردو کے متعدد مشاعرے منعقد کروائے جو ریکارڈ توڑ کامیاب ہوئے، ملک کے بڑے بڑے شعرانے انصاری لائبریری کی وجہ سے خیرآباد کی سرزمین پر اردو زبان وادب کے موتی لٹائے، عبدالجبار صاحب آج اَسّی سال سے زائد کے ہو چکے ہیں، علاقے کے مشہور ٹیلر بھی ہیں لیکن لائبریری سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے، گھٹنوں میں تکلیف کی وجہ سے چلنا مشکل ہے، جب کہ لائبریری سے ان کی قیام گاہ نصف کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، پھر بھی روزآنہ لائبریری کھولنے آتے ہیں، پیدل چلنے میں دشواری ہوتی ہے تو رکشہ سے آتے، اب جبکہ ملٹی میڈیا موبائل کی کثرت نے لائبریری سے نوجوان نسل کا تعلق کاٹ دیا پھر بھی چند شائقین تسلسل سے لائبریری میں تشریف لاتے ہیں۔

ہم جیسے خردوں نے بھی اس لائبریری سے خوب خوب استفادہ کیا ہے، ۱۹۸۸ء کے آس پاس کا زمانہ میری پرائمری درجات کی تعلیم کا زمانہ ہے، اس وقت حضرت والد محترم مدظلہ نے راہ دکھائی اور میں لائبریری جانے لگا، عبدالجبار صاحب بڑی محبت سے کتابیں دیتے اور بڑے شوق سے میں انھیں گھر لاتا اور مطالعہ کرتا، الدین القیم، محمد عربی، سینا کے بیابان میں، ابن بطوطہ کا بیٹا جیسی کتابیں اس وقت مطالعہ میں رہیں۔ میرے شوقِ مطالعہ کی آبیاری میں اس لائبریری کا بڑا حصہ ہے۔

انصاری لائبریری خیرآباد کی علمی وادبی اور سماجی خدمات

انیسویں صدی کی چھٹی دہائی کا دور خیرآباد کا بڑا اچھا دور تھا، مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کے موجودہ ناظم اعلی مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی بتاتے ہیں کہ:

میرے بچپن کا ماحول شعروشاعری میں عروج کا دور تھا، خیرآباد واطراف میں بے شمار شعرا تھے، اطراف کے ہر گاؤں میں جلسے تو ہوا ہی کرتے تھے مشاعروں اورادبی نشستوں کا بھی خوب رواج تھا، اوراس وقت کے سبھی مشاعرے طرحی ہوا کرتے تھے۔''

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی اور والد محترم مولانا فضل حق عارف خیرآبادی یوں بتاتے ہیں کہ اس وقت خیرآباد میں دینی جلسوں اور اصلاحی مجالس کا بھی خوب رواج تھا، خیرآباد کی جامع مسجد میں ہفتوں اور عشروں پر محیط اصلاحی اجلاس ہوا کرتے تھے جس میں مولانا سلیمان شمسی خیرآبادی کا بیان ہوا کرتا اور افتتاحی قرأت جناب حافظ نیاز احمد صاحب کی ہوا کرتی تھی۔

گویا وہ دور علمی وادبی بہار کا زمانہ تھا جب انجمن انسانیہ کے نام سے ایک کمیٹی بنائی گئی اس کی جانب سے سب سے پہلا افتتاحی اجلاس ۱۹۶۰ء میں منعقد ہوا، جس میں مولانا شکراللہ ولید پوری کو مدعو کیا گیا اور باقاعدہ انجمن انسانیہ کے پلیٹ فارم سے کام کا آغاز کیا گیا۔

خیرآباد اوراس کے اطراف میں شعروادب کی بہاریں خوب مشکباری کر رہی تھیں اسی لئے ۱۹۶۱ء میں اس انجمن کے ارباب ذوق نے ایک طرحی مشاعرہ کے انعقاد کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے مصرع طرح مقرر کیا گیا

جو اپنے گھر کو جلادے وہ میرے ساتھ چلے

یہ طرحی مشاعرہ جس بڑے پیمانے پر منعقد کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا کچھ عوارض کی وجہ سے اتنے بڑے پیمانہ پر نہیں ہوسکا لیکن ہوا اور جناب عبدالجبار صاحب ٹیلر کے احاطہ خیرآباد بازار میں ہوا، مقامی شعرا نے مقامی مصلحت کی بنا پر اس میں شرکت نہیں کی، قریب پاس کی بستیوں سے شعرا نے شرکت کی۔

اس زمانے میں مدح صحابہ پڑھنے پر پابندی لگادی گئی تھی اور اس پابندی کی میعاد اور مدت بڑھتی گئی، انصاری لائبریری کے اراکین بھی اس پابندی کو محسوس کر رہے تھے اور پھر دینی حمیت اور اسلامی غیرت کا تقاضہ بھی تھا اس نازک دور میں مدحِ صحابہ کے جلسے منعقد کئے جائیں، چنانچہ اس سلسلہ کا ایک اجلاس عام خیرآباد بازار میں منعقد کیا جس میں اس وقت کے اِس موضوع کے سب سے شاندار اور ذی علم مقرر مولانا عبدالسلام صاحب لکھنوی کو مدعو کیا گیا اور خیرآباد کی تاریخ کا یہ شاندار اجلاس عام ۱۹۶۶ء میں ہوا، اس موقع سے مولانا عبدالسلام لکھنوی نے انصاری لائبریری کے معائنہ رجسٹر میں یہ تحریر لکھی ہے:

اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ حقیر انصاری لائبریری میں حاضر ہوا، اس لائبریری میں دینی کتابیں، قرآن مجید، احادیث وفقہ کی کتابیں موجود ہیں، اس لائبریری کی طرف مسلمان متوجہ ہوکر ترقی کے لئے کوشاں رہیں، اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی اور ترقی عطا فرمائے۔ بجاہ النبی الکریم

ناچیز محمد عبدالسلام لکھنوی ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ/ ۲/ اکتوبر ۱۹۶۶ء

انصاری لائبریری کی جانب سے ۱۹۶۷ء میں دوسرا طرحی مشاعرہ ڈاکٹر امجد علی غزنوی اعظم گڑھ کی صدارت میں بمصرع طرح

بہار آئی ہے گلشن میں جشنِ عام لئے

منعقد کیا گیا جس میں بیرونی شعرا میں نجم محمد آبادی، جرم محمد آبادی، منیف اعظمی، برق اعظمی شریک ہوئے، اور مقامی شعرا میں مولانا نثار احمد نثار خیرآبادی، عبدالسمیع عیش خیرآبادی، شبیر قمر خیرآبادی، عادل رشید خیرآبادی، مشتاق شیدائی خیرآبادی، انجم ضیائی خیرآبادی، ریاض الدین صوفی خیرآبادی، نعمان خیرآبادی، عبدالباری دل خیرآبادی وغیرہ نے شرکت کر کے اس طرحی مشاعرہ کو بڑا کامیاب بنایا۔

۱۹۶۷ء میں انصاری لائبری کے زیر اہتمام اجلاس عام منعقد ہوا جس میں دیگر علماء کرام کے ساتھ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری مدیر ماہنامہ البلاغ بمبئی تشریف لائے تھے، اس وقت انصاری لائبریری کے سلسلہ میں ان کے تاثرات ان الفاظ میں:

انصاری لائبریری کے سالانہ اجلاس مورخہ: ۱۸؍۱۹؍اکتوبر ۱۹۶۷ء کے موقع پر لائبریری کے علمی ودینی ذخیروں اوراس کی کارگزاریوں کے دیکھنے کا موقع ملا، اورصحیح طور سے اندازہ ہوا کہ ہماری بستیوں میں اس طرح کی دانش گاہیں ہرطبقہ کےعوام وخواص کے حق میں کس قدر مفید اور ضروری ہیں، دینی علوم سمیت مختلف علوم وفنون کی کتابیں موجود ہیں .... ضرورت ہے کہ ارباب خیراس طرح کے علمی وتعلیمی اداروں کوبھی مدنظر رکھیں اوران کی اہمیت وافادیت کومحسوس کرکےان کوزیادہ سے زیادہ مفید بنائیں۔

اِس لائبریری کے لئے جوحضرات اپنی طرف سے جوبھی خدمت پیش کرتے ہیں وہ اہل علم کی طرف سےبہترین شکریہ کے مستحق ہیں۔

میری دعا ہے کہ یہ لائبریری اطراف وجوانب میں کتابوں کی کثرت، استفادہ کی عمومیت اورحسنِ انتظام میں مثالی لائبریری بن جائے اور بہت جلد ہی ارباب علم وفن کا مرکز بن جائے۔ قاضی اطہرمبارکپوری

انصاری لائبریری کے زیراہتمام اردو کے آل انڈیا مشاعروں کی تاریخ بھی بڑی تابناک ہے، اس لئے کہ اس وقت کے مشاعرے خالص اردوادب کی خدمت کے لئے منعقدہوا کرتے تھے، جس میں نمائش اور ذہنی عیاشی کے سامان بالکل ہی نہیں ہوتے تھے، اردونواز اہل علم سامعین ہوا کرتے تھے، اردوادب کی خدمت کےعنوان سے اہلِ علم شعرا اشعارسنایا کرتے تھے۔

سب سے پہلا آل انڈیا مشاعرہ مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب کے دورِصدارت اورمولوی اقبال احمد کی سکریٹری شپ میں فضا ابن فیضی اور سحر برآمد پوری کے مشورہ کے بعد ۱۳؍اپریل ۱۹۶۸ء میں جناب امجدعلی غزنوی کی زیرصدارت منعقدہوا، یہ مشاعرہ محلّہ دکھن کے محمد ایوب عرف یادن صاحب کے احاطہ میں ہوا، جناب عمرقریشی گورکھپوری کی کامیاب نظامت اورمنفرد شعرا کی آمد نے اس مشاعرہ کوتاریخی بنادیا اورانصاری لائبریری کا نام پورے ملک میں گونجنے لگا، اس مشاعرہ میں شریک اہم شعرامیں جناب انورمرزاپوری، خاموش غازی پوری، شیدا گورکھپوری، ہادی بنارسی، حق کانپوری، باہرمحمد آبادی، نجم محمد آبادی،

جرم محمد آبادی، منیف اعظمی تھے۔

شعبان ۱۳۸۸ھ مطابق ۹/نومبر ۱۹۶۸ء میں فقہ وفتاوی کی مشہور شخصیت مولانا مفتی محمد یاسین صاحب مبارکپوری کی کسی مناسبت سے انصاری لائبریری میں تشریف آوری ہوئی، حضرت مفتی صاحب نے تاثرات یوں قلم بند کئے ہیں:

آج میں نے انصاری لائبریری دیکھی ماشاءاللہ اس میں بہت سی دینی کتابوں کے ذخیرے موجود ہیں، عام لائبریریوں کی طرح اس میں رطب و یابس کتابیں نہیں ہیں بلکہ کارآمد کتابیں ہیں، کتابیں بہت سلیقہ سے رکھی ہوئی ہیں، خدا کرے کہ یوماً فیوماً مفید کتابیں فراہم ہوتی رہیں، جن سے کافی استفادہ کا موقع ملتا رہے اور خیرآباد اسم بامسمی کا نقشہ پیش کرتا رہے جو باعثِ فلاح ہو۔

بجز اعمالِ خیر امید کیسے ہو بھلائی کی   کہ کشتی سرزمینِ خشک پر چل ہی نہیں سکتی

محمد یٰسین اصلح اللہ حالہ مبارکپوری خادم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

مولانا سلیمان شمسی خیرآبادی مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں کی تدریس کے زمانے میں وطن مالوف تشریف لائے اور ۱۰/دسمبر ۱۹۷۰ء کو ارباب لائبریری کی دعوت پر اس کا معائنہ کیا، مولانا شمسی صاحب لکھتے ہیں:

آج ۱۰/دسمبر ۱۹۷۰ء کو حسنِ اتفاق سے اراکین انصاری لائبریری خیرآباد کی دعوت پر اپنے چند ذی علم احباب کی معیت میں انصاری لائبریری خیرآباد میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، لائبریری کے ادبی، علمی، اخلاقی ذخیروں اور اس کی کارگزاریوں کا جائزہ لینے کا موقع حاصل ہوا، میں رسمی طور پر نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے طور پر اپنی بے پناہ مسرتوں کا گرانقدر تحفہ ارباب انصاری لائبریری کی خدمت میں پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں، مجھے سب سے زیادہ مسرت اور خوشی اس بات پر ہے کہ اس لائبریری کا قیام اور وجود کسی مخفی جذبہ کا شاہکار نہیں ہے بلکہ یکسر مثبت جذبہ اور تعلیمی ذوق کا رہینِ منت ہے۔

لائبریری کا کوئی تحریری لائحہ عمل اور مطبوعہ یا قلمی اغراض ومقاصد کا مجموعہ زیر مطالعہ نہ آسکا، زبانی طور پر معلوم ہوا کہ کن جذبات اور مقاصد کے پیش نظر اس دانشکدہ اور دارالمطالعہ کا

قیام عمل میں آیا۔

.... میری خواہش اور مشورہ ہے کہ کارکنانِ انصاری لائبریری اپنے معاونین اور ہمدردوں کا حلقہ وسیع کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لائیں، اور اس ادارہ کو اس قابل بنائیں کہ وہ قوم کی دینی اور دنیاوی دونوں ہی اصلاح کا مرکز ثابت ہو۔ میں اپنے ہونہار نوجوانوں سے پوری امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لیں گے، میری ہمدردیاں اور دعائیں ان کے ساتھ ہیں، خدا ہم سب کو حسنِ عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ محمد سلیمان شمسی عفا اللہ عنہ خیرآبادی

جب مسلم پرسنل لا بورڈ ۱۹۷۲ء میں قائم ہوا تو ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کو انصاری لائبریری کی جانب سے مسلم پرسنل لا پر تقریر کے لئے مدعو کیا گیا، ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کی شرعی حیثیت اور ضرورت کے عنوان سے انصاری لائبریری کی جانب سے باقاعدہ کتابچہ بھی شائع کیا گیا۔ اس اجلاس میں قاضی اطہر مبارکپوری بھی موجود تھے اور انصاری لائبریری کے معائنہ کے بعد لکھا کہ:

آج ۱۸/محرم ۱۳۹۲ھ / ۵/مارچ ۱۹۷۲ء کو انصاری لائبریری میں حاضری اور اس کے معزز اراکین سے ملنے کا موقع ملا، نیز اخبارات ورسائل اور کتابوں کا تفصیلی معائنہ کیا، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کے پرجوش اور مخلص نوجوان اراکین نہایت سلیقہ مندی اور خوش اسلوبی سے اس کی افادیت کو چار چاند لگا رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ صالح ادب، صالح ذہن پیدا کرتا ہے اور اچھے کتب خانے اور لائبریریاں اپنے پڑھنے والوں کو اچھا بناتی ہیں، چنانچہ انصاری لائبریری کا وجود باجود اس کا بین ثبوت ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری

اسی کے ساتھ محدث جلیل ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کا یہ دعائیہ جملہ بھی ریکارڈ میں محفوظ ہے:

میں دعا کرتا ہوں کہ نوجوانوں میں اچھا ذوق پیدا ہو، اور اس لائبریری سے فائدہ اٹھا کر وہ اچھے مسلمان بننے کی کوشش کریں۔ حبیب الرحمٰن الاعظمی

کانگریس پارٹی نے ۱۹۷۲ء میں تمام مجاہدین آزادی کا اعزاز کرتے ہوئے ان کو مجاہدِ

آزادی ایوارڈ سے نوازا تھا، خیرآباد کی مشہور سیاسی شخصیت حافظ محمد شعیب شاکر صاحب بھی جنگ آزادی کے سلسلہ میں کئی تحریکات میں شامل رہے، اس وقت حافظ محمد شعیب صاحب کو اعزاز دیا گیا اور کانگریس حکومت کی جانب سے انھیں پنشن جاری کی گئی، اس مناسبت سے انصاری لائبریری کی جانب سے خیرآباد بازار میں ایک جلسہ ہوا تھا جس میں لائبریری کی طرف سے ان کو سائیکل اور کچھ دیگر چیزیں دی گئی تھیں۔ حافظ محمد شعیب صاحب کے انتقال کے بعد سرکاری پنشن کا نصف ان کی اہلیہ محترمہ کے لئے حکومت نے باقی رکھا۔

بڑے پیمانے پر دوسرا آل انڈیا مشاعرہ انصاری لائبریری کے زیر اہتمام ۱۹۷۲ء میں محلّہ اتراری میں منعقد ہوا جس میں اس وقت کے مشہور شعرا نے شرکت کی اور کامیاب مشاعرہ ہوا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر کے استاذ مولانا نجم الدین اصلاحی ۱۳ر جولائی ۱۹۷۳ء میں مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث قاسمی خیرآبادی (مولانا بھی اس وقت مدرس الاصلاح سرائمیر میں استاذ تھے) کی معیت میں خیرآباد آئے، اور لائبریری کا معائنہ کرنے کے بعد لکھا:

> آج بتاریخ ۱۳ر جولائی ۱۹۷۳ء بمعیت مولانا ابواللیث قاسمی فاضل دیوبند (جو ایک ہونہار عالم ہیں اور اس ناچیز سے کافی مانوس ہیں، مجھ کو بھی ان سے آئندہ بہت سی توقعات وابستہ ہیں) انصاری لائبریری خیرآباد دیکھنے کا اتفاق ہوا، کتابیں منتخب اور اچھے مصنفین کی اکٹھا کی گئی ہیں، .... میری نیک خواہشات ادارہ اور لائبریری کے ساتھ ہیں۔ نجم الدین اصلاحی

انصاری لائبریری میں تشریف لانے والے علماء ودانشوران

۱۔	۲؍اکتوبر ۱۹۶۶ء	مولانا عبدالسلام لکھنوی
۲۔	۲۴؍جون ۱۹۶۷ء	آثر انصاری
۳۔	۱۸؍اکتوبر ۱۹۶۷ء	قاضی اطہر مبارکپوری
۴۔	۱۳؍اپریل ۱۹۶۸ء	منیف اعظمی
۵۔	۱۴؍اپریل ۱۹۶۸ء	خاموش غازی پوری

۶۔	۹؍نومبر ۱۹۶۸ء	مفتی محمد یسین مبارکپوری
۷۔	۲۳؍جنوری ۱۹۶۹ء	مولانا اسحاق سنبھلی
۸۔	۲۳؍مئی ۱۹۷۰ء	امجد علی غزنوی
۹۔	۱۰؍دسمبر ۱۹۷۰ء	مولانا محمد سلیمان شمسی خیرآبادی
۱۰۔	۱۲؍فروری ۱۹۷۱ء	محسنہ قدوائی
۱۱۔	۱۵؍مئی ۱۹۷۱ء	انور مرزاپوری
۱۲۔	۱۵؍مئی ۱۹۷۱ء	اختر بستوی
۱۳۔	۵؍مارچ ۱۹۷۲ء	محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
۱۴۔	۱۳؍جولائی ۱۹۷۳ء	مولانا نجم الدین اصلاحی
۱۵۔	۷؍فروری ۱۹۷۴ء	مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی ایم ایل اے
۱۶۔	۴؍نومبر ۱۹۷۴ء	محمد پالن حقانی
۱۷۔	۳؍اپریل ۱۹۷۷ء	سلام سندیلوی
۱۸۔	۵؍فروری ۱۹۷۸ء	مفتی ظفیر الدین مفتاحی
۱۹	۱۲؍اکتوبر ۱۹۸۱ء	امین انصاری (ایم پی)
۲۰۔	۱۵؍نومبر ۱۹۸۱ء	مولانا سید احمد ہاشمی (ایم پی)
۲۱۔	۳۰؍مارچ ۱۹۸۶ء	مولانا محمد عارف سنبھلی
۲۲۔	۱۱؍نومبر ۱۹۸۶ء	پروفیسر عنوان چشتی
۲۳۔	۱۱؍نومبر ۱۹۸۶ء	مخمور سعیدی
۲۴۔	۸؍اپریل ۱۹۸۷ء	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

انصاری لائبریری کا یہ کاروان علم وادب مسلسل تیز گام رہا اور دینی و اصلاحی اجلاس اور اردو کے کامیاب مشاعرے پورے ملک میں اس کی شناخت بن چکے تھے، اس لئے ارباب ذوق اور سماجی خدمت گاروں کی توجہ اس کی جانب مبذول ہونے لگی، ڈاکٹر عبدالحفیظ

خیرآبادی، ڈاکٹر نعمان، حاجی فضل حق دادا اور بہت سارے لوگ اس کے ساتھ جڑتے گئے اور اردو مشاعروں سے ہٹ کر ٹھوس سماجی خدمات کی جانب قدم بڑھانے کی سوچ بیدار ہوئی۔

چنانچہ سماجی اور عوامی خدمت کے عنوان سے بڑے پیانے پر ایک اسکول اور ایک بڑا اسپتال قائم کرنے کی جانب توجہ ہوئی، انصاری لائبریری کی انتظامیہ نے ان دونوں کاموں کے لئے اقدام کیا، اسکول کے لئے باقاعدہ مدرسہ نسواں اشرفیہ ضیاء العلوم پرانا بازار کے قریب ایک زمین کی خریداری کی گئی، لیکن بوجوہ انصاری لائبریری کے ذمہ داروں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

اسپتال کی تعمیر کے لئے زمین ہموار کی گئی اور اس بابت کام کا آغاز بھی کردیا گیا، ۱۹۸۷ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں بحیثیت صدر جناب الحاج عبدالحنان (ناٹے) کا انتخاب کیا گیا، ڈاکٹر نعمان ولد حاجی محمد الیاس کو سکریٹری اور مولوی اعجاز احمد ولد حاجی عبدالغنی کو خزانچی مقرر کیا گیا۔ محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی علمی شخصیت کا پوری علمی دنیا میں ایک وقار تھا، طے یہ ہوا کہ ان کے نام سے منسوب کر کے ایک اسپتال کا سنگ بنیاد رکھا جائے، ان سے اجازت لینے پر انھوں نے یہ شرط رکھی کہ انصاری لائبریری اور اسپتال کی انتظامیہ چونکہ مشاعرے کراتی ہے اور اس میں شاعرات کو مدعو کیا جاتا ہے، اگر ایسے مشاعروں کا سلسلہ بند ہوجائے تو میں اپنے نام سے اسپتال قائم کرنے کی اجازت دوں گا، اسپتال کی انتظامیہ نے وعدہ کیا تو محدث اعظمی تیار ہوگئے چنانچہ خیرآباد اعظم گڑھ شاہراہ سے لگ کر ایک قطعہ اراضی کو اس کام کے لئے مخصوص کر کے ۱۹۹۰ء میں اسپتال کا سنگِ بنیاد فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے خلف رشید مولانا رشید احمد کے ہاتھوں رکھوایا گیا، اس موقع سے ایک عظیم الشان اجلاس بھی منعقد کیا گیا، اس تقریبِ سنگ بنیاد کے تین مہینے کے بعد حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی بھی خیرآباد تشریف لائے اور انھوں نے بھی اسپتال کی تعمیر وترقی کے لئے دعا کرائی، اس کی تعمیر شروع بھی ہوچکی تھی لیکن یہ کام آپسی نزاع اور عہدوں کی لڑائی کی نذر ہوگیا اور بس ایک خواب ہی رہ گیا۔

(۴) اردو لائبریری

مورخہ ۷/ستمبر ۱۹۷۰ء میں خیرآباد کے سربرآوردہ حضرات کی ایک مجلس عام جناب محمد خلیل دلال کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اہالیانِ خیرآباد کے ذوق کتب بینی کی تکمیل کا سامان مہیا کیا جائے، اور حالاتِ زمانہ سے باخبر ہوا جائے، اردو ادب اور اردو ثقافت کو مزید پروان چڑھایا جائے، اہل علم حضرات سے اردو کی بقا و تحفظ کے عنوان سے روابط استوار کئے جائیں اور موجودہ دور کی ضرورتوں اور نئی قدروں کی ترجمانی کے لئے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جو سبھی خاص و عام کیلئے مثالی حیثیت رکھتا ہو، اتفاق رائے سے اردو لائبریری کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور اس عام میٹنگ میں اردو لائبریری کی ایک مجلس عاملہ تشکیل ہوئی جس کے ۲۱/عہدیداران منتخب ہوئے۔

۱۔	جناب حاجی عبدالقدوس صاحب	سرپرست
۲۔	جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب	سرپرست
۳۔	جناب محمد مبین انجم صاحب	صدر
۴۔	جناب ممتاز احمد صاحب	نائب صدر
۵۔	جناب سلطان احمد صاحب	سکریٹری
۶۔	جناب نعمان احمد صاحب	نائب سکریٹری
۷۔	جناب عبدالجلیل کیپٹن صاحب	سکریٹری نشرواشاعت
۸۔	جناب نیاز احمد صاحب	نائب سکریٹری نشرواشاعت
۹۔	جناب حاجی افضال احمد صاحب	خزانچی
۱۰۔	جناب ابوبکر صاحب	لائبریرین
۱۱۔	فیاض احمد صاحب	لائبریرین

۱۲۔ جناب محمد خلیل دلال رکن

۱۳۔ جناب عبدالرشید دلال رکن

۱۴۔ جناب مختار احمد دلال رکن

۱۵۔ جناب قمرالزماں صاحب رکن

۱۶۔ جناب زین العابدین صاحب رکن

۱۷۔ جناب محمد نسیم صاحب رکن

۱۸۔ جناب عظیم الرحمٰن صاحب رکن

۱۹۔ جناب ریاض الدین صوفی صاحب رکن

۲۰۔ جناب مختار احمد ٹیلر صاحب رکن

۲۱۔ جناب مولوی انوار احمد (محلّہ پچھّم) رکن

تنظیم وتشکیل کے امور کی انجام دہی کے بعد ۱۰ رستمبر ۱۹۷۰ء کو ۴۰ رعدد کتابیں مستعار لے کر اس لائبریری کا افتتاح کیا گیا اور اس کی افتتاحی تقریب میں بطور مہمان خصوصی دارالعلوم مئو کے شعبہ فارسی کے استاد، معروف علمی وادبی شخصیت جناب انیس ادیب مئوی کو مدعو کیا گیا، مہمان مکرم نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ:

> شبلی وسہیل کے دیار اور ہینڈ لوم کی بوقلمونی صنعت کاری کے مرکز خیرآباد میں ایک کتابی ادارہ اور فکر ودانش کا گہوارہ اردو لائبریری کا قیام یقیناً ملک وملت کے لئے ایک مستحسن اقدام ہے، اس کے لئے اراکین وبہی خواہانِ لائبریری مبارکباد کے مستحق ہیں، اگرچہ لائبریری اپنی ابتدائی منزل میں ہے لیکن اس کے جلو میں جو کتابوں کا مختصر کارواں کامیابی کی منزل کی طرف جس تیزی سے گامزن ہے اس کی سرعتِ رفتار ایک خوش آئند مستقبل کا پتہ دیتی ہے۔
>
> جو کچھ کتابی سرمایہ ہو وہ اچھے مصنفین کی تحریروں پر مشتمل ہو، اور صالح موضوعات اور صحت مند قدروں کا حامل ہو، تاکہ اس کے مطالعہ سے قارئین کے ذہن وفکر کی تعمیر کی جاسکے اور اس فکر کی تیز آنچ میں تپ کر ایک صالح معاشرہ جنم لے سکے، یہی لائبریری کے قیام کا مقصد ہونا چاہئے، اور انھیں خطوط پر لائبریری کو چلانا چاہئے۔ انیس ادیب مئوی

لائبریری کے اراکین و ذمہ دار حضرات کی محنت، خیرآباد کے ارباب ذوق کی توجہ اور ان کی دلچسپی نے بڑا کام کیا، دوسرے ہی سال جب اس کی سالانہ میٹنگ ہوئی اور اس میں جو رپورٹ پیش کی گئی اس میں صاف طور سے تحریر ہے کہ اس پورے ایک سال میں لائبریری میں کل ۶۵۸/ کتابوں کا ذخیرہ ہو چکا ہے، ممبر سازی اور دیگر عطیات کے ذریعہ ادارہ کو ۱۶۲۱/ روپئے ۳۳/ پیسے کی آمدنی ہوئی، ۱۵۱۴/ روپئے ۹۴/ پیسے کتابوں کی خریداری اور مختلف ضروریات میں خرچ ہوئے اس کے بعد ۱۰۶/روپئے ۳۹/ پیسے لائبریری کے پاس موجود تھے۔

لائبریری کے قیام کے دوسرے ہی سال لائبریری کا مستقل دستور العمل تیار کرنے کے لئے پانچ افراد پر مشتمل ایک دستور ساز کمیٹی بنائی گئی جس کے ارکان تھے

۱۔	ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب	سرپرست لائبریری
۲۔	جناب محمد مبین انجم صاحب	صدر
۳۔	جناب ممتاز احمد صاحب	نائب صدر
۴۔	جناب سلطان احمد صاحب	سکریٹری
۵۔	جناب ابوبکر صاحب	لائبریرین

اس دستور ساز کمیٹی نے ۶/دسمبر ۱۹۷۱ء کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں دستور مرتب کر کے پیش کیا جو اتفاق رائے سے منظور ہوا۔

دستور کی منظوری کے بعد لائبریری کا رجسٹریشن ۹/دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہو گیا، حکومت کی جانب سے رجسٹریشن نمبر 1752 تجویز ہوا۔

اس رجسٹریشن کا فائدہ یہ ہوا کہ حکومتی پیمانے پر اس لائبریری کو سرکاری گرانٹ ملنے لگی، لائبریری کے ریکارڈ کے مطابق سب سے پہلی گرانٹ اتر پردیش اردو اکیڈمی کی جانب سے مبلغ آٹھ سو روپئے ملے، وزارتِ تعلیم اتر پردیش کی جانب سے آٹھ ہزار روپئے اور کلکتہ ایم ،آر، ایم، ایف کی جانب سے دو ہزار پانچ سو روپئے، اتر پردیش اردو اکیڈمی کی جانب سے سرکاری امداد کا یہ سلسلہ مختلف اضافوں کے ساتھ ۲۰۱۱ء تک جاری رہا۔

حالات کے اعتبار سے اس لائبریری کے عہدیداران اور ذمہ داران میں تبدیلی آتی رہی لیکن ترقی کی رفتار بڑھتی ہی رہی اور لائبریری کا یہ کاروان علم وادب تیز گام ہوتا رہا۔ بانیانِ ادارہ کی فعالیت اور سرگرمی کے مجاہدانہ جذبات کی وجہ سے ابتدا ہی سے یہ لائبریری ارباب علم وفضل کی مرکزِ توجہ رہی، ملک کی جن مقتدر علمی شخصیات نے قدم رنجہ فرما کر اس لائبریری کے بارے میں اپنے گرانقدر تاثرات لکھے اور جو لائبریری کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں ان کی ایک اجمالی فہرست نذرِ قارئین ہے۔

۱۰/اپریل ۱۹۷۱ء کو مولانا عبدالطیف نعمانی ناظم مفتاح العلوم مئو یہاں تشریف لائے اور معائنہ رجسٹر میں تحریر کیا کہ

ملکی آزادی کے بعد اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی علوم وادبیات سے جو بے اعتنائی برتی گئی اس کا تقاضا ہے کہ ہندوستانی مصنف اور باذوق شہری بالخصوص مسلمان اردو زبان اور اسلامی ادب وتاریخ کی ترویج واشاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور لائبریری، کتب خانے، قائم کر کے ملک کی علمی، ادبی، تاریخی اور تہذیبی سرمایہ کا نہ صرف تحفظ کریں بلکہ ترقی دینے کے لئے آگے بڑھیں۔

اردو لائبریری انھیں مقاصد کو پیش نظر رکھ کر قائم کی گئی ہے، اللہ تعالی قائم کرنے والوں کے عزائم کو استحکام ودوام بخشیں اور لائبریری اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اور بیکل اتساہی نے لکھا کہ:

ہم نے ہر پہلو سے کارکنان ومعاونین لائبریری کو جانچا پرکھا، لوگ اپنے خلوص ونمایاں کارگزاری میں مکمل جذبہ مجاہدانہ نظر آئے، خدائے عزوجل اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے طفیل خیرآباد کا علمی وادبی گہوارہ تاحشر ترقی وارتقا کی راہ پر گامزن رکھے، ہماری پرخلوص دعا اور ہر قلمی ورقی تعاون ان کے ساتھ ہے۔

عزم محکم ہو تو ہوتی ہیں بلائیں پسپا　　　کتنے طوفان پلٹ دیتا ہے ساحل تنہا

۲۵/مارچ ۱۹۷۲ء

ڈاکٹر بشیر بدر لکھتے ہیں:

دارالمطالعہ چاہے وہ چھوٹے پیمانہ پر ہی کیوں نہ ہو، کسی مخصوص علاقہ کے باشندوں کی تہذیب وثقافت اور علم دوستی کی نشاندہی کرتا ہے، اردو لائبریری خیرآباد کے اراکین جس خلوص سے ادبی وشعری مجلسوں کا انعقاد کرتے ہیں ان کا یہ جذبہ بذات خود ایسی دولتِ بیدار وسعادت ہے جو کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ ۲۶/مارچ ۱۹۷۲ء

مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے لکھا ہے کہ:

اردو لائبریری خیرآباد میں کتابوں کا انتخاب اور ان کی ترتیب وتنسیق اچھی پائی، سب کام سلیقہ اور ذوق کے ساتھ نظر آیا، اس کے قائم کرنے والوں اور منتظمین کے بارے میں اچھا تاثر قائم ہوا، اللہ تعالیٰ اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے کہ انھوں نے ایک ضروری اور مفید کام انجام دیا۔ ۱۳/مارچ ۱۹۸۷ء

مولانا وحیدالزماں کیرانوی (استاذ دارالعلوم دیوبند) کے تاثرات:

اردو لائبریری خیرآباد کو آج اپنے چند رفقا کے ساتھ دیکھنے کا موقع ملا، اردو کے ضروری اور عام موضوعات کی کتابوں کا ایک قابلِ دید ذخیرہ نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ اسے چھوٹی سی جگہ میں بڑے سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ رکھا گیا ہے جس سے منتظمین کے ذوق سلیم کا پتہ چلتا ہے۔ کسی قصبہ میں ایسی لائبریری کا پایا جانا اس کے علمی مستقبل کے لئے نیک فال ہے

۲۳/دسمبر ۱۹۸۷ء

یہاں تشریف لانے والے دیگر علماء وادبا اور سیاسی زعماء میں مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی (وزیر مملکت برائے صنعت اتر پردیش)، ڈاکٹر سلام سندیلوی (پروفیسر گورکھپور یونیورسٹی)، ڈاکٹر اختر بستوی (لکچرر گورکھ پور یونیورسٹی)، محمد امین انصاری (وزیر مملکت برائے صنعت اتر پردیش)، ایم کوٹھیاوی راہی (مدیر اشتراک گورکھپور)، قاضی انیس الحق ڈائریکٹر (گورکھپور ریڈیو اسٹیشن)، مولانا اسحاق سنبھلی ممبر پارلیمنٹ، قاضی اطہر مبارکپوری۔ مولانا محمد عارف سنبھلی (استاذ ندوۃ العلماء) مولانا عبدالعلی فاروقی (ایڈیٹر البدر) مولانا عبید اللہ خاں اعظمی (ممبر پارلیمنٹ) عبداللطیف اعظمی (ایڈیٹر ماہنامہ جامعہ دہلی)، مولانا سعید احمد اعظمی، مولانا سلیمان شمسی

خیرآبادی، پروفیسر عبدالمغنی (صدر انجمن ترقی اردو بہار) علی جواد زیدی (سابق صدر اتر پردیش اردو اکیڈمی) ڈاکٹر کلیم عاجز (سابق صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی)

ان مذکورہ علمی، ادبی اور سیاسی شخصیات نے اپنے حوصلہ افزا کلمات سے ذمہ داران لائبریری کے کام کو سراہا، اور ان کے گراں قدر تاثرات لائبریری کے معائنہ رجسٹر میں درج ہیں۔

لائبریری کے صدر اول جناب محمد مبین انجم ضیائی صاحب نے لائبریری کے تعلق سے اپنے جذبات اور اپنی عقیدت کو بسترِ علالت پر رہتے ہوئے نظم کیا تھا، جس میں تقریباً اسّی کے قریب اشعار ہیں، کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے لائبریری میں موجود خاص خاص کتابوں کا تعارف بھی کرادیا ہے، اس نظم ''خراجِ انجم بنام اردو لائبریری'' کے اقتباسات پیش ہیں، پوری نظم ان کے مجموعہ کلام گلہائے صدرنگ میں مطبوع ہے:

خراجِ انجم بنام اردو لائبریری

اے مری نورِ نظر، لختِ جگر، حسنِ سحر
تجھ پہ قرباں جان و دل، لوح و قلم علم و ہنر

تجھ سے کیا نظریں ملیں کھلنے لگی راہِ ہنر
تیرگی چھٹنے لگی، پھٹنے لگا نورِ سحر

نت نئے گوشے ادب کے مجھ پہ وا ہونے لگے
مجھ کو علم و فضل کے سانچے نئے ملنے لگے

میری بینائی بڑھی، میری زباں کھلنے لگی
میری طبعِ شوق ابھری بت نئے گڑھنے لگی

سست رو میرے قلم میں زورِ طوفاں آگیا
جب اٹھا لینے قدم شاہِ دبستاں آگیا

تیری آمد سے چھٹی ظلمت، گئی پژمردگی
کہ دے انجم ضوفشاں ہے شمعِ روئے زندگی

تجھ پہ شیدا ہوگئی رنگین شہروں کی دلہن
ہائے رے تیری جوانی، ہائے تیرا بانکپن

تیرے جشنِ لالہ و گل کا ہوا جب اہتمام
خوش ہوئے اِس ملک کے شعرا و ادبا خاص و عام

تیرے گلشن میں کہیں صبحِ بنارس جلوہ ریز
ہے کہیں زلفِ اودھ تیرے گگن پہ مشک بیز

تیرے مخزن پہ کتب خانوں کو رشک آئے نہ کیوں
دیکھ کر سرمایہ شہکار گھبرائے نہ کیوں

تیرا دامن تنگ ہوتا جارہا ہے دن بدن
نسخہ صد کیمیاوی آرہا ہے دن بدن

گلستانِ علم سے لا لا کے حسنِ انتخاب
تیری زلفِ خم بہ خم میں ٹانکے جاتے ہیں گلاب

قابلِ تحسیں ہیں تیرے بانی تیرے جاں نثار   رات دن کرتے ہی رہتے ہیں ترا سولہ سنگھار
چوس کر باغوں سے لائے جس طرح پھولوں کا رس   تیری خاطر تیرے دیوانے کریں کارِ مگس
منتخب گلہائے شبلی تیرے دامن کی بہار   میر و غالب حالی و آزاد تیرے حسن کار

ادبی پروگرام

۱۔ اردو لائبریری کی جانب سے بڑے پیمانے پر سب سے پہلا آل انڈیا مشاعرہ ۲۵/مارچ ۱۹۷۲ء میں جناب محمد اجمل نورانی مئوناتھ بھنجن کی صدارت میں منعقد ہوا۔نظامت ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد نے کی،اس مشاعرہ میں بحیثیت شاعر،بیکل اتساہی، ڈاکٹر بشیر بدر،نازش پرتا بگڑھی،راز الہ آبادی،خاموش غازی پوری، چوپٹ لکھنوی،کشفی لکھنوی،بانو داراب وفا،موسی مجروح،یزدانی صدیقی شریک ہوئے تھے۔

۲۔ دوسرا آل انڈیا مشاعرہ ۱۰/اپریل ۱۹۷۶ء میں بال کشن چترویدی کلکٹر اعظم گڑھ کی زیر صدارت ہوا،اس کی نظامت جناب رفعت سروش ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو اردو سروس نے کی،اس مشاعرہ کے کچھ خاص شعراء کے نام درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر بشیر بدر،شمع زیدی،امیر قزلباس،جمیلہ بانو،کیف بھوپالی،ساحرہ قزلباس،اسلم الہ آبادی وغیرہ۔

۳۔ تیسرا آل انڈیا مشاعرہ ۲۵/اپریل ۱۹۸۳ء میں قاضی انیس الحق ڈائریکٹر گورکھپور ریڈیو اسٹیشن کی صدارت اور عمر قریشی گورکھپوری کی نظامت میں ہوا،مندرجہ ذیل شعرانے شرکت کی۔

ایم کوٹھیاوی راہی،گگن بھارتی،حبیب ہاشمی،راحت اندوری،حق کانپوری، منظر بھوپالی،آفاق فاخری،تسنیم صدیقی،تاجور سلطانہ،عادل لکھنوی۔

۴۔ ایک شام پروفیسر عبدالمغنی کے نام

صوبہ بہار کی انجمن ترقی اردو اور پٹنہ یونیوسٹی کے شعبہ انگریزی کے صدر کی آمد پر

۱۲؍مارچ ۱۹۸۸ء کو خیرآباد بازار میں بعد نماز عصر مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ کی صدارت یہ مجلس منعقد ہوئی ،اس موقع سے جناب سید شہاب الدین دسنوی اور مولانا عبیداللہ کوٹی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ بھی شریک بزم ہوئے۔ مہمان خصوصی پروفیسر عبدالمغنی نے تقریبا ۵۰؍منٹ خطاب کیا۔

۵۔ ایک شام سید علی جواد زیدی کے نام

یہ ادبی شام ۲۷؍مارچ ۱۹۸۸ء کو مشہور نقاد، محقق اور تذکرہ نگار جناب علی جواد زیدی محمد آبادی سابق صدر اتر پردیش اردو اکیڈمی کے پدم شری ایوارڈ پانے کے اعزاز میں منعقد ہوئی ، یہ مجلس خیرآباد بازار میں مغرب بعد منعقد ہوئی اس مجلس کی صدارت مدرسہ منبع العلوم کے صدر مدرس مولانا محمد عثمان ساحر مبارکپوری نے کی ، نظامت خیرآباد کے معروف عالم ومقرر، مدرسہ منبع العلوم کے استاذ مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی نے کی ،اس موقع سے مولانا محمد عثمان ساحر مبارکپوری صدر مدرس منبع العلوم کی لکھی ہوئی استقبالیہ نظم ''منفرد دل ہے علی جواد کا'' لائبریری کے نائب سکریٹری جناب نثار احمد نے پیش کی۔

۶۔ تقریب اجرا گلہائے صدرنگ

لائبریری کے صدر اول جناب محمد مبین انجم ضیائی خیرآبادی کے مجموعۂ کلام ''گلہائے صدرنگ'' کے اجرا کے سلسلہ میں ایک اجلاس ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۹ء میں مدرسہ منبع العلوم کے صحن میں بعد نماز مغرب منعقد کیا گیا ،اجلاس کی صدارت معروف شاعر فضا ابن فیضی مئوی نے کی ،نظامت کے ذمہ دار مولانا شمس الضحیٰ شمس ضیائی بنائے گئے ،صدر اجلاس ملک کے نامور شاعر فضا ابن فیضی تھے۔

اس اجلاس میں انجم ضیائی صاحب کی مشہور نعت

یہ مہ وکہکشاں ، یہ گل وگلستاں ، یہ جہاں کے نظارے ہیں ان کے لئے

مولوی ضیا الرحمٰن قاسمی ابن مولانا عبدالحی مجاز خیرآبادی نے پیش کی۔اس مجموعہ کلام کا

تعارف گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

اس لائبریری کے اصحاب ذوق منتظمین نے ۱۹۸۸ء تک مختلف علوم وفنون پر مشتمل تقریباً ساٹھ قدیم ونایاب کتب اکٹھا کرکے اسے اس دیار کی منفرد لائبریری بنادیا تھا۔اس کے علاوہ

اسلامیات پر تقریباً	دوہزار کتابیں
ادبیات پر تقریبا	تین ہزار کتابیں
فنی اور سائنسی موضوعات پر	ایک ہزار کتابیں
مختلف ناول	دوہزار دوسو تقریباً
ڈائجسٹ	چھ سو پچاس
مجلد رسائل	پانچ سو
ہندی زبان میں	نوسواسی
انگریزی کتب	چارسوتیس

اس طرح اردو لائبریری میں اس وقت مختلف علوم وفنون اور مختلف زبانوں میں دس ہزار سات سو سے زیادہ کتابیں اہلِ ذوق اور اصحاب مطالعہ کے لئے موجود ہیں۔

فہرست سرپرستان اردو لائبریری

حاجی عبدالقدوس صاحب	۱۹۷۰ء سے دسمبر ۱۹۷۴ء تک
ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب	۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء تک
مختار احمد صاحب	اکتوبر ۱۹۷۲ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک
کے کے اگروال	جنوری ۱۹۷۴ء سے دسمبر ۱۹۷۴ء تک
نسیم فاروقی	جنوری ۱۹۷۵ء سے دسمبر ۱۹۷۵ء تک
مختار احمد صاحب	جنوری ۱۹۷۵ء سے مارچ ۱۹۷۷ء تک
قمر الزماں صاحب	اپریل ۱۹۷۶ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک

جمیل احمد صاحب	اپریل ۱۹۷۷ء سے مارچ ۱۹۷۸ء تک
مختار احمد صاحب	اپریل ۱۹۷۸ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک
زین العابدین صاحب	فروری ۱۹۸۳ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک
سلطان احمد صاحب	فروری ۱۹۸۳ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک

فہرست صدور ونائبین

محمد مبین انجم صاحب	صدر	ستمبر ۱۹۷۰ء سے اکتوبر ۱۹۷۲ء تک
ممتاز احمد صاحب	نائب	ستمبر ۱۹۷۰ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک
ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب	صدر	اکتوبر ۱۹۷۲ء سے دسمبر ۱۹۷۵ء تک
زین العابدین صاحب	نائب	جنوری ۱۹۷۴ء سے دسمبر ۱۹۷۴ء تک
کے کے اگروال صاحب	نائب	جنوری ۱۹۷۵ء سے دسمبر ۱۹۷۵ء تک
زین العابدین صاحب	صدر	جنوری ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک
سلطان احمد صاحب	نائب	جنوری ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک
اعجاز احمد صاحب	صدر	فروری ۱۹۸۳ء سے فروری ۱۹۸۸ء تک
جمیل احمد صاحب	نائب	فروری ۱۹۸۳ء سے فروری ۱۹۸۴ء تک
صغیر احمد صاحب	نائب	مارچ ۱۹۸۴ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک

فہرست سکریٹری ونائبین

سلطان احمد صاحب	سکریٹری	ستمبر ۱۹۷۰ء سے دسمبر ۱۹۷۵ء تک
نعمان احمد صاحب	نائب	ستمبر ۱۹۷۰ء سے ستمبر ۱۹۷۱ء تک
نسیم احمد صاحب	نائب	اکتوبر ۱۹۷۱ء سے اکتوبر ۱۹۷۱ء تک
عبدالجلیل صاحب	نائب	جنوری ۱۹۷۴ء سے دسمبر ۱۹۷۵ء تک
اعجاز احمد صاحب	سکریٹری	جنوری ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک

صغیر احمد صاحب	نائب	جنوری ۱۹۷۶ء سے جنوری ۱۹۸۳ء تک
صغیر احمد صاحب	سکریٹری	فروری ۱۹۸۳ء سے فروری ۱۹۸۴ء تک
غفران احمد صاحب	نائب	فروری ۱۹۸۳ء سے فروری ۱۹۸۴ء تک
غفران احمد صاحب	سکریٹری	مارچ ۱۹۸۴ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک
فیاض احمد صاحب	نائب	مارچ ۱۹۸۴ء سے جنوری ۱۹۸۶ء تک
نثار احمد صاحب	نائب	جنوری ۱۹۸۶ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک

خزانچی

حاجی محمد افضال صاحب رنگائی والے ستمبر ۱۹۷۰ء سے اپریل ۱۹۸۸ء تک مسلسل بلا انقطاع اس کے خزانچی رہے۔

لائبریرین

جناب ابوبکر صاحب	جناب فیاض احمد صاحب
جناب ریاض احمد صاحب	جناب انعام الحق ساز صاحب
جناب نیاز احمد صاحب	جناب محمد عارف صاحب
جناب ضیاالدین صاحب	جناب افتخار احمد صاحب
جناب انوار احمد صاحب	جناب ارشاد احمد صاحب
جناب ضیاء القمر صاحب	جناب ابوذر انصاری صاحب

(۵) دبستان ادب لائبریری

مولانا کمال اختر قاسمی (ولد جناب نذیر احمد صاحب سکریٹری) نے اس لائبریری کے تعلق سے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ انھیں کے الفاظ میں یہاں نقل ہے:

۱۹۸۰ء کے آس پاس چند اصحاب میرے گھر پر بعد نماز عشاء جمع ہو جایا کرتے تھے اور تفریحی گفتگو کے ساتھ ساتھ دینی مسائل کے تعلق سے بھی کچھ باتیں ہو جایا کرتی تھیں، اکثر اوقات حفیظ جالندھری مرحوم کا شعری مجموعہ جو اسلامی تاریخ اور خاص طور سے سیرت نبویہ پر مشتمل ہے ''شاہنامہ اسلام'' ترنم سے پڑھا جاتا تھا، اسی دوران یہ داعیہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایک لائبریری قائم کردی جائے کہ یہاں بیٹھ کر مطالعہ کیا جائے، چنانچہ یہ تحریک جب زوروں پر آئی تو اس کے لئے چندہ ہوا، اور میں نے بطور چندہ سیرت کی ایک کتاب دی، اور کچھ رقم بھی جمع ہوگئی جس سے کتابیں خریدی گئیں اس طرح اس لائبریری کا سلسلہ چل پڑا، کچھ دنوں کے بعد اس کو باقاعدہ منظّم شکل دے دی گئی اور چچا محترم جناب مشتاق احمد شیدائی نے اس کا نام ''دبستان ادب'' رکھا، اس کے ابتدائی ذمہ داروں میں میرے قریبی دوست مولانا محمد راشد قاسمی، حافظ حفیظ الرحمٰن، حافظ مختار عالم، حافظ وزیر احمد، حاجی حفظ الرحمٰن، نسیم الدین، اثیر الدین وغیرہ تھے۔

لائبریری مغرب بعد سے عشا تک روزانہ کھلنے لگی اور لوگ مطالعہ کے لئے کتابیں کرایہ پر حاصل کرنے لگے، اخلاق احمد مرحوم پابندی کے ساتھ لائبریرین کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔

یہ لائبری اولاً میرے ذاتی مکان ہی کے ایک کمرے میں تھی، جب گھر والوں کو اس کمرے کی ضرورت ہوئی تو لائبریری کے ذمہ داروں نے مسجد عمر فاروق کی دکانوں میں سے ایک دکان کرایہ پر حاصل کی اور لائبریری وہاں منتقل ہوگئی۔ اس کے بعد ماسٹر احسان احمد اور ان کے رفقا نے اس لائبریری کو مزید ترقی دی۔

جدید انگریزی تعلیم

خیرآباد میں علوم دینیہ کا چراغ تو تقریبا ڈیڑھ صدی قبل منبع العلوم کی شکل میں جلایا جاچکا تھا، اور علم دین کے پروانوں کی ایک کثیر تعداد اس شمع فروزاں کے گرد منڈلاتی ہوئی اور اکتساب فیض کرتی ہوئی ہمیں تاریخ کے اوراق میں ملتی ہے، لیکن اہالیان خیرآباد کا میلان اور رجحان علوم عصریہ کی طرف بعد میں ہوا، جب ضرورت کا احساس ہوا تو ایک بڑی تعداد علوم عصریہ کے حاملین کی بھی یہاں تیار ہوگئی۔

آج سے ۵۲ر سال قبل جنوری ۱۹۶۹ء میں رسالہ مومن بدایوں میں ایک مضمون ''انصاری برادری کا ماضی وحال'' مورخِ خیرآباد حافظ محمد شعیب شاکر کے قلم سے لکھا ہوا شائع ہوا، جس میں وہ لکھتے ہیں:

خود ہمارے قصبہ خیرآباد میں علما وانگریزی داں اصحاب کی حفاظ کی طرح اتنی کثرت ہے کہ ان کی ایک خاصی فہرست تیار ہوسکتی ہے، ذیل میں چند اصحاب کے نام پیش کرتا ہوں:

مسٹر عبدالحفیظ انصاری ایم ایس سی لکھنو یونیورسٹی میں سائنس کے لکچرار ہیں۔

مسٹر محمد ایوب انصاری ایم اے شبلی کالج اعظم گڑھ میں لکچرار ہیں۔

مسٹر عبدالسمیع انصاری دیوریا کالج میں لکچر رہیں۔

مسٹر جمشید انصاری ایم کام

مولوی عبدالحی انصاری بی اے بمبئی میں برسرکار ہیں۔

مولوی عبدالحکیم سند یافتہ طبیہ کالج لکھنو

نوٹ: مذکورہ بالا حضرات میں اکثر مرحوم ہوچکے ہیں، ان کے ناموں کے ساتھ ان

کے جو عہدے اور ملازمت کی تفصیل ہے وہ ۱۹۶۹ء سے پہلے کی ہے، ان حضرات نے اس کے بعد مختلف خدمات انجام دیں، ان تمام کی تفصیلات اِس کتاب کے دوسرے حصہ تذکرہ علما و دانشورانِ خیرآباد میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اس طرح خیرآباد میں اعلیٰ انگریزی تعلیم کی تحصیل کی تاریخ ڈاکٹر عبدالحفیظ، ماسٹر عبدالسمیع اور ماسٹر جمشید احمد سے شروع ہوتی ہے، ڈاکٹر عبدالحفیظ اور ان کے شاگرد ڈاکٹر جمیل احمد اس پلیٹ فارم سے بہت ہی نمایاں اور ممتاز ہوئے۔ڈاکٹر عبدالحفیظ اور ڈاکٹر جمیل احمد یہ دونوں حضرات ایک لمبے عرصہ تک ضلع اعظم گڑھ کے مشہور زمانہ شبلی کالج میں بحیثیت لکچرار کے خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد عصری تعلیم کی طرف لوگوں کا رجحان ہوا اور ماسٹر اعجاز احمد محلّہ دکھن، ماسٹر صغیر احمد محلّہ اٹھوریہ ٹولہ، قاری وسیم احمد صاحب کے بھائی ماسٹر فہیم احمد و ماسٹر شمیم احمد، ماسٹر معین الدین محلّہ پچھّم، ڈاکٹر نعمان احمد محلّہ اٹھوریہ ٹولہ، ڈاکٹر نفیس احمد محلّہ اتراری وغیرہ کی شخصیتیں علوم جدیدہ سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئیں۔

حالات اور زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور علوم عصریہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہاں بھی عصری علوم کی تعلیم گاہیں قائم کی جانے لگیں، جن کی وجہ سے عصری تعلیم میں خیرآباد کا گراف کافی بڑھ گیا ہے، اس وقت خیرآباد میں ایم بی بی ایس ڈاکٹرس اور انجینیر اور دیگر بہت سی ڈگریاں حاصل کرنے والے افراد موجود ہیں، ذیل میں خیرآباد کی عصری تعلیم گاہوں کا تعارف پیش ہے:

(۱) حبیب گرلس اسکول

۱۹۷۵ء میں اتراری خیرآباد کے ایک صاحبِ خیر حاجی حبیب احمد صاحب کے ذاتی ذوق وشوق سے انھیں کی ذاتی زمین واقع شاہراہ محمدآباد مبارکپور میں جونیر ہائی اسکول بچیوں کی عصری تعلیم کے لئے کھولا گیا۔ رفتہ رفتہ اس اسکول اور اس کی کارکردگی سے لوگ متاثر ہوکر جڑتے گئے۔ ۱۹۷۹ء میں باقاعدہ ''مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی'' کے نام سے ایک کمیٹی رجسٹرڈ کرائی گئی اور طے یہ ہوا کہ ''حبیب گرلس جونیر ہائی اسکول'' بھی اسی کمیٹی کے تحت

چلایا جائے، چنانچہ اس اسکول کے لئے مستقل طور سے زمین کی خریداری کی بات ہونے لگی، لیکن شومی قسمت یہ کمیٹی اختلاف کا شکار ہوگئی اور یہ اسکول بھی اختلاف کا شکار ہوکر چند سالوں کے بعد بند ہوگیا۔

(۲) مومن انصار گرلس ہائی اسکول

حبیب گرلس جونیر اسکول جب اختلاف کا شکار ہوکر بند ہوگیا تو مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے ذمہ داروں کو ایک گرلس اسکول کی ضرورت کا احساس ہوا، چنانچہ ۱۹۸۰ء میں موضع اتراری ہی میں سڑک سے متصل ''مومن انصار گرلس ہائی اسکول'' کے نام سے باقاعدہ ایک اسکول قائم کیا گیا، جس کا سنگِ بنیاد حافظ رحمت اللہ صاحب امام جامع مسجد خیر آباد کے ہاتھوں رکھا گیا، یہ اسکول ایک بڑے رقبہ میں قائم ہے اور ۲۰۲۰ء میں انٹر میڈیٹ کالج کے طور پر سرکار سے منظور ہو چکا ہے۔

۱۹۸۰ء سے لے کر آج تک اس کے مینیجر جناب اسرار احمد صاحب محلّہ اتراری ہیں۔فی الوقت خیر آباد، اتراری، بھیرہ، ولید پور، محمد آباد، ابراہیم پور قریب پاس کی تقریباً ایک ہزار بچیاں یہاں زیر تعلیم ہیں۔

اس اسکول میں سالانہ ثقافتی پروگرام بھی منعقد کئے جاتے ہیں جس پر اسکول کو سرکاری طور پر سرٹیفکٹ بھی ملا ہوا ہے۔

(۳) اقراء پبلک اسکول

اس اسکول کی ابتدا جنوری ۱۹۸۶ء میں ہوئی، کام کی شروعات خیر آباد کے امام جامع مسجد حافظ رحمت اللہ صاحب کے مکان سے ہوئی۔اس وقت پرائمری کے ابتدائی درجات ہی تھے، چند سالوں کے بعد اگروال سیٹھ کے لوم شیڈ کو خرید کر امام صاحب کے مکان سے اسکول کو اس میں منتقل کر دیا گیا اور جونیر ہائی اسکول تک تعلیم کا بندوبست کر دیا گیا، پرائمری درجات کو سرکاری طور پر ۱۹۹۹ء میں منظوری ملی اور جونیر ہائی اسکول کی منظوری ۲۰۰۰ء میں

ہوئی،۲۰۱۱ء میں ہائی اسکول کی منظوری ملی۔

۲۰۰۵ء میں کمپیوٹر سینٹر کی منظوری کے لئے اسکول کے مینیجر جناب رشید احمد علیگ نے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کو ایک درخواست بھیجی جو۲۵/اگست ۲۰۱۱ء کو با قاعدہ منظور ہوگئی اور یہاں کمپیوٹر سینٹر بھی قائم کر دیا گیا۔

اس اسکول کی طرف سے سالانہ ثقافتی پروگرام ہر سال یکم جنوری کو منایا جاتا ہے جس میں لوگ دلچسپی سے شریک ہوتے ہیں اور اقراء پبلک اسکول کی تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں سے باخبر ہوتے ہیں۔

پرائمری پانچ تک کی تعلیم مخلوط ہوتی ہے،اس کے بعد گرلس اسکول اور بوائے اسکول دونوں الگ الگ عمارتوں میں قائم ہیں۔

اس اسکول کی ایک مینجنگ باڈی ہے جس کے چودہ ارکان ہیں،اس کمیٹی کے پہلے صدر حاجی سلطان احمد صاحب مرحوم اور موجودہ صدر حاجی محمد افضال رنگائی والے،سکریٹری حاجی غفران صاحب مرحوم،مینجر حاجی رشید احمد علیگ ہیں،اسکول کے پرنسپل مولانا حشمت اللہ صاحب ہیں۔

۲۸/اگست ۲۰۱۳ء کواسکول کی نئی بلڈنگ کے سنگِ بنیاد کے سلسلہ میں اجلاس منعقد ہوا ،اس کی بنیاد مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب خیرآبادی کے دست مبارک سے رکھی گئی، کچھ ہی عرصہ میں اس کی عمارت بن کر تیار ہوگئی، یہ عمارت ماڈرن اسپورٹنگ کلب کے گراؤنڈ کے ٹھیک سامنے روڈ کے اتر جانب ہے،اس وقت بچوں کی تعلیم اسی عمارت میں ہورہی ہے، اور بچیوں کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم سے متصل شمال مغربی سمت میں قدیم بلڈنگ میں ہوتی ہے۔

(۴) ہیون گارڈن اسکول

۲۰۰۱ء میں حافظ رحمت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز ندوی نے ''الغزالی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی'' کے نام سے ایک ٹرسٹ قائم کیا جس کے اولین

اغراض و مقاصد میں ''پس ماندہ علاقوں میں تعلیم اور نوجوانوں کو باشعور بنانا اور ان کے حوصلوں کو پروان چڑھانا'' ہے۔

اسی ٹرسٹ کے زیر انتظام ۲۰۰۳ء میں ''ہیون گارڈن انگلش اسکول'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے لئے ایک وسیع قطعۂ اراضی خیرآباد کلینڈر سے جانبِ مغرب بالکل سڑک سے متصل حاصل کر کے اسکول کے لئے وسیع رقبہ میں تعمیری عمل شروع ہوا، جو اس وقت اپنے رقبہ اور وسعت کے اعتبار سے کئی بیگھے زمین پر پھیلا ہوا ہے۔

یہاں کئی ہزار طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں جو سائنس اور دیگر عصری علوم اور کامرس کے شعبوں میں اپنی انٹر تک کی تعلیم مکمل کر کے ہندوستان کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، بنارس ہندو یونیورسٹی، دلی یونیورسٹی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی وغیرہ سے اپنی گریجویشن تک کی تعلیم مکمل کر کے یا تو ماسٹر یا ریسرچ کے مرحلہ میں ہیں، یا ملازمت کر رہے ہیں۔

یہ انگلش اسکول CBSE تعلیمی بورڈ نئی دہلی سے ملحق ہے۔

طلبہ وطالبات کی بسہولت آمد ورفت کے لئے اس اسکول کی جانب سے خود ٹرانسپورٹ کا نظم ہے جس کے لئے کئی عدد بسیں اور گاڑیاں خود اسکول کی ملکیت ہیں۔

نظم ونسق اور موجودہ دور کی تعلیمی جدید سہولیات کے اعتبار سے یہ اسکول علاقہ کے بہترین انگلش اسکولوں میں شمار ہوتا ہے۔

تحریکِ آزادیٔ ہند میں حصہ

جب صلیب پرست نصاریٰ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں مختلف تدبیروں اور سیاسی سازشوں کے ذریعہ سرزمین ہندوستان پر اپنے قدم جمائے اور اس سرسبز وشاداب ملک کو اجاڑنا اور تباہ وبرباد کرنا شروع کیا تو اسلامیان ہند کی غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی جاگ گئی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں بھڑک اٹھی اور انہوں نے اسباب اور وسائل کی تمام تر کمی اور جنگی ومہماتی طاقت اور قوت میں بلا مبالغہ ایک اور دس کے واضح فرق کے باوجود اپنی اپنی ملکی اور مذہبی آزادی کے فریضہ کو ضروری سمجھا اور دیوانہ وار اس طاقت سے ٹکرا گئے جو نہ صرف ان کی مذہبی اور دینی آزادی کے لیے خطرناک تھی بلکہ ملکی سلمیت اور ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں کے لیے بھی حد درجہ تشویشناک تھی۔

ہندوستان کی مذہبی، سیاسی اور دور غلامی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ برصغیر کے مسلم وغیر مسلم عوام اور علما ومشائخ اسلام نے انگریزی اقتدار کا جُوا اپنے کاندھوں سے اتارنے کے لیے ۱۸۵۷ء سے بہت قبل اپنی سرفروشی اور جاں فروشی کا آغاز کر دیا تھا اور وہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر اور کفن سر سے باندھ کر میدان کارزار میں اتر چکے تھے۔

انگریزی سامراج سے ٹکر لینے اور انھیں دیش نکالا دینے کے لئے پورے برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت جذباتی طور پر متحد ہو چکی تھی اور یہ جذبہ ایک مکمل تحریک کی صورت چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قریات میں اپنا کام شروع کر چکا تھا، چنانچہ اسی سلسلہ میں ۵/جولائی ۱۹۱۹ء میں جب بمبئی میں خلافت کمیٹی اور دسمبر ۱۹۲۰ء میں گاندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے ''ترکِ موالات'' کی تحریک پورے ملک میں چھڑ گئی تو خیرآباد

اور اس کے اطراف کی مسلم بستیوں میں بھی اس کا کافی زور دیکھا گیا۔

بقول مجاہد آزادی حافظ محمد شعیب صاحب، خیرآباد میں مولوی نعمت اللہ صاحب اور حاجی عبدالرحمٰن کے خاندان کے لوگوں نے پہلے اس تحریک میں شرکت کی، مولوی نعمت اللہ صاحب، حکیم نور محمد صاحب، حمید اللہ دلال، منشی عبدالرحیم، محمد یعقوب منیب وغیرہ مقامی طور پر تحریک کے روح رواں تھے، جوش وخروش کا زمانہ تھا، بہت سی باتیں جذبات کے ماتحت بلا مرکزی کمیٹی، صوبہ کمیٹی، ضلع کمیٹی کے بھی انجام پاتی تھیں۔ سودیشی کی ترویج کے لیے اور بدیشی مال کے بائیکاٹ کے لیے باقاعدہ ولایتی ٹوپیاں سرراہ جلائی جاتی تھیں۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت اور مولانا ابوالکلام آزاد و مولانا انور شاہ کشمیری کے مشوروں سے ۱۹۲۹ء میں ''مجلس احرار اسلام'' قائم کی گئی جس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے صدر اول مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرماتے ہیں کہ:

> میں چاہتا ہوں کہ مسلمان نوجوان ہندوستان کی آزادی کا ہراول دستہ ثابت ہوں اور آزادی کے حصول کا فخر ہمارے حصے میں آئے۔ استبداد کی چکی کا دستہ گورے کے ہاتھ میں ہو یا کالے کے ہاتھ میں، چکی وہی رہتی ہے اور میں اس چکی کو توڑ دینا چاہتا ہوں۔ غلامی بہت بڑا گناہ ہے، اگر اس گناہ سے نکلنا ہے تو اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ ہم انگریزوں کے خلاف پرامن لڑائی میں شامل ہو جائیں۔ (سچی کہانی)

۱۹۳۷ء میں مبارکپور میں مجلس احرار اسلام کے پہلے صدر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لائے، اس موقع سے خیرآباد کے جیالوں کا جذبہ حب الوطنی اور انگریزوں کی غلامی سے گلوخلاصی کا جذبۂ حریت مورخ خیرآباد جناب حافظ محمد شعیب شاکر کی خودنوشت سوانح سچی کہانی سے ملاحظہ فرمائیے:

> اب خیرآباد میں سیاسی دلچسپی کا اظہار کیا جانے لگا، مرکزی مجلس احرار اسلام کے مرد مجاہد حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ شاہ بخاری مبارکپور تشریف لائے، اور سرپرست لائبریری کے اہتمام میں دلہن پورہ میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا، شاکر خیرآباد سے اسماعیل استاذ کی معیت میں باوردی رضاکاروں کا جلوس لے کر مبارکپور پہنچا، اور نعرے لگاتا ہوا جلسہ گاہ

میں پہلی مرتبہ نعرہ تکبیر کے لپیٹ میں اسلام زندہ باد، انقلاب زندہ باد، شہنشاہیت مردآباد کی آواز بلند کر کے کارکنوں کو متحیر اور عوام کے جوش میں اضافے کا باعث بنا۔

اسی زمانہ (۱۹۳۷ء) میں علما و قائدین ملت کے دو گروہ مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے برسر کار تھے، صوبائی الیکشن کے بعد نئی وزارت بن کر اسمبلی میں نئی جماعت بندی ہو رہی تھی، کچھ مسلم علماء و رہبرانِ قوم کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل سے جدو جہدِ آزادی کے لئے متحرک و فعال تھے اور کچھ لوگ آسائش پسند اور آسانی پسند واقع ہوئے تھے؛ اس لیے قربانی و ایثار پیش کر کے مصائب و آلام خریدنے سے بہتر زبانی جمع خرچ کے ذریعہ زیادہ نام و نمود حاصل کرنے اور حکومت کے عتاب کے بجائے نوازشیں اور سرمایہ دارانہ منصوبے کی تکمیل کے خواہاں تھے۔

خیر آباد کی عوام میں اس وقت سیاسی شعور بیدار ہو رہا تھا اور وہ اس دوسرے گروہ کی ناعاقبت اندیشی کو محسوس کر رہے تھے، جس کا برملا اظہار مختلف مواقع پر ان کی جانب سے ہوتا رہتا تھا، چنانچہ اسی سلسلہ میں ۱۴/مئی ۱۹۳۷ء کو ایک عام جلسہ، حافظ محمد یوسف صاحب کی صدارت میں خیر آباد میں منعقد ہوا جس میں حافظ محمد شعیب شاکر خیر آبادی نے اپنی بڑی انقلاب انگیز نظم پڑھ کر سنائی، مولوی ہدایت اللہ خیر آبادی اور مولوی عبد الحق نے مسلمانوں کو تحریک آزادی میں شریک ہونے کی ترغیب دی۔

ایک دوسرا عظیم الشان جلسہ ۲۵/ستمبر ۱۹۳۷ء کو مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوری کی صدارت میں منعقد ہوا، مقررین نے تحریک آزادی اور کانگریس و مسلم لیگ کا نصب العین پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے تقسیم فلسطین کی مذمت میں ایک تجویز پیش کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین اور آزادی ہند پر ایک جامع تبصرہ فرمایا۔ تجویز شیخ سلیم اللہ انصاری کی تائید کے ساتھ منظور ہوئی، اس کے بعد حافظ محمد شعیب شاکر انصاری نے کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت اور جمعیۃ علماء ہند کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے حسب ذیل تجویز پیش کی، جو حافظ محمد انصاری کی تائید کے بعد بالاتفاق منظور ہوئی:

باشندگانِ خیرآباد اور قرب وجوار کا یہ عام جلسہ اپنے نمائندے میاں ظہیرالدین صاحب فاروقی سے پرزور درخواست کرتا ہے کہ وہ مسلم لیگ پارٹی میں رہنے کے بجائے کانگریس پارٹی میں شامل ہوجائیں؛ اس لیے کہ ہم سے ووٹ اس وعدے پر لیا گیا تھا کہ اسمبلی میں پہنچ کر وہ آزادی کا مطالبہ (خواہ جماعت سے اشتراک عمل کے ساتھ ہو) کریں گے، اب جب کہ مسلم لیگ نے اپنی وہی پرانی (رجعت پسندانہ) روش اختیار کرلی ہے۔ یہ جلسہ اس سے اظہار بے زاری کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ جناب فاروقی صاحب ہماری آواز کو صدا بصحرا ثابت نہ ہونے دیں گے اور کانگریس میں شریک ہوکر اس حلقے کی صحیح نمائندگی فرمائیں گے۔

اس جلسے کی پوری کاروائی بھی شیخ محمد زکریا کی معرفت اخبارات میں بھیجی گئیں اور شائع ہوئیں۔ (مومن گزٹ ۸/اکتوبر ۱۹۳۷ء-ماخوذ ''سچی کہانی'')

اسی سلسلہ کا ایک اجلاس خیرآباد کی تاریخ میں بڑی تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جس کی مکمل تفصیل سچی کہانی میں موجود ہے، اس اجلاس عام میں پیش کی جانے والی تجاویز یہاں نقل کی جارہی ہیں:

مومن برادری کا جلسہ عام خیرآباد اعظم گڑھ

۱۶/ستمبر ۱۹۳۸ء بعد نماز عشا باشندگانِ خیرآباد کا عموماً اور مومن برادری کا جلسہ زیر صدارت: جناب شاکر انصاری منعقد ہوا، جس میں حسب ذیل تجاویز پیش ہوکر منظور کی گئیں:

(۱) آج کا یہ جلسہ مسلم لیگ کے اس بزدلانہ فعل اور نفرت انگیز رویے کو نہایت ہی بری نظر سے دیکھتا ہے، جو اس نے غریب مسلم قوم اور مومن برادری کے ساتھ روا رکھا ہے اور مسلم لیگ کو بتلا دینا چاہتا ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے اس ناپاک اور ناجائز عمل سے تائب ہوکر معافی کی خواستگار ہو اور اب ہماری قومی غیرت کو ٹھیس نہ لگائے۔

(۲) یہ جلسہ حکومتِ ہند کے فوجی بل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور برادران وطن سے پرزور اپیل کرتا ہے کہ مادر ہند کا کوئی فرزند بھی فوج میں بھرتی ہوکر برطانیہ کی چیرہ دستیوں کو مزید تقویت نہ پہنچائے۔ نیز یہ جلسہ یقین دلاتا ہے کہ فوجی بل کی

مخالفت میں اپنی آخری کوشش صرف کرائے گا۔

اور اخیر میں حامیانِ لیگ کو مفید مشورہ دیتا ہے کہ فوجی بل کے متعلق اپنے ناجائز رویے سے احتراز کر کے اپنی وطنی محبت کا ثبوت دیں۔

(محمد انصاری سکریٹری پبلک لائبریری خیرآباد)

اسی طرح حافظ محمد شعیب شاکر ملکی وملی تحریکات میں بڑے پیش پیش رہا کرتے تھے، اور تحریک آزادی ہند کے سلسلہ میں ان کی کوششیں اور جدو جہد تاریخ خیرآباد کا ایک حصہ ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے قید و بند اور جیل کی صعوبتیں بھی برداشت کی ہیں۔

حاجی محمد بشیر لیڈر اور ان کے بھائی محمد صدیق کانگریس کے پلیٹ فارم سے تحریک آزادی کو زندہ کئے ہوئے تھے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی سامراج سے ٹکر لینے اور انھیں ملک بدر کرنے کی تحریک میں فریضہ حب الوطنی سمجھتے ہوئے سرزمین خیرآباد کے لوگوں کا دلی اور جذباتی تعلق رہا ہے۔

کھیل کا ذوق

فٹ بال

ہندوستان میں فٹبال کی تاریخ انگریزی دورِ اقتدار سے شروع ہوتی ہے، برطانوی دورِ اقتدار میں ہی یہاں فٹبال کے کلب قائم ہو گئے تھے، ہندوستان میں فٹبال کا پہلا میچ ۱۸۵۴ء میں کلکتہ کلب آف سیویلینس اور جنٹلمین آف بارکپور کے درمیان کھیلا گیا۔ ۱۸۷۲ء میں کلکتہ ایف سی کے نام سے ہندوستان کا پہلا فٹبال کلب قائم ہوا، اور آنے والے برسوں میں دیگر کلب جیسے ڈلہوزی کلب۔ ٹریڈرس کلب اور نول والینٹرس کلب قائم ہوئے۔

ہندوستان میں فٹبال کا مرکز ہمیشہ سے کلکتہ رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے نامور فٹبال کلب جیسے موہن بگان، ایسٹ بنگال اور محمڈن اسپورٹنگ کا تعلق کلکتہ سے ہی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں نیشنل کلب آف انڈیا قائم ہوا۔ ۱۸۹۳ء میں IFA انڈین فٹبال ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۹۳ء میں ہندوستان کا قدیم ترین اور دنیا کا تیسرا قدیم ترین فٹبال ٹورنمنٹ ڈورانڈ کپ شروع ہوا، یہ کپ اس وقت کے خارجہ سکریٹری برائے ہند سر مار ٹیمر ڈورانڈ کے نام سے شروع کیا گیا، مسٹر ڈورانڈ نے ہی اس ٹورنمنٹ کا افتتاح بھی کیا۔

خیرآباد کے لوگوں کی اکثریت مزدور پیشہ رہی ہے، دن بھر کام کاج میں مصروف رہا کرتے اور شام کو عصر کے بعد تفریح کے طور پر فٹ بال کھیلنے کا شوق یہاں کے لوگوں میں بہت پرانا ہے۔

ینگ انصار اسپورٹنگ کلب

خیرآباد کی انصاری برادری میں خود اعتمادی اور فکر وفن کے اعتبار سے کمال تک

پہونچانے کی کوشش اور جدوجہد میں ایک بڑی اہم شخصیت حافظ محمد شعیب شاکر انصاری خیرآبادی کی ہے، جن کا مستقل تذکرہ اسی کتاب کے دوسرے حصہ بنام ''تذکرہ علماء ودانشورانِ خیرآباد'' میں مولانا ضیاالحق خیرآبادی (حاجی بابو) کے قلم سے آرہا ہے۔

حافظ شعیب صاحب خیرآباد کے نوجوانوں کو فٹ بال کھیلتے ہوئے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے، لیکن چونکہ یہ فٹ بال کھیل تنظیمی حدود سے ہٹ کر محض ایک تفریح کے طور پر غیر منظّم انداز میں کھیلا جاتا تھا، حافظ صاحب کی اصول پسند زندگی کو یہ کب گوارا تھا کہ خیرآباد کے لوگ غیر منظّم رہیں، ان کی کوئی تنظیم نہ ہو، چنانچہ ۱۹۴۰ء میں ایک روز فٹ بال کھیلنے والے چند نوجوانوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا کہ تمہاری فٹ بال ٹیم کا کوئی نام بھی ہے، اس کی کوئی کمیٹی اور اس کا کوئی ضابطہ بھی ہے، نوجوانوں نے انکار کیا تو کہا کہ تم لوگ مستقل طور سے تیار ہوکر میرے پاس آؤ، اس سلسلہ میں ایک میٹنگ کی جائے گی، ایک کمیٹی بنائی جائے گی، اور اس فٹ بال ٹیم کا مستقل ایک نام رکھا جائے گا۔

چند روز کے بعد حافظ صاحب کے مکان پر اس سلسلہ میں گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کی ایک میٹنگ ہوئی، جس میں باقاعدہ کمیٹی بنائی گئی اور اس ٹیم کا نام ینگ انصار اسپورٹنگ کلب رکھا گیا۔

اس پہلی میٹنگ میں کون لوگ شریک ہوئے اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں مل سکا۔

۱۹۴۰ء سے تنظیمی طور سے ینگ انصار کلب کا ایک ڈھانچہ تیار ہوگیا اور اس کی سرگرمیاں جو بالکل گاؤں کی سطح تک محدود تھیں اس کا دائرہ وسیع ہونے لگا، آس پاس کے گاؤں میں بھی اس کلب کا شہرہ ہونے لگا اور اس طرح ''ینگ انصار کلب'' ایک مشہور اور مضبوط فٹ بال ٹیم کے طور پر متعارف ہوتی چلی گئی۔

ینگ انصار کلب کے موجودہ صدر محترم جناب حاجی اعجاز احمد انصاری ولد حاجی محمد ادریس کمپنیؒ کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اس کا ریکارڈ ۱۹۵۰ء سے باقاعدہ ملتا ہے جب اس کے پہلے سکریٹری حاجی محمد یاسین صاحب مرحوم والدگرامی حافظ نیاز احمد صاحب

بنائے گئے ترتیب کچھ اس طرح ہے:

۱۔ حاجی محمد یاسین صاحب مرحوم
۲۔ حاجی محمد فاروق چودھری مرحوم
۳۔ حاجی فخر الزماں گرافر
۴۔ سلطان احمد غلہ والے
۵۔ حاجی سلطان احمد مرحوم برادر حاجی انوار الحق
۶۔ عبدالستار ایم ایل اے
۷۔ حاجی اعجاز احمد انصاری کمپنی 1978-1982
۸۔ حاجی غفران احمد مرحوم
۹۔ حاجی اعجاز احمد انصاری کمپنی 1996-2005
۱۰۔ انیس احمد ولد حاجی فخر الزماں
۱۱۔ حاجی ممتاز احمد ولد حاجی صغیر احمد (موجودہ)

اسی طرح دستیاب ریکارڈ کے مطابق اس کے صدر مندرجہ ذیل حضرات رہے:

۱۔ حاجی قمر الزماں مرحوم
۲۔ حاجی عتیق الرحمٰن
۳۔ حاجی ریاض احمد بھٹہ والے
۴۔ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، اتراری (موجودہ سرپرست کلب)
۵۔ حاجی اعجاز احمد انصاری کمپنی (موجودہ صدر)

اس کلب کے کیپٹن حضرات دستیاب ریکارڈ کے مطابق:

۱۔ حاجی سلطان احمد ہوٹل والے
۲۔ عبدالجلیل کیپٹن
۳۔ حاجی اعجاز احمد انصاری کمپنی ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۸ء

۴۔ عرفان احمد ولد لقمان احمد

۵۔ جاوید احمد ولد ممتاز احمد

اس کے بعد ہر میچ میں صلاحیت کے اعتبار سے کیپٹن چنا جانے لگا۔

خیرآباد میں کھیل کا شوق رکھنے والے نوجوانوں کی پوری ایک جماعت اس سے وابستہ ہوتی چلی گئی، اس کلب نے گردونواح ہی نہیں بلکہ آل انڈیا پیمانہ پر اپنے ہنر کی وجہ سے بڑا نام پایا اور خیرآباد کا نام روشن کیا۔

ینگ انصار کلب کے تربیت یافتہ جناب افروز احمد ولد ریاض احمد بھٹہ والے اور جناب محمد ابوذر ولد ماسٹر اعجاز احمد نے آل انڈیا پیمانہ پر بڑا نام کمایا۔ ۵/نومبر ۲۰۰۹ء میں جناب افروز احمد خیرآبادی نے سنتوش ٹرافی کے ۵۷ویں فٹبال میچ میں یوپی حکومت کی طرف سے کھیلتے ہوئے سنتوش ٹرافی کی تاریخ میں پہلی بار ہیٹرک بنائی اور یہ ریکارڈ اب تک باقی ہے، اس طرح ینگ انصار کلب کے تربیت یافتہ افروز احمد خیرآبادی ہندوستان کے مشہور فٹ بالر شمار ہوئے، ان کے اس کارنامے کو نو بھارت ٹائمس ممبئی اور ٹائمس آف انڈیا نے اپنے اخباروں میں کوریج دی۔

ینگ انصار اسپورٹنگ کلب کے گراونڈ میں سب سے پہلا آل انڈیا فٹبال ٹورنامنٹ انصاری لائبریری کی جانب سے ۱۹۷۵ء میں ہوا۔

دوسرا آل انڈیا فٹبال ٹورنامنٹ ''ایچ ایم شعیب میموریل کپ'' ۱۹۹۵ء میں ہوا۔

تیسرا آل انڈیا ٹورنامنٹ ''حافظ رحمت اللہ امام صاحب میموریل کپ'' کے نام سے ۲۰۱۳ء میں ہوا۔

ینگ انصار کلب کو فنی اعتبار سے جو عروج اور بلندی ملی اس میں بہت بڑا ہاتھ کلکتہ کی مشہور زمانہ ٹیم موہن بگان کے ریٹائرڈ فٹ بالر جناب ایم بی نرسیا کا ہے، ان کے ڈائرکشن پر جناب اعجاز احمد انصاری، سہیل پردھان، مقبول احمد مرحوم، ریاض احمد بھٹہ والے وغیرہ کھیلا کرتے تھے اور ٹیم کو ان حضرات نے بڑی ترقی دی۔

ایم بی نرسیا کے ڈائرکشن ہی پر آج تک اس کے موجودہ صدر جناب اعجاز انصاری صاحب ٹیم کی کوچنگ کا کام انجام دے رہے ہیں۔

ینگ انصار کا کھیل کا میدان

ینگ انصار کلب کے موجودہ صدر جناب حاجی اعجاز احمد انصاری کے بیان کے مطابق:

یہ گراونڈ زمین برآمد پور میں واقع ہے، سرکاری کاغذات میں اوسر اور بنجر درج ہے، گرام پر بندھک سمیتی سے ۱۹۷۶ء میں ینگ انصار کلب نے اپنے نام آرڈر کرالیا، لیکن حق ملکیت نہیں مل سکا۔ ۱۹۸۰ء میں جل نگم نے اس میں کچھ تعمیر کرانی چاہی تو اس وقت کلب کے سکریٹری جناب حاجی اعجاز انصاری نے اس کے خلاف اعظم گڑھ دیوانی سے اسٹے لے لیا اور تعمیر رک گئی، مقدمہ چلتا رہا۔ ۱۹۹۲ء میں ینگ انصار کے حق میں فیصلہ ہوگیا، پھر جل نگم اور ضلع پریشد نے دسٹرکٹ عدالت میں اپیل کردی۔ ۱۹۹۶ء میں ضلع جج نے پھر ینگ انصار کے حق میں فیصلہ کردیا، اس کے بعد ضلع پریشد نے الہ آباد ہائی کورٹ میں اپیل کردی اور وہ بھی وہاں سے خارج ہوگئی، اس وقت یہ وسیع گراونڈ ینگ انصار اسپورٹنگ کلب کے زیر استعمال ہے۔

ماڈرن اسپورٹنگ کلب

۱۹۶۰ء سے پہلے خیر آباد کے کچھ لوگوں نے ''ضرار کلب'' کے نام سے فٹ بال ٹیم بنائی اور کھیلنا شروع کیا، لیکن یہ کوئی منظّم کلب اور ٹیم نہیں تھی، ۱۹۶۰ء میں باہمی مشورہ سے اس ٹیم کو منظّم کیئے جانے کی شکلوں پر غور ہونے لگا اور پھر باقاعدہ ''ماڈرن اسپورٹنگ کلب'' کے نام سے ایک کلب بنائی گئی اور اس کے لئے باقاعدہ زمین کی خریداری سید جعفر بابا کے مزار کے قریب خیر آباد، ابراہیم پور شاہراہ پر خریدی گئی، جس کے مینیجر حافظ ابوبکر صاحب محلّہ پچھّم ہیں۔

اس کلب نے بھی فٹ بال کی دنیا میں نیک نامی حاصل کی، فٹ بال ٹورنامنٹ کے علاوہ اس کلب کی جانب سے مختلف تفریحی اور ادبی پروگرام بھی منعقد ہوتے رہے، متعدد مشاعرے اور کشتی کے دنگل وغیرہ بھی اس کلب کی جانب سے کرائے گئے۔

اس وقت اس کلب کی اپنی ذاتی زمین (تقریباً دو بیگھہ) ہے جس کے سرکاری

کاغذات اس کے مینیجر جناب حافظ ابوبکر صاحب کے پاس موجود ہیں۔

مسلم آزاد کلب اتراری

''فٹ بال'' خیرآباد کے لوگوں کے لوگوں کا کافی مقبول کھیل بن چکا تھا اور مختلف محلوں میں اس کی ٹیمیں بنائی جانے لگی تھیں، اسی دوران محلہ اتراری کے فٹ بال کے رسیا لوگوں نے بھی ''مسلم آزاد کلب اتراری'' کے نام سے ۱۹۶۲ء میں ایک اسپورٹنگ کلب قائم کیا، اس کے بانیوں میں شمیم احمد بن حاجی محمد سلیمان، شمس الحق مرحوم، عبدالرشید عادلؔ، شبیر احمد قمرؔ، محمد یونس، محمد اسماعیل پیش پیش تھے۔

روزانہ عصر کے بعد ''روضہ'' کے نام سے مشہور قبرستان (جہاں اس وقت مومن انصار گرلس انٹر کالج کی عمارت ہے) کے میدان میں اس کلب کے تحت فٹ بال کھیلا جاتا تھا اور تماشائیوں کی کافی تعداد لطف اندوز ہوتی تھی، یہ کلب ۱۹۷۶ء تک سرگرم رہا، پھر بند ہوگیا۔ اتراری میں مسجد عمر فاروق کے پاس جو کنواں ہے اس پر مسلم آزاد کلب لکھا ہوا، ہوسکتا ہے کہ اس کی تعمیر وغیرہ میں اس کلب کا کچھ حصہ ہو۔

اکھاڑہ اور کشتی

خیرآباد کی تاریخ میں اکھاڑہ اور کشتی کی بھی ایک تاریخ ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں خیرآباد میں کئی استاذ (جن کو مقامی زبان میں خلیفہ کہا جاتا تھا) مشہور ہوئے۔

خیرآباد میں کشتی لڑنے اور سکھانے کا ایک سنہرا دور گزرا ہے جب کہ پاور لوم کی کھٹ پٹ اور کاروبار کی چہل پہل کی جگہ پرسکون زندگی تھی تو نوجوانوں کو فرصت خوب رہتی تھی، نئے نئے کھیل بھی ایجاد نہیں ہوئے تھے تو ورزش کا مزاج تھا، کشتی کے کئی اکھاڑے اور استاذ تھے جن میں ایک اکھاڑہ میرے گھر کے بغل دالان والے امام باڑے میں تھا جس کے استاذ میرے پڑوسی اختر پردھان صاحب تھے، ان کے لڑکے افضال احمد بہترین کشتی لڑتے تھے۔ ایک اکھاڑہ جھنک قریشی پہلوان کا تھا، ایک اکھاڑہ عبداللہ پہلوان کا تھا، عبداللہ

پہلوان دور، دور تک اپنی ہنرمندی اور استاذی میں مشہور تھے، کشتی لڑنے میں کبھی پیٹھ زمین پر نہیں لگی تھی، بہت ملنسار متواضع تھے۔ ایسے ہی کئی پہلوان علاقہ میں بہت مشہور تھے، امین پہلوان، بجلی پہلوان، ظہیر الحسن پہلوان، سراج الدین پہلوان، افضال پہلوان، اتراری میں نثار پہلوان، مختار پہلوان، باقی بہت سے چھوٹے موٹے پہلوان تھے۔ ہر سال کشتی کا مقابلہ بہت شان سے منعقد کیا جاتا تھا، بہت سے پرانے عمر دراز ہو چکے پہلوانوں میں جن کے قصے سنے ہیں، ان میں قاسم پہلوان، مولانا ضیاء الدین صاحب ندوی کے نانا عبداللہ پہلوان، حسین خلیفہ، رحمت اللہ خلیفہ، اٹھوریا ٹولہ، بشیر پہلوان پچھّم محلّہ۔ گاوں میں جب کشتی کا دنگل ہوتا تھا دور، دور سے پہلوان بلائے جاتے تھے، جن میں خاص کر بنارس سے کئی مشہور اکھاڑے شریک ہوتے تھے، ان ایام میں کافی چہل پہل ہوتی تھی۔ ہمارے پرائمری پڑھنے کے زمانے میں آخری بڑا دنگل ہوا جس میں بھونو اور ان کے بھائی اسلم پہلوان شریک ہوئے تھے۔ یہ دنگل باغ میں مولانا زاہد صاحب کے احاطہ کے بغل میں ہوا تھا۔

بنوٹ اور لاٹھی چلانا

بنوٹ ایک کھیل ہے جو ایک صدی پہلے تک برصغیر میں کھیلا جاتا تھا اور اس کھیل نے فن کا درجہ پایا۔ بنوٹ باز ایک ہتھیار استعمال کرتے تھے، یہ ہتھیار محض سادہ سا رومال ہوتا تھا، جس کے کونے میں تانبے کا ایک سکہ باندھ دیا جاتا اور فریق مخالف دشمن کی ہڈی یا جوڑ پر اس زور کی ضرب لگاتا کہ اس کا ہتھیار ہاتھ سے چھٹ کر دور جا گرتا اور وہ درد سے دہرا ہو جاتا، کسی نازک جوڑ پر لگنے والی شدید ضرب اسے موت کی آغوش میں بھی پہنچا دیتی، اس فن کی باقاعدہ مشق اسے کمال درجہ عطا کر دیتی تھی۔

۱۸۸۱ء کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک پہلوان قیدی پر قتل کا مقدمہ چل رہا تھا کہ اچانک اس نے پولیس کی گرفت سے آزاد ہو کر محافظ کی تلوار چھینی اور ہتھکڑیاں توڑ ڈالیں، احاطے میں تلوار لہراتا ہوا لوگوں کو للکارنے لگا، حکام نے گولی مارنے کا فیصلہ کر لیا، اچانک ایک پستہ قد دبلے پتلے میر صاحب مجمع سے نکل کر آئے اور قیدی کو پکڑنے کی ذمہ داری لے لی، قیدی اس

چڑیا سی جان کو دیکھ کر ہنس پڑا، اچانک میر صاحب نے ہاتھ میں رومال لیا اور تانبے کا سکہ کونے پر باندھ کر قیدی کو للکارا اس نے تلوار کا وار کیا جو میر صاحب بچا گئے، اگلے لمحے اسی رومال سے قیدی کی کلائی پر زور کی ضرب لگائی تلوار چھٹ کر دور جا گری اور قیدی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

دہلی کے ڈپٹی کمشنر نے یہ واقعہ سن کر میر صاحب کو بلایا اور چیلنج کر دیا کہ میرے ہاتھ سے پستول گراؤ، اگر ناکام رہے تو گولی ماردی جائے گی، چند ہی لمحات میں میر صاحب نے بنوٹ کی ضرب سے ڈپٹی کمشنر کی پستول گرادی اور وہ درد سے بلبلا اٹھے۔ اس دور کے دوسرے کھیلوں میں ایک بینٹی بھی ہوتا تھا، ''گتکا لٹھ بازی''، کشتی، کبڈی بھی اس دور کے مقبول کھیل تھے۔

اس طرح کے کھیلوں کی تاریخ اپنے خیرآباد میں بھی ملتی ہے، کوئی تاریخی حوالہ تو موجود نہیں ہے البتہ اس طرح کے اکھاڑے سنہ ساٹھ عیسوی کی دہائی میں اور اس سے قبل کافی سرگرم تھے، میں نے وہ دور دیکھا نہیں لیکن بچپن میں چرچا خوب سنا ہے۔ اس طرح کے کھیلوں کا شوق اور اس کے لئے ماحول سن ستر کی دہائی کے بعد نوجوانوں کی بے اعتنائی کا شکار ہو کر اپنی پرانی روایت بدلنے لگے۔ سیکھنے سکھانے کا بھی ماحول نہیں رہ گیا، ہاں لاٹھی چلانے کا فن خوب رائج تھا، خیرآباد کے کئی محلوں میں بطور خاص اتراری میں لڑکے، بالے، برسوں اس سے جڑے رہے۔ امانت اللہ پردھان مرحوم کے صحن میں لاٹھی، بنوٹ کا اکھاڑہ قائم تھا، سکھانے والے خلیفہ کئی تھے، جن میں پورے علاقہ میں مشہور عبدالرووف خلیفہ محلّہ دکھن اس فن میں استاد مانے جاتے تھے۔ محلّہ پچھّم اور اٹھوریا ٹولہ میں بھی کئی مشہور خلیفہ تھے، رحمت اللہ خلیفہ انہیں میں سے تھے، اتراری میں جو بنوٹ کا اکھاڑہ تھا اس کے سرپرست اور نگراں عبدالرؤف خلیفہ، امانت اللہ پردھان، محمد پردھاں، مولانا ڈاکٹر زین الحق مفتاحی کے بڑے بھائی جناب عبدالکریم مرحوم اور عبدالمجید مرحوم تھے، کئی لڑکوں نے لاٹھی چلانے کے فن میں خوب مہارت حاصل کر لی تھی جو محرم کے پروگرام میں اپنے فن کا مظاہرہ شان سے کرتے تھے، مگر یہ فن بھی پروان چڑھنے سے پہلے ہی نئی نسل کی بے نیازی کا شکار ہو کر صرف داستان بن کر رہ گیا۔

کرکٹ

سن اسّی کی دہائی میں اِن دیسی وورزشی کھیلوں کی جگہ کرکٹ نے لے لی، ۱۹۸۳ء میں جب انڈیا نے لارڈس میں ویسٹ انڈیز کو ہرا کر ورلڈکپ جیت لیا تو اس کھیل سے دلچسپی جنون کی حد تک پہنچ گئی۔ خیرآباد میں خاص طور سے نئی نسل اور نوجوانوں نے اس میں بڑا شوق دکھایا، محلّہ اتراری اور محلّہ دکھن میں باقاعدہ اس کے لئے ٹیم بھی بنائی گئی اور مختلف مناسبتوں سے اس کے ٹورنامنٹ بھی ہونے لگے۔ محلّہ اتراری کی ٹیم اور اس کے کچھ کھلاڑیوں نے کرکٹ کے کھیل میں بڑا نام کمایا اور خیرآباد سے باہر مختلف ٹیموں میں شامل ہوکر کرکٹ کا بہتر مظاہرہ کرنے کے لئے انھیں بلایا جانے لگا، لیکن کاروبار اور خیرآباد کے آبائی پیشہ پارچہ بافی کی مصروفیات کی وجہ سے اس کھیل کو فروغ حاصل نہ ہوسکا، لیکن اب بھی مختلف محلوں میں چھوٹی بڑی ٹیمیں اس کھیل کی موجود ہیں۔ لیکن اب وہ پہلی والی دلچسپی اور لگاؤ باقی نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

دینی وملی اور سماجی ورفاہی خدمات میں سرگرم کچھ نوجوان

اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں کچھ ایسے باتوفیق نوجوانوں کو خیر کے کاموں کے لئے منتخب فرماتا ہے جن کی زندگی کا مشن خلق خدا کی نفع رسانی اور اہل حاجات کی ضروریات کو پورا کرنا، اور رفاہی وملی خدمات کے ذریعہ قوم کی فلاح و بہبود ہوتا ہے، جس کی وجہ سے پوری قوم میں وہ ایک امتیازی حیثیت کے حامل بن جاتے ہیں۔

سرزمین خیرآباد میں بھی چند ایسے جیالے ہیں جن کی زندگی خدمتِ خلق کے عنوان سے بڑی ہی مثالی ہے، مذہب ومسلک اور ذات برادری کے پیمانہ سے الگ ہوکر ایثار وسخاوت، اخلاص وقربانی اور ہمدردی وغم گساری جن کا شیوہ ہے، قوم کے لئے کچھ کر گزرنے کا ایسا حوصلہ ان میں ہے جو مثالی ہے، خیال ہوا کہ تاریخ خیرآباد کے اِن اوراق میں ایسے کچھ نوجوانوں کا ذکر ضرور آنا چاہئے تاکہ وہ ان مستعد نوجوانوں کے لئے حوصلہ مندی کا کام بھی کرے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے ان کی خدمات ایک نمونہ اور مشعلِ راہ بنے۔

۱۔حاجی محمد یوسف بن حاجی محمد افضل محلّہ دکھن: چالیس سال کے آس پاس اس وقت ان کی عمر ہے،سخاوت ،غرباء ومساکین کے کام آنا ،مدارس ومساجد کا بے انتہا تعاون کرنا،میل محبت اور بھائی چارہ کی فضا بنائے رکھنا ان کا امتیاز ہے، بزرگان دین اور حضرات علماء وصلحاء کی خدمت کرنا،ان کا اعزاز واکرام یہ سب خوبیاں ان میں بدرجۂ اتم موجود ہیں،اللہ تعالیٰ ان کے خیر کے کاموں کی وجہ سے انھیں اپنی خوشنودی عطا فرمائے۔

۲۔حاجی شاہد رضا بن حاجی سلطان احمد خزانچی مرحوم:انتہائی دیانت اور ایمانداری کے ساتھ ۴۳؍سال تک مدرسہ منبع العلوم کے خزانچی رہنے والے حاجی سلطان احمد صاحب کے صاحبزادے ہیں،عصری تعلیم (بی کام) سے آراستہ ہیں۔انتہائی مخلص ، غریب پرور اور ملی ورفاہی کاموں میں جان ومال اور وقت کی قربانی دینے والے خیرآباد کے ابھرتے نوجوانوں میں سے ہیں،اہل دین وعلماء کے قدرداں ہیں۔

۳۔ابوہریرہ انصاری بن حاجی فضل حق (دادا): میرے خاندانی چچا زاد بھائی اور میرے ہم عمر ہیں۔لوگوں کے کام آنا، ہر ایک کی دادرسی کرنا ان کا مزاج اور طبیعت ہے،انتہائی سہل الحصول ہیں۔پورے علاقہ میں نہایت محبوب ہیں اور ''ابّو بھائی'' کے نام سے پکارے جاتے ہیں،لاک ڈاؤن کے زمانہ میں بلاتفریق مذہب وملت پورے دیار میں انتھک محنت کی اور لوگوں کی راحت رسانی میں مشغول رہے۔اس وقت گرام پنچایت خیرآباد کے پردھان ہیں، ماضی میں ان کے دادا حاجی عبدالحق مقادم بھی کافی عرصہ تک خیرآباد کے پردھان رہ چکے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

۴۔ندیم احمد انصاری بن عزیزالرحمٰن بن محمد امین پردھان:ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہیں،خاندانی طور پر معروف ہیں۔ان کے دادا حاجی محمد امین پردھان دوبار گرام پنچایت کے پردھان رہے۔ندیم احمد کو سماجی اور رفاہی کاموں سے خاص دلچسپی ہے۔غریبوں، مسکینوں

کے کام آنا،ان کا ہرممکن سطح پرتعاون کرنا۔مریضوں کے علاج معالجہ میں مدد کرنا،کھیل کودکا پروگرام ہویامساجدومدارس کے انعامی نعتیہ مشاعرے،ہرموقع پردست تعاون درازرہتا ہے۔

۵۔حاجی پرویزاحمد بن حاجی اقبال احمد مرحوم: یہ حاجی اقبال احمد صاحب محلّہ پچھّم کے چھوٹے صاحبزادے اور مدرسہ اہل سنت ضیاءالعلوم خیرآباد کے موجود ناظم اعلیٰ حاجی اخلاق احمد کے چھوٹے بھائی ہیں،اپنے والدحاجی اقبال احمد کی طرح فیاض طبیعت،اورملنساروخوش اخلاق نوجوان ہیں۔ضرورت مندوں کی ہرسطح پرمددکرنے،دینی ورفاہی کاموں میں بلاتفریق مسلک ومذہب مالی تعاون کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

۶۔احتشام احمد بن محمد اکمل بن محمد یونس مہاجن محلّہ دکھن: احتشام احمد بھی ان ابھرتے نوجوانوں میں سے ہیں جواپنی خصوصیات اورخوبیوں میں قابل تعریف ہیں۔ملی وسماجی سرگرمیوں میں الحاج شاہدرضا،حاجی ممتازاحمد،حاجی پرویزاحمد،ابوہریرہ پردھان کے خصوصی معاون بنے رہتے ہیں۔اورملی وسماجی اوررفاہی امورمیں سرگرم رہتے ہیں۔

ایسے ہی نوجوانوں سے گاؤں،قصبات عزت وشہرت حاصل کرتے ہیں۔مذکورہ یہ تمام نوجوان اپنی عمرکے چالیس پینتالیس سال کے درمیان ہیں اوران شاءاللہ مستقبل میں خیرآبادکی ترقی وتعمیراورشہرت وعزت میں اپنے مثبت کردارکی بدولت چارچاندلگائیں گے۔

''تاریخ خیرآبادوتذکرہ علماءودانشوران'' کی تیاری اورطباعت واشاعت میں ان کوخاص دلچسپی بھی تھی اور ہرممکن تعاون کی پیش کش بھی۔ان کے علاوہ بھی ہرمحلّہ میں انہیں صفات وکردارکے حامل ہمارے خیرآبادکے لئے بےلوث خدمات انجام دینے والے بہت سے نوجوان،خیرآبادکے روشن مستقبل کی علامت ہیں،جن پرپوری قوم فخرکرسکے گی۔ہم نے سرسری طورپرچندابھرتے کرداروں کاتذکرہ کرنے پراکتفاکیاہے۔

☆☆☆☆☆

تاریخ خیرآباد کا

دوسرا حصہ

تذکرۂ علماء ودانشورانِ خیرآباد

(جس میں خیرآباد کے علماء، حفاظ، دانشوران اور سیاسی وسماجی شخصیات کا تذکرہ ہے)

بقلم

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب سے پہلے

تاریخ خیرآباد کا یہ حصہ درحقیقت ان حضرات اہل علم کا تذکرہ ہے جنھوں نے کسی دینی درسگاہ سے باقاعدہ سند فضیلت حاصل کی ہے، لیکن اسی کے ضمن میں کچھ دوسرے حضرات کا بھی ذکر آ گیا ہے جن کا خیرآباد کی تاریخ میں کچھ نہ کچھ نمایاں کردار رہے۔ پہلے اس کا نام ''تذکرۂ علماء خیرآباد'' تجویز کیا گیا تھا، لیکن جب کچھ حفاظ، شعراء اور عصری علوم کے حاملین کا تذکرہ شامل کیا گیا تو اسے ''تذکرۂ علماء ودانشوران خیرآباد'' کردیا گیا۔

قدیم علماء کے بارے میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ان کے بارے میں جو معلومات دستیاب ہوئیں تقریباً سب کو شامل کرلیا گیا ہے، اس لئے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا ان کے احوال سے واقف حضرات کم ہوتے چلے جائیں گے، موجودہ حضرات کے سلسلہ میں مَیں نے اس کا التزام کیا ہے کہ ان کا تذکرہ لکھ کر خود انھیں حضرات سے نظرثانی کروالی ہے تاکہ بات بالکل معتبر اور مستند ہوجائے۔ معلومات کے لئے سوالات پر مشتمل ایک فارم چھپوالیا گیا تھا، وہی لوگوں کے پاس بھیج دیا گیا، اسی کی روشنی میں یہ تذکرہ مرتب کیا گیا ہے، معلومات وخدمات کے اعتبار سے تذکرے طویل اور مختصر ہیں۔ تلاش وجستجو کے دوران یہ خیال آیا کہ جدید فضلاء یا وہ قدیم فضلاء جن کے متعلق بہت مختصر معلومات دستیاب ہوئیں، ان کا تذکرہ بھی چند سطروں میں کردیا جائے تاکہ آئندہ جب اس پر اضافہ کرنا ہو تو یہ نام ہمارے سامنے رہیں اور سہولت رہے۔ بعض حضرات کا نام کتاب میں آنے سے رہ گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری بار بار درخواست کے باوجود ان حضرات نے معلومات بہم نہیں پہنچائیں، اس پر ہم افسوس کے سوا کیا کرسکتے ہیں، اگر آئندہ معلومات حاصل ہوگئیں تو دوسرے ایڈیشن میں ان کو شامل کردیا جائے گا۔

کتاب کی ترتیب سال ولادت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، دوسری ترتیب سال وفات کے لحاظ سے ہوسکتی تھی، لیکن اس میں یہ مشکل تھی کہ ابھی بہت سے حضرات ہمارے درمیان موجود ہیں، تیسری ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہوسکتی ہے، لیکن اس میں ترتیب زمانی کا لحاظ نہیں رہتا ہے، اور میرا جی چاہتا تھا کہ یہ ترتیبِ زمانی کے لحاظ سے رہے، اس لئے اس کو ترجیح دی گئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں۔

دعاؤں کا طالب ضیاء الحق خیرآبادی (حاجی بابو)

۲۶؍جنوری ۲۰۲۲ء/۲۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۴۳ھ بدھ

فہرست عناوین

کتاب سے پہلے	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۱۳۵

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	مولانا حکیم محمد شبلی شیداؔ خیرآبادی	۱۴۶
۲	مولانا محمد عمر صاحب	۱۵۶
۳	مولانا ہدایت اللہ صاحب	۱۵۷
۴	مولانا عبد السمیع مظاہری	۱۵۹
۵	حافظ رحمت اللہ صاحب	۱۶۰
۶	مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی	۱۶۷
۷	مولانا عبد الحق صاحب	۱۷۱
۸	مولانا مفتی محمد صدیق صاحب اشرفی	۱۷۳
۹	مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی	۱۷۵
۱۰	مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی	۱۸۳
۱۱	مولانا عبد السلام صاحب قاسمی	۱۸۷
۱۲	مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب شکیبؔ	۱۸۹
۱۳	مولانا عبید الرحمٰن صاحب	۱۹۱
۱۴	مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب	۱۹۵
۱۵	مولانا انصار احمد صاحب قاسمی	۱۹۹
۱۶	مولانا نثار احمد صاحب	۲۰۱

۱۷	مولانا انوار احمد صاحب مظاہری	۲۰۲
۱۸	مولانا عبدالحی صاحب مجازؔ قاسمی	۲۰۳
۱۹	مولانا عبدالحکیم صاحب	۲۰۶
۲۰	مولانا زبیر احمد مفتاحی	۲۰۹
۲۱	مولانا ڈاکٹر زین الحق مفتاحی	۲۱۰
۲۲	مولانا حافظ عبدالحی مفتاحی	۲۱۱
۲۳	مولانا شمس الضحیٰ شمسؔ ضیائی	۲۱۶
۲۴	مولانا نثار احمد صاحب	۲۱۸
۲۵	مولانا عبدالمجید قاسمی	۲۱۹
۲۶	مولانا محمد غلام مصطفیٰ اشرفی	۲۲۰
۲۷	مولانا نظام الدین مفتاحی	۲۲۱
۲۸	مولانا عزیز الرحمٰن مفتاحی	۲۲۲
۲۹	مولانا صلاح الدین صاحب قاسمی	۲۲۳
۳۰	مولانا قاری منظور احمد صاحب قاسمی	۲۲۴
۳۱	مولانا ناظم علی صاحب	۲۲۶
۳۲	مولانا فضل حق صاحب عارفؔ	۲۲۸
۳۳	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب	۲۳۴
۳۴	مولانا عبدالعلی صاحب	۲۳۴
۳۵	مولانا محبوب احمد صاحب عزیزی	۲۳۵
۳۶	مولانا امتیاز احمد صاحب قاسمی	۲۳۶
۳۷	مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی	۲۳۸
۳۸	مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب قاسمی خیرآبادی	۲۳۹

۳۹	مولانا محمد زاہد صاحب قاسمی	۲۴۶
۴۰	حافظ قاری وسیم احمد صاحب	۲۴۸
۴۱	مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی	۲۵۲
۴۲	مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی	۲۵۹
۴۳	مولانا انوار احمد صاحب قاسمی	۲۶۲
۴۴	مولانا محمد افضل صاحب قاسمی	۲۶۷
۴۵	مولانا محمد اصغر صاحب قاسمی	۲۷۰
۴۶	مولانا احمد حسن قاسمی ندوی	۲۷۳
۴۷	مولانا حافظ افضال احمد قاسمی	۲۷۳
۴۸	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب	۲۷۴
۴۹	مولانا کمال اختر صاحب قاسمی	۲۷۵
۵۰	مولانا حافظ عبدالعزیز ندوی	۲۷۷
۵۱	مولانا حکیم آفاق اختر صاحب قاسمی	۲۸۰
۵۲	مولانا ڈاکٹر عین الحق قاسمی	۲۸۲
۵۳	مولانا قاری نسیم اختر صاحب	۲۸۳
۵۴	مولانا شمس الدین صاحب ندوی	۲۸۴
۵۵	مولانا خلیق الزماں قاسمی	۲۸۵
۵۶	مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی	۲۸۵
۵۷	مولانا محمد راشد قاسمی	۲۸۶
۵۸	مولانا محمد اطہر قاسمی	۲۸۹
۵۹	مولانا مفتی اعجاز احمد قاسمی	۲۹۱
۶۰	مولانا محمد افتخار شمسی	۲۹۲
۶۱	مولانا حافظ ظہیر الحق قاسمی	۲۹۳

۶۲	مولانا مفتی جاوید اختر قاسمی	۲۹۴
۶۳	مولوی حافظ عزیز الرحمٰن قاسمی	۲۹۵
۶۴	مولوی فرید الحق قاسمی	۲۹۶
۶۵	مولوی محمد ہاشم قاسمی	۲۹۶
۶۶	مولوی حافظ نوشاد احمد ندوی	۲۹۷
۶۷	مولوی ضیاء الرحمٰن قاسمی	۲۹۸
۶۸	مولوی مجیب الرحمٰن قاسمی	۲۹۹
۶۹	مولوی حافظ نثار احمد	۲۹۹
۷۰	مولوی شاہد کمال قاسمی	۳۰۰
۷۱	مولوی حافظ حفظ الرحمٰن قاسمی	۳۰۰
۷۲	مولوی خورشید احمد قاسمی	۳۰۱
۷۳	مولوی حافظ شفیق الزماں قاسمی	۳۰۲
۷۴	مولوی حافظ صادق عیاض قاسمی	۳۰۲
۷۵	مولوی حافظ منظور الحق قاسمی	۳۰۳
۷۶	مولوی محمد مہدی خیرآبادی	۳۰۵
۷۷	مولانا منہال رضا صاحب	۳۰۶
۷۸	مولوی فیض احمد خیرآبادی	۳۰۷
۷۹	مولوی نعیم ارشد قاسمی	۳۰۷
۸۰	مولوی حافظ طاہر ظفر قاسمی	۳۰۷
۸۱	مولانا حافظ فیضان الحق قاسمی	۳۰۸
۸۲	مولانا قاری نیاز احمد قاسمی	۳۰۹
۸۳	مولوی قاری محمد طاہر قاسمی	۳۱۰
۸۴	مولوی سرور محمود قاسمی	۳۱۰

۸۵	مولانا مفتی ظہیر احسن قاسمی	۳۱۱
۸۶	مولانا مفتی محمد ابوذر قاسمی	۳۱۴
۸۷	مولانا صادق اختر قاسمی	۳۱۵
۸۸	مولوی حافظ نظر عالم قاسمی	۳۱۷
۸۹	مولانا اظہر محمود قاسمی	۳۱۸
۹۰	مولوی ناصر الدین قاسمی	۳۱۸
۹۱	مولوی عزیز الرحمٰن قاسمی	۳۱۹
۹۲	مولوی محفوظ الحق قاسمی	۳۱۹
۹۳	مولانا شاہنواز اختر قاسمی	۳۲۰
۹۴	مولوی حافظ انصار الحق قاسمی	۳۲۱
۹۵	مولوی شمیم احمد قاسمی	۳۲۱
۹۶	مولانا حافظ ابوطلحہ قاسمی	۳۲۲
۹۷	مولوی شریف احمد قاسمی	۳۲۳
۹۸	مولوی عاصم اختر قاسمی	۳۲۳
۹۹	مولانا نفیس احمد قاسمی	۳۲۴
۱۰۰	مولوی ابواسامہ خیرآبادی	۳۲۵
۱۰۱	مولوی رئیس الحق قاسمی	۳۲۶
۱۰۲	مولوی مفید ہاشمی قاسمی	۳۲۶
۱۰۳	مولوی حافظ ابوحذیفہ مظہری	۳۲۶
۱۰۴	مولوی حافظ افروز احمد	۳۲۷
۱۰۵	مولوی انیس احمد ندوی	۳۷۵
۱۰۶	مولانا محمد عمران مصباحی	۳۲۸
۱۰۷	مولانا حافظ محمد ارشد ندوی ازہری	۳۲۹

۱۰۸	مولانا مفتی محمد مزمل اختر مصباحی	۳۳۲
۱۰۹	مولوی محمد سالم قاسمی	۳۳۳
۱۱۰	مولوی حافظ شمیم اختر ازہری	۳۳۴
۱۱۱	مولوی حافظ زاہد جمال خیرآبادی	۳۳۵
۱۱۲	مولوی حافظ وصی اللہ قاسمی	۳۳۶
۱۱۳	مولوی سرفراز احمد قاسمی	۳۳۶
۱۱۴	مولوی حافظ شمشاد احمد قاسمی ندوی	۳۳۷
۱۱۵	مولوی محمد احمد بن مولانا منظور الحق	۳۳۷
۱۱۶	مولوی محمد جمشید قاسمی	۳۳۷
۱۱۷	مولوی محمد معظم قرنی	۳۳۸
۱۱۸	مولوی حافظ مفتی محمود کلیم قاسمی	۳۳۸
۱۱۹	مولوی حافظ شفیع شہزاد قاسمی	۳۳۹
۱۲۰	مولوی حافظ عبداللہ عدنان قاسمی	۳۴۰
۱۲۱	مولوی حافظ راشد عمار قاسمی	۳۴۱
۱۲۲	مولوی حافظ محمد احمد قاسمی	۳۴۲
۱۲۳	مولوی ہشام راشد بن مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی	۳۴۳
۱۲۴	مولوی ابوہریرہ قاسمی	۳۴۳
۱۲۵	مولوی عبداللہ ندوی	۳۴۳
۱۲۶	مولانا حافظ عبدالقادر قاسمی	۳۴۴
۱۲۷	مولانا مفتی محمد مفیض خیرآبادی	۳۴۵
۱۲۸	مولوی حافظ محمد انس احیائی	۳۴۶
۱۲۹	مولانا مفتی شاہد مغنی قاسمی	۳۴۷

۱۳۰	مولوی حافظ دانش سہیل قاسمی	۳۴۸
۱۳۱	مولوی عامر سہیل قاسمی	۳۴۸
۱۳۲	مولوی حافظ عامر کلیم قاسمی	۳۴۹
۱۳۳	مولوی حافظ وصی الحق قاسمی	۳۴۹
۱۳۴	مولوی حافظ رضوان دانش قاسمی	۳۴۹
۱۳۵	مولوی محمد حذیفہ قاسمی	۳۵۰
۱۳۶	مولوی شفیق الرحمٰن قاسمی	۳۵۱
۱۳۷	مولوی حافظ شاہد اختر قاسمی	۳۵۱
۱۳۸	مولوی حافظ محمد عارف خیرآبادی	۳۵۱
۱۳۹	مولوی حافظ محمد تابش قاسمی ندوی	۳۵۲
۱۴۰	مولوی طارق جمال قاسمی	۳۵۳
۱۴۱	مفتی اشرف نہال مصباحی	۳۵۴
۱۴۲	مولانا مفتی ابوحذیفہ قاسمی ازہری	۳۵۶
۱۴۳	مولوی محمد حسان قاسمی	۳۵۷
۱۴۴	مولوی محمد ارشد بن قاری وسیم احمد صاحب	۳۵۷
۱۴۵	مولوی سعداللہ راشد بن مولانا محمد راشد قاسمی	۳۵۸
۱۴۶	مفتی محمد ذیشان ضیاء مصباحی	۳۵۹
۱۴۷	مولوی حافظ ابوالقاسم قاسمی	۳۶۲
۱۴۸	مولوی حافظ عبداللہ فرحان قاسمی	۳۶۳
۱۴۹	مولوی محمد عفان بن مولانا عبدالحی خیرآبادی	۳۶۴
۱۵۰	مولوی محمد ساجد قاسمی	۳۶۴
۱۵۱	مولوی ثاقب ضیاء خیرآبادی	۳۶۴

☆	تذکرۂ دانشوراں	۳۶۵
۱	مجاہد آزادی حافظ محمد شعیب شاکرؔ	۳۶۶
۲	مشتاق احمد شیدائیؔ	۴۰۷
۳	عبدالاحد شائقؔ خیرآبادی	۴۰۹
۴	ڈاکٹر محمد یحییٰ بیخود	۴۱۱
۵	محمد مبین انجم ضیائی	۴۱۴
۶	ڈاکٹر شوکت علی صدیقی	۴۱۸
۷	انعام الحق ادیبؔ وارثی	۴۲۰
۸	محمد شعبان دلؔ خیرآبادی	۴۲۲
۹	عبدالعلیم علیم انصاری	۴۲۴
۱۰	حافظ عبیداللہ طاہر خیرآبادی	۴۲۵
	عصری تعلیم یافتہ حضرات	۴۲۶
۱	ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب	۴۲۶
۲	ماسٹر جمشید احمد (ایم کام)	۴۲۸
۳	ماسٹر عبدالسمیع صاحب	۴۲۹
۴	ماسٹر اعجاز احمد صاحب	۴۳۱
۵	ماسٹر شمیم احمد صاحب	۴۳۳
۶	ڈاکٹر جمیل احمد صاحب	۴۳۴
۷	ماسٹر معین الدین صاحب	۴۳۵
۸	ماسٹر فہیم احمد خیرآبادی	۴۳۶
۹	ڈاکٹر نعمان احمد (پی ایچ ڈی)	۴۳۸
۱۰	حاجی ممتاز احمد (بی کام)	۴۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حکیم محمد شبلی شیؔدا خیرآبادی

نام: محمد شبلی بن حکیم جان محمد [تخلص: شیؔدا]

تاریخ ولادت: ۱۳۰۸ھ [۱۸۹۰ء] (تخمینی)

مولانا شبلی شیؔدا خیرآبادی اپنے وقت کے بہترین ادیب وشاعر، نہایت عمدہ خوشنویس وخطاط اور فارسی زبان کے اعلیٰ درجہ کے مدرس تھے۔ ان کی شاعری دستبرد زمانہ کی نذر ہوگئی ورنہ اس سے اندازہ ہوتا کہ وہ کس پایہ کے ادیب وشاعر تھے، مدرسہ منبع العلوم میں مولانا شاہ محمد سَرَیّانوی سے از ابتداء تا انتہا تعلیم حاصل کی، جو اپنے وقت کے ایک ممتاز عالم تھے، اور مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی، مولانا عبدالعلیم صاحب رسولپوری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری اور میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔

مولانا کا نانیہال املو کے ایک موقر علمی گھرانے میں تھا، مولانا کے ماموں علامہ ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی اپنے وقت کے ایک وسیع النظر، متبحر اور عربی زبان کے ماہر عالم تھے۔ جو میاں نذیر حسین صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اور ان کے مدرسہ میں تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دیتے تھے، وہیں انتقال بھی ہوا۔ مولانا شبلی صاحب کو جب معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور آپ کے ماموں کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے پاس دہلی بلالیا، جو اس وقت مختلف علوم وفنون کا مرکز تھا، یہاں آپ نے ماموں جان کی تربیت ونگرانی میں رہ کر فارسی، علم طب اور خوش خطی میں کمال حاصل کیا، ماموں کی معیت میں وہاں کے علمی وادبی حلقوں میں رسائی، علمی شخصیات سے ملاقاتوں اور استفادے کی راہ آسان ہوئی۔ حلقۂ دبستانِ داغ میں رہ کر شاعری میں بھی کمال حاصل کیا، تعلیم ''مدرسہ میاں صاحب، پھاٹک

حبش خاں''میں حاصل کی جہاں ماموں مدرس تھے۔طب کی عملی تربیت کے لئے حکیم اجمل خاں کے مطب میں بیٹھتے تھے، کہتے تھے کہ حکیم اجمل خاں کے صاحبزادے حکیم محمد جمیل صاحب کو گودوں کھلایا ہے۔ایک عرصہ تک دہلی رہنے کے بعد وطن مالوف خیر آباد واپس آئے تو مختلف علوم وفنون سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

تدریس:

کچھ دنوں مدرسہ منبع العلوم خیر آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، حافظ محمد شعیب صاحب شاکر نے اپنی خودنوشت ''سچی کہانی'' میں لکھا ہے کہ ''۱۷/۱۹۱۶ء میں جب میں منبع العلوم میں تعلیم حاصل کررہا تھا مولوی شبلی صاحب یہاں مدرس تھے''۔مولانا نے ولید پور میں بھی پڑھایا ہے جیسا کہ ان کے شاگرد مولانا محمد عثمان صاحب نے اس کی صراحت کی ہے۔ ۲۵/محرم ۱۳۴۵ھ مطابق ۵/اگست ۱۹۲۶ء جمعرات کو مدرسہ معروفیہ پورہ معروف مدرس بن کر تشریف لے گئے اور وہاں بڑی شان وشوکت اور عزت ووقار کے ساتھ ۲۱/سال رہے، پہلے نائب صدر مدرس پھر صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے، اور ۱۳۶۶ھ [۱۹۴۷ھ] میں اپنے بعض خانگی احوال کی وجہ سے خیر آباد آگئے، مدرسہ معروفیہ میں اتنے طویل عرصہ تک کسی نے مدرسی نہیں کی۔ پورہ معروف سے خیر آباد پیدل آتے جاتے تھے، اس وقت تک سواری کا کوئی راستہ نہیں تھا۔آپ فارسی کی پہلی سے لے کر اخلاق محسنی، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، بہار دانش، انوار سہیلی و بہارستاں وغیرہ تنہا پڑھاتے تھے۔

مولانا ایک بہترین خطاط تھے، آپ کے فیض صحبت سے یہ ہنر آپ کے تلامذہ میں بھی منتقل ہوا، مولانا کے آخری شاگردوں میں مولانا محمد عثمان صاحب معروفی کو میں نے دیکھا ہے ان کا خط بہت ہی عمدہ تھا، وہ کہتے تھے کہ خطاطی میں نے مولانا شبلی صاحب سے سیکھی ہے۔مولانا کے زمانے میں مدرسہ معروفیہ سے ایک رسالہ ''المعروف'' نکلتا تھا، جس کے مرتب آپ ہی تھے، اس کی کتابت خود کرتے تھے اور نہایت دیدہ زیب ٹائٹل بناتے تھے لیکن افسوس کہ اب اس رسالہ کا کوئی شمارہ مدرسہ میں موجود نہیں ہے، میں نے بہت کوشش کی

کہ کہیں سے ایک دوشمارے ہی مل جائیں تو مولانا کا نمونۂ تحریر دیکھ لوں، لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ اس میں مولانا کی نظمیں اور نعتیں وغیرہ شائع ہوتی تھیں۔

مولانا ایک متواضع ومنکسر المزاج شخص تھے، سب کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے، اپنی کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتے تھے، لیکن آپ کا رعب اس قدر تھا کہ بقول مولانا عثمان صاحب ''ہرکس وناکس کی ہمت نہ تھی کہ آپ سے بات کرسکے، شعراء اپنے اشعار کی اصلاح کے لئے مجھے واسطہ بناتے تھے۔'' جب درسگاہ میں تشریف لاتے تو سناٹا چھا جاتا، لیکن اسی کے ساتھ طلبہ پر بہت شفیق تھے، خصوصاً محنتی طلبہ پر بہت توجہ فرماتے تھے۔

تاریخ گوئی:

تاریخ گوئی میں بڑا کمال حاصل تھا، برجستہ منظوم تاریخ کہتے تھے، بہت سی مساجد کے لئے آپ نے تاریخ کہی ہے۔ پورہ معروف نیا پورہ کی مسجد کے لئے مولانا نے درج ذیل تاریخ کہی تھی۔ ؎

مسجدِ پورہ ہوئی تیار جب — غور کی تاریخ، ہوکر سربہ جیب
لکھ دیا شیدا نے برجستہ وہیں — کتنی ہے تعمیرِ مسجد دیدہ زیب

اس کے آخری مصرعہ سے سن تعمیر ۱۳۶۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ مولانا محمد عثمان صاحب کو یہ سجع لکھ کر دیا اور کہا کہ اس کو کاپی پر نوٹ کرلو، اور اپنا تخلص عاصی رکھ لو، حالانکہ وہ ان کی طالب علمی کا زمانہ تھا اور دور دور تک کہیں شعر وشاعری کا اتا پتا نہ تھا، لیکن مولانا شبلی صاحب کی دوربیں نگاہیں اپنے شاگرد کے اندر مستقبل کا شاعر دیکھ رہی تھیں، وہ سجع یہ ہے

کشتئ زیست بدریائے گنہ غرق کناں — چشم عفوم زتو اے خالق جن وانساں
پُرشدہ نامۂ عاصی زخطا وعصیاں — دارد امیدِ شفاعت زمحمدؐ عثماںؒ

ایک ماہر طبیب:

مولانا کے والد حکیم جان محمد صاحب خیرآباد کے حاذق طبیب تھے، مولانا نے

اپنے والد سے باقاعدہ طب پڑھی تھی اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا تھا، آپ بھی ایک ماہر طبیب اور نباض تھے، نبض اور قارورہ سے مرض کی تشخیص کرتے تھے۔ مفرد ادویہ کا آسان اور سہل نسخہ لکھتے تھے، لوجہ اللہ مریضوں کی خدمت کرتے تھے، مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے ان کے گھر بھی پہنچ جاتے تھے، مولانا کا معمول یہ تھا کہ خیرآباد کا جو بھی مریض ان کے زیر علاج رہتا فجر بعد اس کے گھر اس کے احوال جاننے کے لئے جاتے، پھر اپنے گھر لوٹتے۔ طبی مہارت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ خیرآباد سے پورہ معروف جا رہے تھے، کھورہٹ کے قریب کہیں ایک غیر مسلم کو مردہ سمجھ کر اس کو جلانے کے لئے لکڑیوں کا انتظام کیا جا رہا تھا، گھر والے رو پیٹ رہے تھے، مولانا وہاں سے گزرے تو مردہ کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ مرا نہیں ہے بلکہ اس کو سکتہ کی بیماری ہے، اس کا علاج کیا اور وہ شخص بالکل تندرست ہو گیا، جس کی وجہ سے اس گاؤں کے لوگ آپ کے بے حد معتقد ہو گئے۔ آپ کے پاس طب کی ڈھیر ساری کتابیں تھیں، آپ کے انتقال کے بعد معلوم نہیں وہ کیا ہوئیں؟

حج مبرور اور وفات:

مولانا ان پاکباز و پاک باطن لوگوں میں سے تھے جن کا دل محبت نبوی سے معمور اور آباد ہوتا ہے، آپ کی یہ محبت اشعار کے پردے میں چھلکتی تھی، جناب رسول اللہ ﷺ کے ذکر مبارک پر بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حیات کے آخری لمحات میں اپنے پاک گھر کی حاضری آسان فرما دی اور ۱۳۷۴ھ میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں ایک جذب اور بے خودی کی کیفیت طاری رہتی تھی، جب آنحضور ﷺ کا نام لیا جاتا تو ساتھیوں سے کہتے کہ روضۂ پاک کی زیارت کے لئے لے چلو اور نکل پڑتے، آپ کے رفقاء کہتے کہ گھبرایئے نہیں وقت پر سواری سے چلیں گے۔ اسی حال میں حج کیا، اور اس کے بعد ۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۸/ اگست ۱۹۵۵ء کو مکہ معظّمہ میں انتقال ہو گیا اور اسی پاک سرزمین کی خاک کا پیوند بن گئے۔ اس سے بڑھ کر عنداللہ مقبولیت اور کیا ہو سکتی ہے؟ حج میں جانے سے پہلے جو نعت لکھی تھی اس کا ایک مصرعہ یہ تھا: بنے میرا مرقد جوارِ مدینہ

اس کا ایک شعر یہ بھی تھا ؎

تڑپتا ہے مدت سے شیدؔا تمہارا بلالو اسے تاجدارِ مدینہ

میرے والد آپ کے شاگرد تھے، ان کی زبانی سنا ہے کہ مرض الموت میں پیٹ جاری ہوگیا تھا، دست رکتا ہی نہیں تھا، آپ نے ایک دوا لکھ کر منگوائی، لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا، اور آپ اپنے رب سے جا ملے، جس عطار کے یہاں سے دوا لائی گئی تھی اس کا کہنا تھا کہ مولانا کا وقت ہی پورا ہو چکا تھا ورنہ دیکھو یہ ہے اس دوا کی تاثیر، اس نے ایک پیالی میں پانی رکھ کر اس میں دوا ڈال دی تو دوا کے اردگرد پانی جم گیا تھا۔

شاعری:

مولانا قادر الکلام شاعر اور مسلم الثبوت استاذ تھے، پورہ معروف، خیرآباد اور مئو وغیرہ میں آپ کے متعدد شاگرد تھے، جن میں مشتاق شیدائی، ضیاء مئوی اور رونق وفائق معروفی وغیرہ بہترین شاعر ہوئے ہیں۔ حمد، نعت اور غزلیں ہر صنف میں آپ کا کلام موجود تھا اور بے حد مقبول تھا۔ مولانا کے انتقال کے بعد آپ کے سارے علمی اثاثے کی طرح ان کا سارا کلام نہ جانے کیا ہوا کہ اب اس میں سے کچھ بھی دستیاب نہیں، بس ایک حمد جو زبان زد عام و خاص تھی وہی دستیاب تھی، میں بچپن میں اس کو اپنے والد صاحب سے سنتا رہتا تھا، اس کے علاوہ والد صاحب کی زبان سے تکیہ کے لئے کہا گیا ایک شعر سنتا تھا ؎

غریبی میں بھی اے شیدؔا مزاج اپنا ہے شاہانہ
نہیں مسند تو کیا پروا، خدا پر اپنا تکیہ ہے

جب میں نے مولانا کا تذکرہ لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کے اشعار کی تلاش و جستجو میں لگا، میں نے خیرآباد سے پورہ معروف تک، پھر مولانا کے پوتوں کے یہاں لکھنؤ و علی گڈھ تک کوشش کر ڈالی لیکن مجھے کوئی خاص کامیابی نہ ہوسکی، اس حمد کے علاوہ ایک نعت اور چند نظمیں دستیاب ہوگئی ہیں، ان کو یہاں درج کر رہا ہوں۔

حمد رب جلیل

میں نے گلشن میں دیکھی ہر ایک گل کی خو | سب کے وِرد زباں وَحُدَہٗ وَحُدَہٗ
قُومُوا تھا وِرد سرولبِ آبِ جُو | شاخِ گل پڑھتی تھی وَارْکَعُوا وَاسْجُدُوا
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

سرو ہے دھیان کس کا لبِ آبِ جو | یاد میں کس کی شمشادقائم ہے تو
ڈھونڈتی ہے کسے فاختہ کُو بہ کُو | بول اُٹھی قمریٔ زار، حق سرہ
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

غنچۂ وگل سے پوچھا کہ اے صُنعِ حق | کس کی فرقت میں گھٹتا ہے کیوں رنگ فق
آئی آواز پیہم طبق عن طبق | اس کی فرقت میں سینہ ہوا ہے لہو
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

پوچھا بلبل سے اے کُشتۂ رنگ وبو | کس گلِ شمع رُو پر ہے پروانہ تو
لَو لگی کس سے ہے نعرہ زن چارسُو | چیخ اُٹھی سوزِ دل سے وہ پُر آرزو
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

پوچھا نرگس سے کہہ اے گلِ خوبتر | تو تو سارے چمن کی ہے نورِ نظر
دیدہ بازی ہے کس سے ہے کیوں چشم تر | رورو کرنے لگی اپنا آنسو لہو
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

برق سے میں نے پوچھا کہ اے شعلہ رُو | گرم رَو اس قدر کیوں ہے تو چار سو
کس کی فرقت میں بے تاب ومضطر ہے تو | جھٹ کڑک کر کہا اس کی ہے آرزو
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

موجِ دریا سے میں نے جو پوچھا کبھی | پھیرتی ہے گلے پر جو اپنے چھری
کس کے غم میں فنا ہوکے کھوتی ہے جی | لبِ ساحل سے بولی وہ پُرآرزو
اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ

پیرِ گردوں سے پوچھا کہ اے پُر نگیں   مہر ومہ کی لگا عینکِ دوربیں
کس کو ڈھونڈے ہے وہ کون پردہ نشیں   آئی آواز ہاں جس پہ شیدؔا ہے تو
اللہ، اللہ، اللہ، اللہ،

نعت

مدینہ میں مجھ کو بلا کملی والے   مجھے اپنا شیدؔا بنا کملی والے
گناہیں مری بخشوا کملی والے   خدا سے تو بہر خدا کملی والے
ہم عاصی ہیں نیکوں کا کیا پوچھنا   حق ان سے ہے اپنا سِوا کملی والے
ہمیں بخشوائیں گے روزِ قیامت   شفیع الوریٰ مصطفیٰ کملی والے
پھنسی موجِ عصیاں میں کشتی ہماری   توہی پار بیڑا لگا کملی والے
سوالِ نکیرین جب قبر میں ہو   ہمیں اپنا جلوہ دکھا کملی والے
جلا سوزِ فرقت سے سینہ ہے میرا   مرا غنچۂ دل کِھلا کملی والے
دکھادے رخِ رشکِ گلزار اپنا   شمیمِ گلِ مشک سا کملی والے
نہیں جینے دے گی شبِ ہجر مجھ کو   تو قدموں میں اپنے بلا کملی والے
ترا خالِ رخ مردمِ چشم بن کر   سویداء دل ہوگیا کملی والے
ملے بھیک دیدار کی جالیوں سے   آپ کے در پہ آیا گدا کملی والے
تمہارے سبب اے شہ ہر دوعالم   ہوئے خلق ارض وسما کملی والے
دمِ نزع شیدؔا کی مشکل ہو آساں   خدا سے یہی ہے دعا کملی والے

خیرآباد کی عوامی زندگی میں مولانا شیدؔا صاحب کی بڑی اہمیت تھی، یہاں کا کوئی جلسہ، کوئی پروگرام آپ کے بغیر ممکن نہ تھا، جب حافظ محمد شعیب صاحب شاکرؔ نے یہاں کے نوجوانوں کو منظّم کرنے، ان کے اندر ذوق مطالعہ کو پروان چڑھانے اور قوم کے اندر حرکت وعمل اور بیداری پیدا کرنے کے لئے ''پبلک لائبریری'' کے نام سے ۱۹۳۶ء میں ایک لائبریری قائم کی تو مولانا شبلی شیدا صاحب کو اس کا صدر بنایا گیا، ۲۸/ مارچ ۱۹۳۷ء کو اس

کے تحت ایک جلسہ عام منعقد ہوا، جس میں شیدا صاحب نے ایک طویل نظم پیش کی، جس کو حافظ شعیب صاحب نے اپنی خودنوشت ''سچی کہانی'' میں نقل کر دیا، جس کی وجہ سے یہ محفوظ رہ گئی اور آج آپ کے سامنے ہے، اس کی تمہید میں حافظ صاحب نے یہ چند سطریں لکھی ہیں جو مولانا شیدا صاحب کے تئیں ایک سچا خراج عقیدت ہے:

''پبلک لائبریری کے اعزازی صدر جناب مولوی حکیم محمد شبلی صاحب شیدؔا، مشہور طبیب حکیم جان محمد صاحب مرحوم کے سچے جانشین ہیں۔ آپ کو شعر گوئی اور ادب سے خاص شغف ہے، اور جناب داغؔ سے تلمذ فرماتے رہے ہیں، غزل گوئی کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی آپ نے بہت اچھے اچھے خیال باندھے ہیں، کاش کہ ان کے صاحبزادے [مولانا] حکیم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب شکیبؔ ان نایاب ذخیروں کو یکجا کر کے ترتیب دیں اور ان کے کلام سے اہل ملک کو روشناس کرائیں۔ ہم یہاں تبرکاً ایک نظم جو ۲۸ / مارچ ۱۹۳۷ء کے جلسۂ عام میں حضرت شیدؔا نے پیش کی، درج کرتے ہیں۔'' (ص: ۵۸/۵۹) [جناب داغ سے تلمذ مشتبہ ہے ہاں تلامذۂ داغ سے ممکن ہے]

نظم

اے بہار آ کہ ترے دید میں سب تشنہ دہن ۔۔۔ دیر سے ہیں کھڑے مشتاق اسیرانِ چمن
فیض سے ابرِ بہاری کے نسیمِ گلشن ۔۔۔ سبز و شاداب ہوئے سارے خس و خار و سمن
نہیں یہ چرخ پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے ۔۔۔ سر پہ ہے چتر ہمارے رحمتِ حق سایہ فگن
ساقیا دے مئے گل رنگ سے مینا بھر کے ۔۔۔ ابر رحمت کی ہے تحریک پئے نوشیدن
میں تری چشم سیہ مست کے قرباں ساقی ۔۔۔ دے مئے نرگس و شہلا کی ہوائے پُرفن
آج ہے بادِ بہاری کا انوکھا انداز ۔۔۔ آج ہے گلشن عالم میں نرالا جوبن
جی لبھا لیتی ہے روئیدگی سبزۂ و گل ۔۔۔ دل لئے لیتی ہے بس سنبل و ریحاں کی پھبن
دہن گل سے صدا آتی ہے سبحان اللہ ۔۔۔ لبِ غنچہ سے بجی صل علیٰ کی ارگن
بلبلِ نغمہ سرا کی ہے عجب پیاری دھن ۔۔۔ کیا ہی تارِ رگِ گل کا ہے سریلا ارگن

کیسا جلسہ ہے کھڑے ہیں جو پئے استقبال — صف بصف باغ میں دورویہ جوانانِ چمن
دے رہی آج جو ہے بادِ بہاری جاروب — نزہت آگیں ہوا چھڑکاؤ سے سب صحن چمن
کلیاں سوسن کی رَوِش پر ہیں کھڑی کالی فوج — یاسمیں غنچے چمن میں ہیں فرنگی پلٹن
اردلی لالہ بنا پہنے ہوئے خلعت سرخ — چوبداری میں کھڑا لے کے عصا سرو چمن
کنگھی چوٹی سے درست آج ہے کیسی سنبل — لِاکھا دیکھو ہے جمائے ہوئے لب پر سوسن
آج نرگس کی ذرا دیدہ دلیری دیکھو — کُبھی جاتی ہے زبس آنکھوں میں اس کی چتون
روشوں پر ہیں جو دورویہ سجے گلدستے — سیر کو نکلیں گے کیا آج جوانانِ چمن
کیسے جلسے کی چمن میں ہے یہ نوبت بجتی — کس خوشی میں یہ بگل پھونکتا ہے سکھدرشن
ہاں ، نسیم سحری تو ہی بتا اس کا راز — کیوں بہاروں پہ ہیں امروز نہالانِ چمن
مجھ سے کہنے لگی کیا آپ کو معلوم نہیں — جو کہ ہے باعث صد زیب حریمِ گلشن
دیکھو کس شان کا ہے جلسۂ لائبریری — خیرآباد بنا روکشِ جنات عدن
رونق افروز ہیں جلسہ میں جو علمائے کرام — قوم کے نام پہ جن کی فدا جان وتن
ہند کی مجلس احرار کا ہے وفد شریک — متغیر ہے جنھیں دیکھ کر رنگِ دشمن
میٹ دو دہر سے تم جوروتعدی کی مثال — کاٹ دو بازیگرِ ظلم کی تم دارورَسَن
ملتا ہے جن سے سیاست کا، تمدن کا سبق — جمع ہیں آج وہ جلسہ میں مشاہیر فن
کھیل وہ کھیلو کہ کچھ گھر کا تمہیں دھیان رہے — پاس بیٹھو جو کسی کے تو رہے پاسِ وطن
فتحیابی ہے کھڑی جن کے پئے استقبال — کامیابی ہے وہ پکڑے ہوئے ان کا دامن
بھردو عدل وکرم وجود سے تم سب کے مکاں — کردو تم اسوۂ اسلاف کا سب میں روغن
نوجوانو! اٹھو سرگرمِ عمل ہوجاؤ — بردوش شرق تا غرب بیک چشم زدن
رکھو بہبودیٔ قوم کا ہر لحظہ خیال — بنو شائستگیٔ کار سے خدام وطن
بنو تم رِفق و مروت کی مجسم تصویر — رہو تم پیکر ایثار ومحبت ہمہ تن
الغرض ربطِ محبت سے کرو کام اپنا — نوجوانوں سے ہے یہ عرض میری مختصراً

جامع مسجد خیرآباد کے بارے میں کہی گئی مولانا شیدؔا صاحب کی ایک نظم۔

ہاں بتا سیّاح تو ہے چار سُو آیا گیا
نقشِ مسجد ہے کہیں سانچوں میں ڈھلوایا گیا
ماسوائے قدس وحرمین وحجاز پاک کے
نقشہ اس مسجد سا دیکھا یا کہیں پایا گیا
نور سے اس کے ہوئے ہیں پُر ضیاء اہل سماء
نور تاروں کا ہے جو دنیا میں پھیلایا گیا
آسماں پر بھی ہے گویا نقشۂ مسجد کھنچا
قولِ نبوی اس پہ شاہد ہے جو فرمایا گیا
واہ واہ کیا مسجد جامع ہے خیرآباد کی
نقش جس کا از زمیں تا آسماں پایا گیا
فرشِ مسجد پر پرے ملکوت کے ہوتے ہیں فرش
گویا فرشِ مخملیں ہے اس پہ بچھوایا گیا
کررہا ہے جھک کے باتیں اس سے مینارِ فلک
اتنا اونچا اس کے ہر مینار کا پایا گیا
روبرو اس کے جو نکلا چاند تو مخسوف تھا
اوپر آیا تو جھکا، ڈوبا وہ شرمایا گیا
قد رعنا ہے ستونوں کا قد حورِ جناں
سرو اور شمشاد کا پایا بھی کم پایا گیا
حورِ جنت کا ہر اک پائے پہ ہوتا ہے گماں
قصرِ جنت سے ستوں ہر ایک منگوا گیا
دیکھ کر محراب جو سب کی جبیں ہے سجدہ ریز
کعبۂ ابرو کا کس کے نقش رکھوایا گیا
طاقچہ مسجد پہ جو خم ہے سرِ عجز ونیاز
طاقِ ابرو کا ترے اس میں پُرسایا گیا
ہو رہا ہے قدسیوں کا رات دن اس میں نزول
گاؤ تکیہ قصرِ جنت کا ہے لگوایا گیا
ان جھروکوں سے ہوائیں آتی ہیں جو عطر بیز
بابِ خلد اس کے لئے ہے آج کھلوایا گیا
صاف وشفاف ایسے ہیں دیوار ودر، فرش وستوں
حوضِ کوثر میں ہر اک گویا ہے نہلایا گیا

عاشقانِ حق کی آنکھیں فرشِ مسجد پر ہیں فرش
اس سے شیدؔا سر کے بل اس در پہ ہے آیا گیا

☆☆☆☆☆

نوٹ: خیرآباد جامع مسجد کے سابق امام محترم حافظ رحمت اللہ صاحب کے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں دہلی کے قیام اور علامہ عبدالحق صاحب کے متعلق باتیں لکھی گئی ہیں جو اَب تک پردۂ خفا میں تھیں ، امام صاحب مرحوم مولانا شبلی شیدؔا صاحب کے خالہ زاد بھائی اور داماد تھے۔اس طرح مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی، مولانا شیدؔا صاحب کے نواسے ہوئے۔

مولانا محمد عمر صاحب

نام: محمد عمر بن حاجی منشی عبدالصمد بن حاجی محمد نعمان عرف ڈومن۔

تاریخ ولادت: ۱۸۹۵ء (تخمیناً)

مولانا محمد عمر صاحب، محلّہ دکھن کی اپنے دور کی ایک سربرآوردہ شخصیت حاجی ڈومن (محمد نعمان) کے پوتے تھے، ان کے والد حاجی عبدالصمد منشی جی کے نام سے مشہور تھے، یہ حافظ محمد ایوب صاحب کے بڑے بھائی تھے، جن کے لڑکے محمد ابراہیم ہیں۔ میں نے کبھی مولوی محمد عمر صاحب کا نام نہیں سنا تھا کہ اس نام کے کوئی عالم ہمارے گاؤں میں گزرے ہیں، ایک روز حافظ محمد شعیب صاحب کی خودنوشت ''سچی کہانی'' کا مطالعہ کر رہا تھا تو اس میں ان کا ذکر دیکھا، حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ:

> ''ایک صاحب حاجی ڈومن کے پوتے مولوی محمد عمر صاحب بڑے ہونہار گزرے ہیں، آپ نے درس نظامی ختم کرنے کے بعد امرتسر پنجاب میں مولانا ثناء اللہ صاحب مدیر ''اہل حدیث'' کے پاس کچھ روز فیض حاصل کیا، جس کے نتیجے میں یہاں آکر غیر مقلد ثابت ہوئے، آپ بھی اچھے واعظ اور مقرر تھے؛ لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۹۲۲ء میں وفات پاگئے اور یہاں کی آبادی ان کی قابلیت اور صلاحیت سے محروم ہوگئی۔''

اس تحریر کے بعد ان کے اہل خاندان سے ملا تو معلوم ہوا کہ مزید تعلیم کے لئے مولانا مصر تشریف لے گئے تھے اور وہیں عین عنفوان شباب میں انتقال ہوا، انتقال کے وقت بمشکل پچیس تیس سال عمر رہی ہوگی، ایک بیٹی گود میں تھی جو بعد میں صاحب اولاد ہوئی۔ ان کے انتقال کو ایک صدی پوری ہو رہی ہے، اور ان کے اَقران ومعاصرین سب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اس لئے ان کے تعلیمی سلسلہ میں مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا ہدایت اللہ صاحب

نام: ہدایت اللہ بن احمد بن خدابخش

ولادت: ۱۹۰۰ء (تخمینی)

مولانا ہدایت اللہ صاحب خیرآباد کی کئی نسلوں کے استاذ تھے، ان سے یہاں کی نسل درنسل نے علم کی دولت حاصل کی، خیرآباد کے علماء کا تذکرہ ان کے ذکر کے بغیر ادھورا رہے گا، مولانا ایک بہترین مدرس اور اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے۔ سماجی امور میں بھی دلچسپی لیتے تھے، حافظ شعیب صاحب کی قائم کردہ پبلک لائبریری کے محاسب تھے، اس کی تجاویز اور ایجنڈے کی کتابت مولانا ہی کیا کرتے تھے۔ ''سچی کہانی'' میں متعدد جگہ مولانا کا ذکر ہے۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں مولانا شاہ محمد سَرَیّا نوی سے حاصل کی، اس وقت مدرسہ بس ایک مکتب تھا، مولانا سے وہ خوش نویسی کی مشق بھی کرتے تھے۔ یہاں سے پرائمری درجات کی تعلیم کے بعد مدرسہ مصباح العلوم کو پاگنج چلے گئے اور عربی سوم یا چہارم تک تعلیم وہاں حاصل کی، وہاں کے اساتذہ میں ایک مولانا عبدالصمد صاحب کو پاگنجی تھے جو بڑے جید عالم اور مدرس تھے، ان سے خصوصی طور پر استفادہ کیا۔ دورانِ تعلیم ہی مولانا کو پیچش کا عارضہ ہوا (جو اخیر عمر تک رہا)، جس کی شدت کے باعث گھر چلے آئے، پھر کچھ دنوں کے بعد احیاء العلوم مبارکپور میں داخلہ لیا اور عربی پنجم مکمل اور ششم کے سال کچھ عرصہ پڑھا، مولانا شکراللہ صاحب مبارکپوری ان کی ذہانت وصلاحیت کی بڑی تعریف کرتے تھے۔

گھر کی ضروریات کی وجہ سے ان کے والد نے ان کو گھر بلا لیا جس کی وجہ سے فضیلت کی تکمیل نہ کرسکے۔ ان کا کاروبار کانپور میں تھا، جس کی وجہ سے مولانا کو اکثر کانپور جانا اور وہاں قیام کرنا پڑتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد مولانا گھر آگئے اور تدریس سے وابستہ

ہو گئے۔ایک سال مدرسہ نورالاسلام ولید پور میں پڑھایا،اس کے بعد مستقل طور پر مدرسہ منبع العلوم میں مدرس ہو گئے۔تقرری کے ماہ وسال کا کچھ پتہ نہ چل سکا،اِس وقت گاؤں میں ان کے سب سے معمر شاگرد حاجی صغیر احمد صاحب (بازار) جن کی عمر نوے سال سے متجاوز ہے، بتاتے ہیں کہ میں ۱۹۳۵ء کے قریب مدرسہ میں داخل ہوا،اس وقت مدرسہ میں دو مدرس تھے، ایک حافظ سلامت اللہ صاحب، دوسرے مولانا ہدایت اللہ صاحب۔حافظ صاحب اطفال سے لے کر قرآن مجید پڑھنے والے بچوں کو پڑھاتے تھے اور مولانا اردو، خوشخطی اور فارسی کے بچوں کو پڑھاتے تھے،حاجی صاحب کہتے ہیں مولانا کی تنخواہ ۱۲/روپئے اور حافظ صاحب کی ۷/روپئے تھی،اوراس وقت مولانا ادھیڑ ہو چکے تھے چالیس سال کے قریب عمر رہی ہوگی ۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا ۱۹۳۵ء سے پہلے یہاں مدرس ہو چکے تھے۔

مولانا اپنے وقت کے مشہور کاتب تھے، جامع مسجد کی دیوار پر جو کتبے ہیں اور مدرسہ منبع العلوم کی سب سے اوپری منزل پر جو کتبہ ہے وہ انھیں کی خطاطی کا نمونہ ہے۔ میرے والد بھی مولانا کے خاص شاگرد تھے اوران کا خط بھی بہت عمدہ تھا، وہ کہتے تھے کہ یہ فیض ہے مولوی ہدایت اللہ صاحب کا، اگر ہم قلم کو غلط طریقے سے پکڑ لیتے تھے تو انگلی پر ہی چھڑی سے مارتے تھے، ظاہر ہے کہ اتنی بیداری اور تیقظ کے بعد تو استاذ کا رنگ شاگردوں میں منتقل ہونا ہی ہے۔ اس لئے منبع العلوم کے جتنے بھی قدیم فیض یافتگان ہیں سب کی تحریریں بہت عمدہ ہیں۔تقریباً نصف صدی پڑھانے کے بعد ۱۹۶۹ء میں انتقال فرما گئے۔

مولانا کے چار لڑکے تھے، عبدالوحید، عبدالوافی ، عبدالرشید اور عبدالباقی۔ اس وقت صرف عبدالباقی صاحب باحیات ہیں،استاذی مولانا ضیاءالدین صاحب نے انہی سے مولانا کی ابتدائی زندگی سے متعلق معلومات حاصل کیں۔عبدالباقی صاحب (پ: ۱۹۴۰ء) نے عربی چہارم تک تعلیم حاصل کی،لیکن کتابوں اور رسائل ومجلّات کے مطالعہ کا از حد شوق رکھتے ہیں، ایسا مطالعہ کرنے والا میں نے کم دیکھا ہے،اس ضعیفی میں بھی مطالعہ کا شغل جاری ہے، برسوں منبع العلوم کے شعبۂ پرائمری میں پڑھا چکے ہیں۔اہل علم سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔

مولانا عبدالسمیع صاحب مظاہری

نام: عبدالسمیع بن عبدالکریم
تاریخ ولادت: ۱۹۰۸ء (تخمینی)

مولانا عبدالسمیع صاحب ہمارے محلّہ اتراری خیرآباد کے رہنے والے تھے، صاحب مطالعہ انسان تھے، خیرآباد کے پہلے باقاعدہ عالم وفاضل تھے، ان کی اخیر حیات میں مجھ سے بڑا گہرا تعلق ہوگیا تھا، مجھ پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے، جب حاضر خدمت ہوتا تو بڑی دعائیں دیتے، فارسی کی بہت سی قدیم درسی کتابیں مجھے عطا کی تھیں۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں پڑھا، جہاں اس وقت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی مدرس تھے، مولانا کو ان سے خاص تعلق تھا، بعد میں بیعت وارادت کا تعلق انھیں سے اُستوار کرلیا تھا۔

احیاء العلوم سے آپ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے گئے، اور شعبان ۱۳۵۰ھ [دسمبر ۱۹۳۱ء] میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری اور مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فراغت کے بعد ایک طویل عرصہ تک کلکتہ میں رہے مسلم لیگ کی سیاست سے کافی متاثر تھے جس کا اثر اخیر عمر تک تھا، اخیر حیات میں وطن میں قیام رہا۔ یہ ساری معلومات مولانا نے خود مجھ سے بیان کی ہیں، مجھ سے گھنٹوں ہر طرح کے موضوع پر گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ انتقال سے پہلے کچھ عرصہ تک صاحب فراش رہے اور ۲۷/جولائی ۲۰۰۰ء جمعرات کو طویل علالت کے بعد تقریباً ۹۲/سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

تین بیٹے (رشید احمدؒ، حاجی سید احمدؒ، ظفرالدین مقادم) اور چار بیٹیاں ہیں۔

حافظ رحمت اللہ صاحب (امام جامع مسجد خیرآباد)

جامع مسجد خیرآباد کے سابق امام حافظ رحمت اللہ صاحب کا شمار خیرآباد کی مقتدر، برگزیدہ، معزز اور بااثر شخصیات میں ہوتا تھا۔ تقریباً ۶۵/سال تک خیرآباد کے امام جمعہ وعیدین رہے، گاؤں میں جب مطلق امام صاحب بولا جاتا ہے تو آپ کی ذات مراد ہوتی ہے۔ خیرآباد کے دینی وعلمی مزاج کی آبیاری میں امام صاحب کے خاندان کا ایک موثر کردار ہے۔ ان کے والد حافظ عبدالغفور صاحب نے بہت سے لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی، ان کے چچا حافظ عبدالرحیم صاحب بھی گاؤں کی اہم شخصیات میں سے تھے، مدرسہ منبع العلوم کے بانیوں میں سے تھے، ایک عرصہ تک مدرسہ کے ناظم رہے۔ حافظ محمد شعیب صاحب شاکرؔ خیرآبادی نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے کہ میں جب ۱۹۱۶/۱۷ء میں منبع العلوم میں پڑھتا تھا تو اس کے مہتمم حافظ عبدالرحیم صاحب تھے۔

نام: حافظ رحمت اللہ بن حافظ عبدالغفور بن حافظ عنایت اللہ بن محمد بچن بن باباغریب

ولادت: ۱۹۱۲ء وفات: ۳۱/دسمبر ۲۰۰۷ء

ماں کا نام سکینہ تھا، جو املو کے موقر علمی خانوادے کے مرد مجاہد شیخ غازی جہانگیر کی صاحبزادی اور علامہ ابومحمد عبدالحق اعظم گڑھی کی ہمشیرہ تھیں، آپ مولانا شبلی شیداؔ صاحب کے داماد اور خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ کے دادا حافظ عنایت اللہ کی تین اولادیں تھیں۔ حافظ عبدالغفور، حافظ عبدالرحمٰن، حافظ عبدالرحیم صاحبان۔

حافظ عبدالغفور صاحب کے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادے: حافظ سلامت اللہ۔ حافظ رحمت اللہ۔ حافظ برکت اللہ صاحبان۔

حافظ سلامت اللہ کے اکلوتے صاحبزادے حافظ محمد امین تھے، جن کے لڑکے

مولانا شمس الدین صاحب ندوی ہیں۔ حافظ عبدالغفور نے اپنے والد سے علیحدہ ہوکر خیرآباد بازار سے قریب جہاں عابدی خاندان کے لوگ آباد تھے۔ سید صفدر حسین، سید حیدر حسین، سید لیاقت حسین وغیرہم کے مکانات سے متصل زمین خرید کر وسیع مکان بنوایا تھا جس کو بعد میں اپنے مذکورہ تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا۔

حافظ رحمت اللہ صاحب کی ولادت کے بعد ان کی والدہ بیمار ہوگئی تھیں، اس لئے حافظ سلامت اللہ کی اہلیہ یعنی ان کی بھابھی نے انہیں دودھ پلایا، جو ایک نیک اور صالح خاتون تھیں جو کلہا پور بھیرہ کی ولی صفت اور صالح شخصیت حافظ حبیب کی صاحبزادی تھیں۔ امام صاحب کے والد حافظ عبدالغفور صاحب ایک مرد قلندر اور درویش شخص تھے، خلوت نشینی ان کو محبوب تھی، مزاج میں جلال تھا، عشق نبی میں سرشار رہتے اور اکثر وقت نعتیہ اشعار گنگناتے رہتے، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ دن کے اول اوقات میں کچھ کام کرتے کہ جس سے گھر کا گزارہ ہو جائے، صبح کے وقت قرآن شریف کی تعلیم دیتے تھے۔ گاؤں کے بہت سے لوگوں نے ان سے قرآن پڑھا ہے۔

امام صاحب علیہ الرحمہ نے قرآن پاک اپنے چچا حافظ عبدالرحیم علیہ الرحمہ سے حفظ کیا تھا، آپ کو قرآن بہت اچھا یاد تھا، قرآن کی تلاوت کثرت سے فرماتے تھے۔ حفظ ختم کرنے کے بعد ایک دو سال رمضان المبارک کی راتوں میں مَیں مدرسہ منبع العلوم میں رہ کر مولانا محمد اصغر صاحب کی نگرانی میں قرآن یاد کرتا تھا، اور سحری کے وقت گھر جاتا تھا، واپسی میں اکثر بازار والی مسجد میں جاکر وضو کرکے گھر جاتا تھا، کم ایسا ہوتا تھا کہ امام صاحب اس وقت تہجد میں قرآن پڑھتے ہوئے نہ ملتے ہوں، کبھی کبھار کچھ دیر رک کر ان کا قرآن سنتا تھا۔ ان کی تلاوت میں ایک سوز، رقت اور انابت الی اللہ کی کیفیت ہوتی تھی، وہ حروف کی ادائیگی پر بہت توجہ دیتے، رفتار بہت معتدل ہوتی، اسی لئے ایک پارہ مکمل ہونے میں وقت لگتا، کلام اللہ کی عظمت ان کے دل پر چھائی ہوئی ہوتی، اس لئے بڑے ادب اور وقار کے ساتھ تلاوت فرماتے۔ پورے خشوع وخضوع اور انہماک کے ساتھ نماز میں مشغول رہتے۔

حافظ عبدالرحیم صاحب:

حافظ عنایت اللہ صاحب کی اولادوں میں حافظ عبدالرحیم صاحب کی شخصیت بڑی اہمیت کی حامل تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ خیرآباد کے مسلمانوں کے تعلیمی، مذہبی اور ملی عروج کا انتظام وانصرام فرمایا۔ یہ خیرآباد کے پہلے امام عیدین ہیں، ان سے پہلے عیدین کی امامت محمدآباد کے لوگوں کے پاس تھی۔ امام صاحب کو اپنے والد حافظ عبدالغفور صاحب سے کم سیکھنے کو ملا کیونکہ وہ خلوت نشینی کے عادی تھے، گھر پر ان کا وقت کم گزرتا، ان کے مقابلہ میں ان کے چچا حافظ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمہ سماجی، عوامی اور دینی شخصیت کے حامل تھے، امام صاحب کی تعلیم وتربیت میں چچا حافظ عبدالرحیم صاحب کا بڑا کردار ہے، امام صاحب جب شعور وبلوغ کی عمر کو پہونچے تو حافظ عبدالرحیم صاحب کو جامع مسجد کے امام اور مدرسہ منبع العلوم کے ذمہ دار کی حیثیت سے دیکھا، خیرآباد کی سرزمین پر وارد ہونے والے علمائے کرام جیسے مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا سید محمد امین نصیرآبادی وغیرہم کے میزبان حافظ عبد الرحیم صاحب ہی ہوتے۔ مولانا نصیرآبادی تو پابندی کے ساتھ یہاں تشریف لاتے، جب ان کو خیرآباد آنا ہوتا تھا تو حافظ عبدالرحیم صاحب کو خط لکھتے، ان کے قیام وطعام کا بندوبست حافظ عبدالرحیم صاحب ہی کے ذمہ ہوتا، جس میں خیرآباد کے لوگوں کا تعاون شامل ہوتا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے کلھاپور بھیرہ جاتے ہوئے ایک مرتبہ خیرآباد قیام کیا تھا۔ حافظ عبدالرحیم نے شیخ واڑہ محمدآباد میں بھی ایک عرصہ تک امامت کی، اور جامع مسجد خیرآباد کی امامت کے ساتھ ایک عرصہ تک مدرسہ منبع العلوم کے ناظم بھی رہے۔

ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ (ستمبر ۱۹۵۰ء) میں حافظ صاحب حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، واپسی کے چند ماہ بعد ۱۹۵۰ء کے اخیر میں انتقال ہوا۔

جامع مسجد خیرآباد کی امامت:

حافظ عبدالرحیم صاحب کی حیات ہی میں اہل خیرآباد نے امام صاحب کو متفقہ طور پر امام منتخب فرمایا، یہ ۱۹۳۵ء کے آس پاس کی بات ہے۔ ۶۵ رسال سے زائد عرصہ تک آپ

جامع مسجد، عیدین اور جنائز کی امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔عیدگاہ اور جامع مسجد وغیرہ کی توسیعات کے موقع پر یا جب بھی ضرورت پڑتی مزدوروں کے ساتھ خود بھی کام کرتے۔حافظ عبدالرحیم صاحب کے فیض صحبت سے امام صاحب کا ذوق ومزاج بھی سماجی خدمت کا بن گیا تھا، اور ملی، سماجی، عوامی اور دینی خدمات کے لئے وقف تھے۔اس خاندان کو خدمت قرآن کی خوب توفیق ملی۔خود امام صاحب، ان کے والد حافظ عبدالغفور صاحب، چچا حافظ عبدالرحیم صاحب، بڑے بھائی حافظ سلامت اللہ صاحب، اور ان کے بہنوئی حافظ وقاری محمد یوسف صاحب جو نستعلیقی شخصیت کے مالک تھے، تعلیم وتہذیب کے دلدادہ اور تربیت کے ماہر تھے، اچھے قاری تھے، تجوید انھوں نے جونپور میں قاری عبدالرحمٰن صاحب سے پڑھی تھی، (حافظ یوسف صاحب ۱۹۵۰ء تک منبع العلوم کے ناظم بھی رہے) یہ سب حضرات بہترین حافظ قرآن تھے، خیرآباد کی کئی نسلوں نے ان حضرات سے قرآن پڑھا۔ حافظ سلامت اللہ صاحب کے صاحبزادے حافظ محمد امین مرحوم بھی بہترین حافظ تھے، اور مدرسہ منبع العلوم میں تدریسی فرائض انجام دیتے تھے، بڑے خوش مزاج، پرمزاح اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، میں نے بھی تعلیم کا آغاز حافظ صاحب کے پاس کیا، قاعدہ بغدادی سے لے کر عم پارہ وغیرہ انھیں کی خدمت میں رہ کر مکمل کیا، رائٹنگ بڑی عمدہ تھی۔خود امام صاحب کو تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا، رمضان المبارک میں ختم قرآن کے بعد شبینہ تراویح یعنی ایک یا تین راتوں میں پورا قرآن سنانے سے کافی دلچسپی تھی، خیرآباد کی مختلف مساجد اور عیدگاہ میں اس کا اہتمام فرماتے تھے، جس میں ان کے بچے.... جس میں اکثر ماشاءاللہ حافظ ہیں.....اور خیرآباد کے دیگر حفاظ اس میں شریک ہوتے۔

امام صاحب ایک وسیع النظر انسان تھے، حالات پر ان کی نگاہ رہتی تھی، چاہے ملکی حالات ہوں یا بیرونی، ہرنئی صورت حال سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے، معلومات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے پابندی کے ساتھ اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرتے۔وہ جامع مسجد وعیدین کے امام اور گاؤں کی ایک مقتدر شخصیت تھے، لوگوں کے قلوب میں ان کی بڑی

عزت ووقعت تھی، ایک ذمہ دار شخص ہونے کی وجہ سے علماء، اصحاب ثروت، عوام اورافسران سب سے سابقہ رہتا تھا، آپ اپنے زہد وتقویٰ، ایثار وخلوص، حق گوئی وبے باکی، اور خدمت خلق جیسے اخلاقی خصائص وخصائل کی وجہ سے ہر ایک کے نزدیک محبوب و باعزت تھے، ہر ایک پر آپ کا رعب اوراثر قائم تھا، اور ہر شخص آپ کا احترام کرتا تھا۔تواضع ومنکسر المزاجی اورعفو ودرگزر آپ کا خاص وصف تھا، کسی سے اگر تکلیف پہونچی ہوتی تو آپ معاف فرما دیتے، پھر آپ کا اس سے تعلق ویسا ہی ہوجاتا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

مدرسہ عربیہ منبع العلوم سے آپ کو ایک خاص لگاؤ اور تعلق تھا، شوریٰ کے ایک اہم ممبر تھے، اس کے اجلاس میں شرکت سے لے کر اس کی تمام ضرورتوں کی فکر کرنا، ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لئے سعی وکوشش کرنا، مدرسہ کے قدیم ناظم مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ مدرسہ کے عروج وترقی میں شامل رہنا، یہاں تک کہ سالانہ امتحان کی مناسبت سے طلبہ کے انعام کے لئے بنارس جاتے اور انعام کی اشیا خرید کرلاتے، یہ سارے کام فی سبیل اللہ کرتے، نہ تنخواہ لیتے اور نہ کسی طرح کا اکرامیہ۔

اسی طرح مساجد اور مدارس کے لئے فنڈ اکٹھا کرنا، مدارس کے سفراء کا تعاون کرنا، اہل خیر سے ان کا تعارف کرانا، شبینہ عوامی چندوں کا نظم کرنا، فسادات کے نتیجہ میں مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان ہونے پر مصیبت زدگان کے لئے چندہ جمع کرنا اور ان تک امداد پہونچانا، غریبوں اور ناداروں کے لئے جن کے پاس اپنا مکان اور زمین نہ ہوتی، اہل خیر کی توجہ مبذول کرا کر ان کے لئے زمین خرید کر مکان بنوانا، ان سب میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔

امام صاحب کو علماء کرام اور بزرگان دین سے ایک دیرینہ اور قلبی لگاؤ تھا۔مولانا سید امین صاحب نصیرآبادی جن کا خیرآباد کی دینی اصلاح میں ایک بڑا حصہ ہے، آپ کے چچا حافظ عبدالرحیم صاحب کے یہاں قیام فرماتے تھے، ان سے گہری عقیدت اور وابستگی تھی، ان کے واقعات امام صاحب کی زبان سے میں نے سنے ہیں، اسی طرح ان کے بعد ان کے خلیفہ مولانا محمد سعید صاحب سے، بلکہ اس خانوادے سے غیر معمولی محبت اور تعلق تھا،

جس کا تذکرہ اکثر فرماتے اور بزرگوں کے واقعات سناتے۔ مئو اور مبارکپور کے اکابر علماء کرام جیسے محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، شیخ الحدیث مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی، مشہور سلفی عالم مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری، مولانا بشیر احمد صاحب، مولانا عبد الباری صاحب قاسمی، مولانا شکر اللہ صاحب، مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی وغیرہم، ان سبھی حضرات سے گہرا تعلق تھا۔ یہ حضرات بھی امام صاحب کا بہت اکرام فرماتے تھے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث الاعظمی تو بہت عزت کرتے تھے۔

حرمین شریفین کی زیارت کا شوق ہمیشہ اپنے دل میں سجائے رکھتے تھے، سفر حج کے واقعات، مقامات مقدسہ کی زیارت کے نقوش اور یادیں اکثر بیان کرتے۔ آپ کو تین مرتبہ حج کی سعادت حاصل ہوئی: پہلا حج ۱۹۵۸ء میں کیا، اس سال خیرآباد سے ۴۰؍ سے زائد حجاج کرام تھے، ہمارے دادا حاجی محمد ابراہیم صاحب نے بھی پہلا حج اسی سال کیا تھا۔ دوسرا حج اہلیہ کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں کیا، اس حج میں ان کے صاحبزادے قاری منظور صاحب بھی ساتھ تھے، قاری صاحب کا یہ پہلا حج تھا، اسی سال مدینہ یونیورسٹی میں ان کا داخلہ ہوا تھا، اور تیسرا حج ۱۹۸۳ء میں حج بدل کیا، حاجی انوار الحق صاحب اور ان کے بھائیوں نے اپنے والد مرحوم کی طرف سے کروایا تھا، اس سفر میں واپسی کے وقت رابغ نامی مقام پر گاڑی کا حادثہ ہوگیا جس میں وہ زخمی ہوگئے تھے۔

امام صاحب خود عالم تو نہیں تھے، لیکن ان کو تعلیم کے فروغ سے کافی دلچسپی تھی، انھوں نے اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی، فروغِ تعلیم کے لئے مدرسہ منبع العلوم اور اقرا پبلک اسکول کے واسطہ سے بھرپور حصہ لیا، بلکہ اقرا پبلک اسکول کے آغاز میں تو اپنا ذاتی مکان بھی عارضی طور پر پیش کردیا جس میں اسکول ایک مدت تک چلتا رہا۔ آپ کی یہ فکر آپ کی اولاد میں بھی منتقل ہوئی، آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا عبد العزیز صاحب نے ایک انگلش میڈیم اسکول ''ہیون گارڈن'' کے نام سے قائم کیا، اور آپ کی یاد میں ۲۰۱۰ء میں ایک تعلیمی ادارہ ''معهد الرحمة للتعليم و التدريب'' بھی قائم کیا۔

آپ خیرآباد گرام پنچایت کے ۱۹۵۶ء میں بلا مقابلہ پردھان منتخب ہوئے، آپ کے دور میں خیرآباد بازار سے کلنڈر تک والا روڈ بنا، جب حج کو جانے لگے تو پردھانی مرحوم حاجی شفیع احمد کو سونپ دی، اور خود سبکدوش ہوگئے۔

امام صاحب نے کافی طویل عمر پائی، جب بڑھاپے کی عمر کو پہونچے، اور قویٰ کمزور ہوگئے، پیروں سے چلنا دشوار ہوگیا، تو امامت سے مستعفی ہوگئے، گھر ہی میں لیٹے رہتے، اور یہیں ساری نمازیں ادا کرتے۔ اخیر وقت تک ہوش وحواس بالکل درست تھے، ان کے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز صاحب بالکل آخری وقت کی حالت بتاتے ہیں کہ:

> ......بھائی صاحب نے خیریت پوچھی تو والد صاحب نے فرمایا الحمدللہ بہت اچھا ہوں، یہ موت کے وقت کا حال ہے، الغرض ہر کلمۂ خیر وشکر والد صاحب اپنی زبان سے ادا کرتے جارہے تھے، چہرے کا نور بڑھتا جارہا تھا، ذرا بھی بے چینی اور گھبراہٹ نہیں تھی، اسی حالت میں ہم لوگوں نے اور ہماری بہن محترمہ عائشہ نے وضو کرایا، اب تو چہرے کی رونق دیکھتے ہی بنتی تھی، ہماری نگاہیں آپ کے چہرہ انور واشرف پر مرکوز تھیں، لبوں پہ جنبش ہوئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون أللّٰهم ارض عن عبدک الحافظ الإمام رحمة الله، تغشاک رحمة الرحمن، یا أبتاه !**

امام صاحب کا انتقال ۳۱ / دسمبر ۲۰۰۰ء کو ہوا، اس وقت شیرواں سرائمیر میں عالمی تبلیغی جماعت کا اجتماع چل رہا تھا، جس میں گاؤں کی ایک بڑی تعداد گئی ہوئی تھی، میں بھی وہیں تھا، اس لئے جنازہ میں شرکت سے محرومی رہی۔ باری تعالیٰ اس خادم قوم وملت کی مغفرت فرمائیں اور اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائیں۔

آپ کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: قاری نذیر احمد، مولانا قاری منظور احمد، ماسٹر معین الدین، عبدالحفیظ، حافظ فضل اللہ، مولانا حافظ عبدالعزیز ندوی۔

(یہ مضمون مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب ندوی کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں لکھا گیا۔)

مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی

استاذ العلماء مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی جو یہاں کے عرف عام میں صدر صاحب سے مشہور تھے۔ ۱۹۸۰ء سے پہلے خیرآباد میں جتنے لوگوں نے درس نظامی کی تعلیم حاصل کی ہے تقریباً سب ہی مولانا کے شاگرد ہیں اور سب کے سب ان کے اعلیٰ اخلاق واوصاف، صفائی معاملات، پابندیٔ اوقات، جذبۂ اتباع سنت اور تدریسی مہارت کے معترف ہیں۔ مولانا نے منبع العلوم خیرآباد میں چالیس سال کے قریب پڑھایا، اور ابتداء ہی سے صدارت تدریس کے منصب پر فائز رہے، اس دوران سیکڑوں طلباء نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، ان کے واسطے سے آپ کا فیضان علمی اندرون ملک وبیرون ملک تک عام ہوا۔

نام: نذیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ بن معین الدین بن محمد حسن

۸ر ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق (۱۵ر مارچ ۱۹۱۳ء) میں خیرآباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ مولانا کے صاحبزادے مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مدظلہ (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) اپنی ایک یادداشت میں لکھتے ہیں کہ:

> ’’قرآن پاک ناظرہ، اردو، حساب وغیرہ حافظ محمد یوسف صاحب گونچھوی سے پڑھا، اور فارسی کی تعلیم حضرت مولانا شاہ محمد صاحب (سَرَیّانوی) مبارکپوری سے حاصل کی، اول الذکر حافظ صاحب قرآن شریف، ناظرہ، اردو اور حساب وغیرہ کی تعلیم میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اور مولانا شاہ محمد صاحب حضرت مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی، مولانا عبدالعلیم صاحب رسول پوری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی) مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے شاگرد تھے۔‘‘ (کھوئے ہوؤں کی جستجو.....ص:۱۰۳)

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ مدرسہ معروفیہ پورہ معروف تشریف لے گئے، جہاں اس

وقت خیرآباد ہی کے مولانا شبلی شیدؔا خیرآبادی مدرس تھے، جو فارسی کے ماہر استاذ اور اردو وفارسی کے بہترین ادیب وشاعر اور اعلیٰ درجہ کے معلم ومربی تھے، ہوسکتا ہے کہ اسی وطنی نسبت کی وجہ سے مولانا وہاں تشریف لے گئے ہوں، مولانا شبلی صاحب کی تقرری مدرسہ معروفیہ میں ۲۵؍محرم ۱۳۴۵ھ مطابق ۵؍اگست ۱۹۲۶ء (پنجشنبہ) کو ہوئی ہے، تو مولانا کا وہاں جانا اس کے بعد ہوا ہوگا۔ مولانا شبلی صاحب سے فارسی کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اس وقت مدرسہ معروفیہ میں ایک دوسرے استاذ مولانا عبدالحی صاحب مئوی تھے، جو محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کے ہم سبق ساتھیوں میں سے تھے، ان سے مولانا نے میزان سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھیں۔ مولانا عبدالحی صاحب ٹھوس اور پختہ علم رکھنے والے بہترین مدرس تھے، مولانا کو ان سے بڑی عقیدت ومحبت تھی، ان کا ارادہ تھا کہ دورہ حدیث تک کی تمام کتابیں انھیں سے پڑھیں، لیکن مدرسہ معروفیہ میں دورۂ حدیث کا نظم نہیں تھا، اس لئے مجبوراً ایک سال کے لئے دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا، جو اس وقت اپنی عمدہ اور معیاری تعلیم کے لئے بہت مشہور تھا۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی علیہ الرحمۃ کے خاص شاگرد مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلیؒ جو ان دنوں دارالعلوم مئو کے شیخ الحدیث تھے، ان سے بخاری شریف پڑھی۔ اور مولانا محمد صدیق صاحب ہزاروی، مولانا عبدالمتین صاحب پشاوری، مولانا اسلام الحق صاحب کوپاگنجی وغیرہ سے دیگر کتابیں پڑھ کر شعبان ۱۳۵۲ھ (دسمبر ۱۹۳۳ء) میں دورۂ حدیث سے امتیازی پوزیشن کے ساتھ فارغ ہوئے۔ مولانا قاری ریاست علی صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم مئو) آپ کے درسی ساتھی ہیں، آپ لوگوں کی دستار بندی علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ہاتھوں ہوئی۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

> ''اپنی قوت واستعداد، صلاحیت اور ذہانت وذکاوت کی وجہ سے آپ دارالعلوم کے طلبہ میں ممتاز شمار کئے جاتے تھے، خاص کر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی آپ کو بہت چاہتے تھے، بڑی شفقت ومحبت کا برتاؤ فرماتے، اور ان کی استعداد پر بہت اعتماد فرماتے۔ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب جیسے یکتائے روزگار

عالم نے آپ کی سند میں امتیازی الفاظ لکھے۔ ارباب دارالعلوم کی زبانی بار بار یہ سننے میں آیا کہ دارالعلوم مئو کی تاریخ میں ایسی اعلیٰ اور امتیازی سند کسی کو نہیں ملی، جیسی مولانا نذیر احمد صاحب کو ملی ہے، خیرآباد میں اب تک کوئی باقاعدہ پورا عالم نہیں تھا، سب سے پہلے والد صاحب خیرآباد میں عالم وفاضل بن کر آئے۔'' [تحقیق کی رُو سے درست یہ ہے کہ مولانا عبدالسمیع صاحب محلّہ اتراری صدر صاحب سے دو سال پہلے کے فارغ ہیں،]

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد قصبہ رسڑا ضلع بلیا کے ایک مدرسہ میں کچھ دنوں تک صدر مدرس کی حیثیت سے رہے، اس کے بعد شہر دربھنگہ (بہار) میں پڑھایا، پھر اپنے وطن خیرآباد آگئے اور منبع العلوم میں مدرس ہو گئے، کچھ عرصہ کے بعد بعض اختلافات کی بنا پر مستعفی ہو کر چند سال گھر رہے، اس کے بعد دوبارہ ۸/ مارچ ۱۹۵۱ء (۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ) میں مدرسہ منبع العلوم میں تقرری ہوئی، دورِ ثانی میں مولانا کی مدت تدریس ساڑھے اٹھائیس سال ہے۔ جب تک یہاں رہے نہایت شان وشوکت اور وقار کے ساتھ رہے، آپ کا رعب اس قدر تھا کہ طلبہ تو طلبہ اساتذہ بھی اس کے زیر اثر رہتے تھے، مگر یہ کسی خوف کی بنا پر نہیں بلکہ غایت احترام وتعظیم کی بنا پر تھا۔ ۲۲/ستمبر ۱۹۷۹ء [۲۹/شوال ۱۳۹۹ھ] میں اپنے ضعف وپیرانہ سالی کی بنا پر تدریسی خدمات سے سبکدوش ہو گئے۔

تلامذہ:

آپ کی کل مدت تدریس نصف صدی کے قریب ہے، اس عرصہ میں نہ جانے کتنے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ہوگا؟ چند مشہور تلامذہ کے نام ذیل میں دئے جارہے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے واسطے سے مولانا کا علمی فیضان کتنا عام ہوا ہے۔

☆ مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی خیرآبادیؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا)

☆ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی، [صاحبزادہ محترم] (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند)

☆ مولانا شمیم احمد صاحب غالب پوری (سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم، مئو)

☆ مولانا عبدالحی صاحب قاسمیؒ [صاحبزادہ محترم]

☆ مولانا لیاقت علی صاحب اعظمی (سابق شیخ الحدیث جامعہ مصباح العلوم کوپا گنج)
☆ مولانا عبدالحی صاحب مفتاحی (ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد)
☆ مولانا ابواللیث صاحب خیرآبادی، (پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، کوالالمپور، ملیشیا،)
☆ مولانا امتیاز احمد صاحب خیرآبادیؒ۔ ☆ مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی
☆ مولانا عبدالصمد صاحب بستوی۔ ☆ مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی
☆ مولانا انوار احمد صاحب خیرآبادی۔ ☆ مولانا ضیاء الدین صاحب خیرآبادی وغیرہ

لائق اتباع اوصاف: مولانا ایک بااصول زندگی گزارنے والے صاحب ورع وتقویٰ اور متبع سنت انسان تھے۔ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، مسواک اور سرمہ کا ہمیشہ اہتمام کرتے تھے۔ تلاوت قرآن کا ایک معمول تھا جس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا تھا۔ معاملات کے نہایت کھرے اور صاف ستھرے تھے، جھوٹ، دھوکہ دہی یا کسی بھی طرح کی بدمعاملگی سے سخت نفرت تھی، مولانا کی زندگی اس حدیث کا مصداق تھی: **لاورع کالکف**، کہ حرام سے بچنا ہی سب سے بڑا تقویٰ ہے۔

بڑے باذوق، نفیس الطبع اور خوش لباس وخوش پوشاک انسان تھے، کوئی چیز خریدتے تو ہمیشہ عمدہ نفیس چیز منتخب کرتے، ہر چیز کا استعمال بڑی احتیاط کے ساتھ کرتے جس سے مستعمل چیزیں بہت دن تک خراب نہیں ہوتی تھیں۔

وفات: آپ کی صحت بحیثیت مجموعی ہمیشہ اچھی رہی، اخیر زمانے میں پیرانہ سالی کی وجہ سے ضعف اور دوسرے عوارض پیدا ہوگئے، ۳۰/دسمبر ۱۹۸۸ء کا دن گزار کر رات میں آپ کا انتقال ہوا، انتقال سے پہلے آپ نے نگاہ اوپر اٹھائی، لبوں پر مسکراہٹ تھی، اسی دوران لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے آپ کی روح اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوگئی۔ آپ کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادوں میں مفتی حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب ہیں۔ آخر الذکر کی اقتداء میں علماء وصلحاء کے ایک کثیر مجمع نے نماز جنازہ ادا کی اور سپرد خاک کیا۔ **رحمه الله رحمةً واسعةً**

مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی

انیسویں صدی کے آغاز میں مولوی نعمت اللہ صاحب خیرآباد کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، ان کا باغ مولوی صاحب کے باغ کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ مولانا عبدالحق انھیں مولوی نعمت اللہ صاحب کے خاندان کے چشم وچراغ تھے، خیرآباد کے قدیم فضلاء میں سے تھے، ایک طویل عرصہ تک مدرسہ منبع العلوم کے ناظم رہے۔

نام: عبدالحق بن محمد یوسف ولادت: ۱۳۳۴ھ [۱۹۱۶ء]

مولانا عبدالحق صاحب پورے گاؤں میں ناظم صاحب کے نام سے مشہور تھے، ہرفرد ان کی دل سے عزت کرتا تھا، بڑے منکسر المزاج اور متواضع تھے، ایک عام آدمی کی بات بھی اتنے ہی دھیان سے سنتے جس طرح کسی معزز عالم کی، ہرشخص اپنے مسائل ان سے بیان کر کے حل کراتا تھا، طلبہ واساتذہ سب کے نزدیک بڑے محبوب تھے۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، مولانا کی فراغت دارالعلوم مئو سے شعبان ۱۳۵۷ھ [اکتوبر ۱۹۳۸ء] میں ہوئی جیسا کہ دارالعلوم کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے، اس کے علاوہ مولانا نے کہاں کہاں اور کس سے تعلیم حاصل کی، کوشش کے باوجود معلوم نہ ہوسکا، بعض بزرگوں نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ پورہ معروف پڑھ کر مئو گئے ہوں گے۔ اس تاریخ کو لکھنے کے دوران اس بات کا شدید احساس ہوا کہ ہمارے دیار کے مدارس جیسے مبارک پور، مئو اور پورہ معروف میں پرانے ریکارڈ کی حفاظت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، جو کچھ ریکارڈ موجود ہیں وہ بھی ٹھیک سے منضبط نہیں ہیں، اس لئے پورہ معروف سے مولانا کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ افسوس ہے کہ تین دہائیوں تک مدرسہ کی نظامت کرنے والے اور گاؤں کے سماجی ورفاہی امور میں پیش پیش رہنے والے شخص

کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں، ہفتوں کی تگ ودو کے بعد بس اتنا معلوم ہوسکا کہ مولانا دارالعلوم مئو میں پڑھتے تھے، کب پڑھا، کتنے عرصہ تک پڑھا، یہ کسی کو پتہ نہ تھا، ان کے اہل خاندان کو بھی نہیں، میں نے دارالعلوم مئو رابطہ کرکے کسی طرح ان کا ریکارڈ نکلوایا تو اس سے سن پیدائش اور فراغت کا علم ہوا، اس سے زیادہ وہاں بھی کچھ درج نہ تھا۔

فراغت کے بعد مولانا گھر پر رہے، ۱۹۴۵ء کے آس پاس گاؤں کے مدرسہ میں کچھ اختلاف ہوا، جس کے نتیجہ میں مدرسہ دو جگہ ہوگیا، اور دونوں مدرسہ جامع مسجد خیرآباد میں ہی چلتا رہا، ایک جنوب مشرقی حصہ میں، دوسرا شمال مغربی حصہ میں، اس وقت ایک کے ناظم مولانا عبدالحق صاحب تھے، دس سال کے بعد مولانا محمد سعید صاحب [جو مولانا سید امین صاحب نصیرآبادی کے متوسلین میں سے تھے] کی کوششوں سے صلح کے بعد مدرسہ ایک جگہ ہوا تو ۱۰/محرم ۱۳۷۶ھ [۱۷/اگست ۱۹۵۶ء] کو مولانا پورے مدرسہ کے ناظم بنائے گئے، اور تاحیات ۱۸/شعبان ۱۳۹۷ھ/ ۵/اگست ۱۹۷۷ء تک مدرسہ کے ناظم رہے۔

مدرسہ کے انتظامی امور پر پوری گرفت تھی، تعلیمی امور صدرالمدرسین مولانا نذیر احمد صاحب کے ذمہ تھے، ناظم صاحب ان کے کام میں کبھی دخل نہیں دیتے تھے، مدرسہ کے اساتذہ سے ایسا معاملہ رکھتے کہ وہ بے تکلفی سے اپنی باتیں ناظم صاحب سے کہتے تھے، طلبۂ مدرسہ کے عام مسائل تو صدر صاحب حل کردیا کرتے تھے بہت کم نوبت آتی تھی کہ ناظم صاحب تک بات جائے۔ طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، ضرورت کے وقت ان کا تعاون کرتے۔ اساتذہ پر اتنے مہربان تھے کہ اگر ۲۹/تاریخ ہے اور دوسرے دن جمعہ یا منگل (بازار کا دن) ہے تو تنخواہ ۲۹/تاریخ کو ہی دیدیتے تھے چاند ہو یا نہ ہو، تاکہ مدرسین کو سہولت رہے۔ سماجی مسائل حل کرانے میں سرگرم رہتے تھے، پنچایت وغیرہ میں ان کا فیصلہ سب تسلیم کرتے تھے۔ ۱۸/شعبان ۱۳۹۷ھ مطابق ۵/اگست ۱۹۷۷ء جمعہ کو انتقال ہوا، مولوی صاحب کے باغ میں تدفین ہوئی جو اُن لوگوں کا خاندانی قبرستان ہے۔ آپ کی اولاد میں چار بیٹے محفوظ الرحمٰن، حفظ الرحمٰن، مسعود الرحمٰن، افضال الحق اور ۵/بیٹیاں ہیں۔

مولانا مفتی محمد صدیق صاحب اشرفی

نام: محمد صدیق بن نور محمد (دلال) بن امام الدین۔

تاریخ ولادت: ۲۹؍رجب المرجب ۱۳۳۴ھ مطابق یکم جون ۱۹۱۶ء جمعرات

مفتی محمد صدیق صاحب خیرآبادی بریلوی جماعت کے بڑے عالم اور سرگرم و پُرجوش داعی تھے۔ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد کے بانی ہیں۔ مولانا کے سوانحی حالات بہت کم دستیاب ہیں، حالانکہ ان کے انتقال کو ابھی ۴۸؍سال ہو رہے ہیں، ان کو دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے والے بہت سے حضرات ابھی موجود ہوں گے۔ میں مولانا بدرالدجیٰ صاحب مصباحی کے عطا کردہ رسالہ ''اظہار حق'' کی مدد سے سوانحی حالات لکھ رہا ہوں، مولانا موصوف نے از راہ عنایت اپنا یہ رسالہ عطا کیا، جس پر میں ان کا شکر گزار ہوں۔

مولانا کی مکتبی تعلیم خیرآباد میں ہوئی لیکن اس کی کوئی تفصیل رسالہ میں درج نہیں۔

خیرآباد کے بعد مبارکپور کے کسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس زمانہ میں مولانا شاہ علی حسین صاحب کچھوچھویؒ کے دورے خیرآباد اور اس کے مضافات میں ہوتے تھے جیسا کہ حافظ شعیب صاحب نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی ایما پر اجمیر مولانا امجد علی صاحب گھوسویؒ (مصنف بہار شریعت) کی خدمت میں پہنچے اور وہیں سے درس نظامی کی تکمیل کی، لیکن متعین طور پر سن فراغت معلوم نہیں ہے، ۱۹۳۳ء کے آس پاس فراغت کا اندازہ ہے۔ بیعت وارادت کا تعلق مولانا شاہ علی حسین صاحبؒ سے تھا، انھیں سے خلافت واجازت کی بھی روایت ہے۔

عقد مسنون مولانا عبدالباقی (بن مولانا عبدالعلیم صاحب رسولپوری[۱]) کی صاحبزادی سے ہوا، اہلیہ کا انتقال مولانا کے انتقال کے بعد ہوا، آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

تدریسی، تبلیغی اور دعوتی سرگرمیاں:

مفتی صاحب کی فراغت اور ابتدائی تدریس کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہے۔۱۹۳۶ء[۱۳۵۵ھ] میں قصبہ جین پور میں تدریس کے لئے تقرری ہوئی، وہاں آپ کی تحریک پر اس وقت کے علماء ومشائخ کے ہاتھوں مدرسہ انوار العلوم جین پور کی بنیاد رکھی گئی، مولانا کب تک وہاں رہے اس کی تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں، اسی وقت مولانا کی تحریک پر ۱۹۳۶ء میں مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد کی بنیاد رکھی گئی، اس مدرسہ کا تعارف وتفصیلات کتاب کے حصہ اول میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جین پور کے بعد مدرسہ عربیہ حنفیہ مالیگاؤں بحیثیت ناظم اعلیٰ وصدرالمدرسین تشریف لے گئے، اور آپ کی سعی وکاوش سے ادارے نے کافی ترقی کی، ۲۲،۲۳،۲۴ر مئی ۱۹۶۰ء میں آپ کی کوششوں سے سنی جمعیۃ علماء کی ایک عظیم کانفرنس ہوئی جس میں اس وقت کے اکابر علماء وخطباء اور مشائخ اہل سنت نے شرکت کی۔ مدرسہ حنفیہ میں آپ کا قیام کتنے سالوں رہا، اس سے کتابچہ کے اوراق خاموش ہیں، وہاں سے ناسک یا برہان پور وغیرہ گئے لیکن زیادہ دنوں وہاں نہیں رہے اور پھر مالیگاؤں آئے اور یہاں ایک مدرسہ "دارالعلوم اشرفیہ" خوش آمد پورہ کی بنیاد رکھی اور اسے بام عروج تک پہنچایا اور یہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔۱۹۶۱ء میں آپ نے سرزمین مالیگاؤں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔

مالیگاؤں کے بعد آپ جبل پور تشریف لے گئے وہاں بھی ایک مدرسہ قائم کیا، جو مین روڈ جبل پور میں واقع ہے۔ یہاں سے گوا تشریف لے گئے جہاں آپ پر فالج کا اٹیک ہوا، جب اہل خانہ کو اس کی خبر ملی تو آپ کو لے کر خیرآباد آئے، اور کچھ دنوں اپنے قائم کردہ مدرسہ ضیاء العلوم میں رہے، لیکن فالج کے اثرات بدستور باقی رہے یہاں تک کہ ۷ر ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۷۴ء بروز دوشنبہ آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی، احاطہ سید جعفر شاہؒ کی جنوبی دیوار کے باہر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

---

(۱) مولانا عبدالعلیم صاحب اپنے وقت کے نامور عالم اور قاضی اطہر مبارکپوری کے نانا مولانا احمد حسین کے سگے بھائی تھے۔

مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی

مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی خیرآباد کے ممتاز علماء میں سے تھے، وہ خیرآباد سے دیوبند جانے والے سب سے پہلے طالب علم تھے، گوکہ خرابی صحت کی بنا پر وہاں سے سند فضیلت نہ حاصل کر سکے۔ محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ سے مفتاح العلوم مئو میں بخاری شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا عبدالشکور صاحب کے یہاں دارالمبلغین لکھنؤ میں تین سال رہ کر تبلیغ واشاعت دین کے فن میں اچھی مہارت بہم پہنچائی۔ آپ ایک بہترین وشیریں مقال مقرر تھے، انشاء پردازی اور علم وادب میں عمدہ دستگاہ تھی، فن شاعری پر اچھا عبور تھا، زمانہ طالب علمی سے ہی بہترین نظمیں اور غزلیں کہتے تھے۔ سیاسیات سے بھی دلچسپی تھی، مدح صحابہ کے سلسلہ میں قید وبند کی صعوبت بھی برداشت کی، ملک کی تحریک آزادی میں نہایت دلیری اور جرأت وبے باکی کے ساتھ حصہ لیا۔

نام: محمد سلیمان بن احمد علی بن عنایت اللہ۔

شوال ۱۳۳۶ھ/ جولائی ۱۹۱۸ء میں خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان دینی ودنیوی وجاہتوں سے معمور تھا، آپ کے والد ایک علمی آدمی تھے اور فارسی میں مہارت رکھتے تھے، آپ کے دادا عنایت اللہ صاحب خیرآباد کی مشہور شخصیت مولوی نعمت اللہ صاحب...... جن کا باغ ''مولوی صاحب کے باغ'' کے نام سے مشہور ہے...... کے سگے بھائی تھے، عنایت اللہ صاحب کے کل سات بھائی تھے۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں مولانا شاہ محمد صاحب سَرَیّانویؒ سے حاصل کی، جو مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی، مولانا عبدالعلیم صاحب رسولپوری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری اور میاں نذیر حسین صاحب سے شرف تلمذ رکھتے تھے، لیکن اس کے

باوجود نہایت پختہ قسم کے حنفی تھے۔ فارسی پڑھنے کے بعد عربی تعلیم کے حصول کے لئے پورہ معروف تشریف لے گئے، اور مدرسہ معروفیہ میں میزان سے شرح جامی تک تعلیم مولانا عبدالحی صاحب مئوی سے حاصل کی۔ اس کے بعد والد محترم کی ایماء پر شوال [۱۳۵۵ھ] میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں مطلوبہ درجہ میں بآسانی داخلہ ہوگیا، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہیں آئی، پورے سال امراض وعوارض کا سلسلہ جاری رہا، سال پورا کر کے گھر آئے، گھر آنے کے بعد چند دنوں میں صحت بحال ہوگئی، تو مفتاح العلوم مئو جانے کا فیصلہ کیا جہاں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ، مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی اور مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی جیسے اساطین فن مسند تدریس پر رونق افروز تھے، شعبان ۱۳۵۸ھ [ستمبر ۱۹۳۹ء) میں یہیں سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

زمانۂ طالب علمی سے ہی مولانا کے اندر تقریر وخطابت کا ایک جوش اور ولولہ تھا، پورہ معروف سے آتے تو جمعہ کے روز خیرآباد کی جامع مسجد میں تقریر کرتے تھے، اس مناسبت نے فراغت کے بعد امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے قائم کردہ ادارہ دارالمبلغین لکھنؤ پہنچادیا، جہاں امام اہل سنت کی نگرانی میں طلبہ کو تحریر وتقریر اور مناظرہ کی مشق کرائی جاتی تھی، خصوصاً ردشیعیت پر خاص تیاری کرائی جاتی تھی، آپ تین سال وہاں رہ کر تقریر وخطابت، فن مناظرہ اور ردشیعیت کے موضوع پر طاق ہوگئے۔ مولانا انتہائی ذہین وطباع تھے، فارسی زبان کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، مولانا شبلی صاحب شیؔدا کی صحبت نے دوآتشہ کا کام کیا، اور شعروشاعری میں بھی استادانہ مہارت پیدا کی، حافظ محمد شعیب صاحب شاکر کے قرب نے سیاسیات وملکی تحریکوں میں دلچسپی پیدا کی۔

تدریسی خدمات:

مولانا عبدالحی صاحب مئوی ایک ماہر مدرس تھے، ان کی توجہات نے مولانا کو بھی بہترین مدرس بنادیا تھا، ۱۳۶۱ھ میں دارالمبلغین سے تکمیل کے بعد امام اہل سنت نے آپ کو محمودآباد بھیجا جو ایک شیعی ریاست تھی، یہاں مولانا نو سال رہے، اور پوری جرأت کے ساتھ

رافضیت کی بیخ کنی اور دین محمدی کی نشر واشاعت میں مصروف رہے۔ نو سال کے بعد [۱۳۷۰ھ میں] والدین کی ضعیفی اور خانگی احوال کی وجہ سے وطن عزیز خیرآباد آگئے۔

یہاں اپنی مادر علمی مدرسہ منبع العلوم میں چندسال تدریسی خدمات انجام دیں، اوقات مدرسہ کے علاوہ شوقین طلبہ کو اپنے گھر پر مختلف کتابیں پڑھاتے تھے، میرے والد حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے بھی کچھ کتابیں مولانا سے پڑھی ہیں، چندسال کے بعد تدریس کو چھوڑ کر مولانا نے کاروباری لائن اختیار کرلی، جب یہ خبران کے استاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی کو ہوئی تو انھوں نے ناگواری کا اظہار کیا اور کہا کہ میں جلد ہی تمھیں کسی مناسب جگہ بھیجوں گا تم اس کے لئے تیار رہو، چنانچہ مولانا عبدالغنی صاحب رسولوی کی طلب پر ان کو جامعہ مدینۃ العلوم رسولی (بارہ بنکی) بھیج دیا، جہاں ترمذی ومسلم شریف اور موقوف علیہ کی کتابیں آپ کے سپرد کی گئیں، چندسال وہاں رہے، لیکن وہاں کے حالات اطمینان بخش نہ ہونے کی وجہ سے محدث کبیر علیہ الرحمہ نے مولانا عبدالقادر صاحب مالیگانوی [رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند] کی اس درخواست پر کہ مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں دورۂ حدیث پڑھانے کے لئے کوئی استاذ دیں تو آپ کو مالیگاؤں بھیج دیا، جہاں آپ نے ۱۳/سال بحیثیت شیخ الحدیث گزارے، آپ کے درس بخاری کے شہرہ سے پورا مہاراشٹر گونج اٹھا، ۱۳/ سال کے بعد کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ مولانا نے وہاں سے استعفیٰ دیدیا۔ بیت العلوم سے استعفیٰ کے بعد مالیگاؤں کے بہت سے دیندار واہل علم حضرات نے آناً فاناً ایک اقامتی درسگاہ دارالعلوم محمدیہ کے نام سے قائم کی، اور چند دنوں میں یہاں دورۂ حدیث تک تعلیم پہنچ گئی، مولانا یہاں ۸/سال رہے، اس کے بعد مولانا غلام محمد وُستانوی صاحب ۱۴۲۰ھ میں باصرار اپنے مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا شیخ الحدیث بنا کر لے گئے، جہاں مولانا اپنی اخیر حیات تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

شعبان ۱۴۲۰ھ (نومبر ۱۹۹۹ء) میں مولانا اپنے وطن خیرآباد تشریف لائے، کچھ دن قیام کے بعد اپنے صاحبزادے مولوی شاہد جمال صاحب کے ہمراہ ناندیڑ چلے گئے

جہاں ان کا قیام ہے، ناندیڑ میں ہی ۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۸؍دسمبر ۱۹۹۹ء کو مولانا کا انتقال ہوا، اور یہیں کا قبرستان آپ کی آخری آرام گاہ قرار پایا، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

میں نے مولانا سے ان کے اخیر زمانے میں جب خیرآباد آتے ملاقات کی ہے اور تقریر بھی سنی ہے، اس وقت بھی بڑی عمدہ تقریر کرتے تھے، میں نے زبان وبیان کی عمدگی کی تعریف کی تو کہنے لگے کہ یہ تو چل چلاؤ ہے تقریر تو فراغت کے بعد کے چند سالوں میں کرتا تھا وہ سننے کے لائق ہوتی تھی، میں نے اسی زمانے میں مولانا کے قلم سے لکھا ہوا حافظ محمد شعیب صاحب شاکر کی غیر مطبوعہ خودنوشت ''سچی کہانی'' کا تعارف پڑھا تھا، جو غالباً ۱۹۶۲ء کا چھپا ہوا تھا، میں نے مولانا سے دریافت کیا کہ ''سچی کہانی'' کا تعارف تو شائع ہو گیا لیکن سچی کہانی کیوں اب تک شائع نہ ہوسکی، فرمایا کہ بعض سیاسی مصالح کی بنا پر یہ تعارف لکھا گیا اور شائع کیا گیا، وسائل نہ ہونے کی وجہ سے سچی کہانی شائع نہ ہوسکی اور اب تک غیر مطبوعہ ہے، اس کی ضخامت کتابی سائز کے تقریباً تین سوصفحات کے بقدر ہے، سچی کہانی کو میں نے متعدد بار شروع سے آخر تک پڑھا ہے، وہ اس لائق ہے کہ اسے شائع کیا جائے۔

مولانا بحیثیت شاعر:

مولانا ایک بہترین شاعر بھی تھے، ان کی شاعری کے بارے میں مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی جوخود بھی ایک ادیب وشاعر ہیں، لکھتے ہیں:

''...شمسی تخلص فرماتے تھے، شیداؔ خیرآبادی سے شرف تلمذ نے آپ کو دبستان داغ کا بلبل ہزار داستان بنادیا تھا، شمسی خیرآبادی نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی فرمائی، نعتوں اور غزلوں کا معتد بہ حصہ اب بھی موجود ہے، شمسی صاحب نے نعتیں لکھیں اور خوب لکھی ہیں، بقول مولانا سید سلیمان ندوی ''نعت کی راہ شاعری کی مشکل ترین راہوں میں سے ہے، اور تمام اصناف شاعری میں مشکل ہے۔'' شمسی صاحب اس مشکل ترین وادیٔ پُرخار کی جادہ پیمائی میں اپنے دامن کو غلوئے عقیدت اور شرک کی نحوست سے صاف بچالے گئے ہیں۔.... [اسی طرح] شمسی صاحب کی غزلوں میں

حسن کی جلوہ گری کے ساتھ ساتھ عشق کی خودداری اور حوصلہ مندی بھی موجود ہے، وہ عشق کی عظمت و برتری کو اس انداز میں پیش فرماتے ہیں کہ حسن کی ساری جلوہ طرازایاں عشق کی رہین منت معلوم ہوتی ہیں۔ (ماہنامہ الاسلام ربیع الاول ۱۴۲۱ھ)

آپ کا مجموعۂ کلام ''جام سخن یعنی منظوم کلام شمسی'' کے نام سے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا سے آپ کے انتقال سے ایک ماہ قبل نومبر ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا تھا، جو ۴۸ر صفحات پر مشتمل ہے، اس پر دوسرے حضرات کی تقریظات تو ہیں لیکن خود مولانا نے اپنے کلام پر کچھ نہیں لکھا ہے، اس کے بالکل آخری صفحہ پر ایک کتاب حیات شمسی کا اشتہار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے حالات بھی لکھے تھے لیکن میری رسائی کوشش کے باوجود اس رسالہ تک نہ ہوسکی۔ جام سخن سے مولانا کے اشعار کا نمونہ پیش خدمت ہے۔

حمد

ترے حضور میں آیا ہوں معذرت کیلئے — میں عذرخواہ تجھی سے ہوں معصیت کیلئے
ترے کرم کا بھروسہ ہے ورنہ اے مولا! — عمل تو کچھ نہ ہوا مجھ سے آخرت کیلئے
جہاں کی شورشِ پیہم سے کیوں میں گھبراؤں — کہ تیرا نام ضمانت ہے عافیت کیلئے
الٰہی تجھ سے بصد التجا دعایہ ہے — حیات دے مجھے خلقت کی منفعت کیلئے
تری رضا کیلئے ہے مری حیات و ممات — وہ اور ہوں گے جو مرتے ہیں مصلحت کیلئے
جنھوں نے خون سے سینچا ہے کشتِ ملت کو — زباں ہے وقف مری ان کی منقبت کیلئے
ابھی اٹھالے انھیں بڑھ کے رحمت باری — مچل اٹھیں جو گنہ گار مغفرت کیلئے
نہ حور کی ہے تمنا نہ شوق جنت کا — مری نماز ہے اظہارِ عبدیت کیلئے

بڑھاپا آئے نہ آئے یقین کیا شمسی
ابھی جوان ہو کچھ کرلو عاقبت کیلئے

نعت

مرحبا یادِ خیر البشر آگئی — زندگانی نئی زندگی پاگئی

آ گیا آ گیا روضۂ شاہِ دیں — جنت روح وخلد نظر آ گئی
ہے تصور میں آرام گاہِ نبی — وحشتِ دل کو واللہ نیند آ گئی
صبحِ باغِ مدینہ ہے پیشِ نظر — دیکھ کر جس کو جنت بھی شرما گئی
صبحِ دم کھل اٹھی میرے دل کی کلی — میرے اجڑے چمن میں بہار آ گئی
رکھ کے جب کالی کملی چلے دوش پر — ہر طرف رحمتوں کی گھٹا چھا گئی
برقِ ایمن تھی یا اک نگاہِ کرم — مجھ سیہ کار کا دل بھی چمکا گئی
مغفرت مجھ کو ڈھونڈھے گی خود حشر میں — کالی کملی اگر ہاتھ میں آ گئی
شمسیؔ خستہ جاں تو نے کیا کہہ دیا — میری دیوانگی ہوش میں آ گئی

پیامِ امت بحضورِ پاسبانِ امت

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

اے رحمتِ دوعالم وجہِ نمودِ آدم — اے رہبرِ زمانہ پیغمبروں کے خاتم
اے وہ کہ جس کی خاطر برپا نظامِ عالم — ہو تم ہی سب کے زخمِ قلب وجگر کا مرہم

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

تیری ضیاء سے روشن خورشید وماہ وانجم — نورِ سحر میں تیرے سارے چراغ ہیں گم
اے رحمتوں کے بادل جود وسخا کے قلزم — پیغامِ زندگانی ہے تیرا اک تبسم

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

بچھڑے ہوؤں کو تو نے اللہ سے ملایا — بھٹکے ہوؤں کو تو نے حق راہ پہ لگایا
امی لقب تھا لیکن سب کو سبق پڑھایا — صحرا کے وحشیوں کو علم وادب سکھایا

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

آزر کا گھر اجاڑا مولا کا گھر بسایا — سارے جہاں میں ڈنکا توحید کا بجایا
نغمہ حیاتِ نو کا جب دہر میں سنایا — آئی ہنسی گلوں کو ہر غنچہ مسکرایا

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

تو خود ہی انجمن ہے اور شمعِ انجمن بھی — بے شبہ تو چمن ہے اور زینتِ چمن بھی
تیرے لئے ہے یزداں راتوں کا اہرمن بھی — قدموں تلے ہیں تیرے شیخ اور برہمن بھی

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

اب ہند میں بہت ہی مشکل ہے اپنا جینا — فرقت میں پھُنک رہا ہے دن رات اپنا سینا
اب زندگی کا حاصل خونِ جگر ہے پینا — در پر بلا لو اب اے شاہنشۂ مدینا

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

ہر چیز ہے مخالف دشمن ہوا زمانہ — امت ہے آج تیری ہر ظلم کا نشانہ
پیتا ہے خون اس کا ادنیٰ سا اک بہانہ — کس کو سنائیں آقا ہم اپنا یہ فسانہ

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

اولے برس رہے ہیں مشکل ہے سر چھپانا — دشوار ہو رہا ہے ناموس کا بچانا
گل ہیں نہ شاخِ گل ہے گلشن نہ آشیانا — اپنے وطن میں رہ کر سمتی ہے بے ٹھکانا

اے پاسبان امت لے لو سلام امت
پہونچی صبا ہے در پر لیکے پیام امت

غـــزل

کان آہٹ پہ نظر جانبِ در ہوتی ہے — تیرے دیوانے کی یوں شام وسحر ہوتی ہے

میکدے میں اسے محروم ہی دیکھا اکثر　　ساقیا! جس پہ تری خاص نظر ہوتی ہے
اپنے بیمار کو وہ درد سِوا دیتے ہیں　　ان کی بخشش ہی بانداز دگر ہوتی ہے
چار تنکے وہیں چننے کا مزہ ملتا ہے　　جس جگہ یورشِ صد برق وشرر ہوتی ہے

اکل کوا سے شائع ہونے والی مجموعۂ کلام میں بالکل سرسری انداز میں کلام کے کچھ نمونے جمع کر دئے گئے، فہرست تک موجودنہیں ہے، اس میں غزل کا کوئی نمونہ موجودنہیں ہے۔ ایک حمد اور چند نعتیں ہیں، اس کے علاوہ ایک آدھ وداعیہ واستقبالیہ ہے، ہاں ایک زبردست نظم ''قرآن کی للکار'' ہے۔ اس کے علاوہ اشاعت العلوم اکل کوا پر ایک نظم اور ایک اس کا ترانہ ہے، مولانا قاری صدیق احمد باندوی بانی جامعہ اکل کوا کے شیخ ومرشد تھے، اس مناسبت سے ان کی حاضری وہاں ہوتی تھی، تین استقبالیہ نظمیں حضرت قاری صاحب کی آمد پر کہی گئیں، وہ اس میں ہیں۔ قاری صاحب کی وفات پر مولانا نے ایک مرثیہ بھی کہا تھا وہ بھی اس میں شامل ہے، اس کے علاوہ فارغین جامعہ سے خطاب، ختم بخاری وغیرہ کی مناسبت سے نظمیں ہیں، گویا اکثر کا تعلق جامعہ اکل کوا سے ہے۔ ایک دلچسپ نظم ''روح اقبال سے معذرت'' ہے، اس سے مولانا کی حس مزاح کا پتہ چلتا ہے، چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

سب مدرسوں سے اچھا اکل کواں ہمارا　　ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
چین وعرب ہمارا ساری زمیں ہماری　　مہمان ہیں نبی کے سارا جہاں ہمارا
دیگوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں　　کفگیر ہے ازل سے قومی نشاں ہمارا
بیگن سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم　　سوبار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا
سالار قافلہ ہے وستانوی ہمارا　　ہے اس کے دم قدم سے آرامِ جاں ہمارا
کشمیر کی ہو وادی آسام کا ہو کھنڈر　　تھمتا نہیں کہیں بھی سیلِ رواں ہمارا
مطبخ کے سارے چولہے روشن رہیں ہمیشہ　　وابستہ ہے انھیں سے سود وزیاں ہمارا

اولادیں: مولانا کے تین لڑکے: رشید احمد، حافظ وحید احمد، مولوی شاہد جمال، اور دولڑکیاں حور جہاں ونور جہاں ہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی

آپ خیرآباد کے ایک خوشحال وصاحب ثروت خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس وقت مدرسہ منبع العلوم کی شوریٰ کے سب سے قدیم رکن حاجی محمد ایوب صاحب آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ اور آپ کے درسی ساتھی مولانا عبدالسلام صاحب خیرآباد کے اولین طالب علم تھے جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی، فراغت کے چند ہی سال کے بعد مولانا کا عین جوانی میں انتقال ہوگیا اس لئے خیرآباد میں کم ہی لوگ ان کے نام سے واقف ہیں، خود مجھے بھی اب تک مولانا سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔

نام: محمد یعقوب بن حاجی عبدالعزیز بن محمد حسن سوداگر بن محمد ہاشم

آپ ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، آپ کی والدہ خیرآباد کی مشہور شخصیت ومجاہد آزادی حافظ محمد شعیب صاحب شاکر کی حقیقی بہن تھیں، ابھی آپ ۵ر سال کے ہوئے تھے کہ ۲۵ر نومبر ۱۹۲۷ء کو والدہ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ مولانا یعقوب صاحب بچپن ہی سے بڑے ہونہار تھے، ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم مئو گئے اور یہیں سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ دوسال رہے اور شعبان ۱۳۶۰ھ (ستمبر ۱۹۴۱ء) میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف پڑھ کر دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ دیگر اساتذہ میں علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی اور مولانا اعزاز علی صاحب وغیرہ ہیں۔ آپ کے دورہ کے ساتھیوں میں مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی، مولانا عامر عثمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا صفات اللہ صاحب مئوی، مولانا مشتاق صاحب مئوی، مولانا عبدالحمید صاحب نظام آبادی اعظمی وغیرہ ہیں۔

مولانا یعقوب صاحب اپنی جماعت کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے، قرطاس

وقلم سے بھی لگاؤ تھا، مضامین بھی لکھا کرتے تھے، لیکن اب ان کے انتقال کو ۲۷ر سال اور فراغت کو ۸۰ر سال ہو رہے ہیں تو اس زمانے کے مضامین کا سراغ کیسے لگ سکتا ہے، وہ تو ان کے گھر والوں کا کمال ہے کہ انھوں نے مولانا کی کچھ چیزیں اب تک سنبھال رکھیں تھیں، جب میں نے مولانا کے حالات جاننے کے لئے ان کے بھائی حاجی محمد ایوب صاحب سے رجوع کیا تو انھوں نے مولانا کی قلمی یادگاروں میں سے دو چیزیں عنایت کیں۔ایک ان کی بخاری شریف کی درسی تقریر، یہ فل اسکیپ کے ۱۴ر صفحات ہیں، جو **باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ** ﷺ سے تیسری حدیث تک جس میں حضرت خدیجہ کا یہ قول مذکور ہے کہ **کلا واللہ مایخزیک أبداً**.....کی تقریر ہے۔مولانا کا خط نہایت عمدہ ہے، موتیوں کی طرح الفاظ وحروف نگاہ ودل کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں، نمونہ ملاحظہ ہو، آپ ﷺ کے سفر تجارت کے بارے میں لکھتے ہیں جس میں حضرت خدیجہ کے غلام ساتھ میں تھے:

> ''سفر کو سفر اس لئے کہتے ہیں کہ **لانہ یسفر عن اخلاق الرجال**، سفر میں تو لوگوں کے اخلاق معلوم ہوتے ہیں، خصوصاً سفر حجاز میں اتنی مشقت ہوتی ہے کہ پیر ومرید میں جوتا چل جاتا ہے، اخلاق کی حقیقت تین چیزوں سے معلوم ہوتی ہے، ایک یہ کہ تعلقات ہوں، پڑوسی ہو یا شریک فی الحال ہو یا سفر ہو۔غلام نے آپ کے ارہاصات اور اخلاق دونوں کو دیکھا، تو دیکھا کہ آنحضرت گرمی میں چلتے ہیں اور اوپر بادل سایہ فگن ہے، راستوں میں درختوں سے **السلام علیک یا نبی** کی آواز سنی، اسی طرح ستاروں نے روشنی کی، درختوں نے سجدہ کیا اور اخلاق یہ دیکھا کہ آپ سب کی مشکل حل کرتے ہیں، لکڑیاں خود جا جا کر لاتے ہیں۔

دوسری ایک تاریخی یادگار ماہنامہ ''الاحیاء'' دیوبند ہے، یہ احیاء العلوم مبارکپور سے دیوبند جانے والے طلبہ کا ترجمان تھا، مولانا یعقوب صاحب نے احیاء العلوم مبارکپور میں نہیں پڑھا تھا، لیکن اس سے ان کا گہرا تعلق تھا، ان کے تمام خیر آبادی ساتھی مولانا عبد السلام صاحب اور قاری وسیم احمد صاحب کے والد مولانا نثار احمد صاحب وغیرہ احیاء العلوم کے ہی پڑھے ہوئے تھے۔

جب مولانا یعقوب صاحب اور مولانا عبدالسلام صاحب دیو بند پہنچے تو یہ پروگرام بنا کہ ایک رسالہ ''الاحیاء'' کے نام سے نکالا جائے ،مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی نظام آبادی جن کی متوسطات تک تعلیم احیاء العلوم میں ہوئی تھی ، [مولانا کی فراغت ۱۳۶۰ھ میں ہوئی ،جیسا کہ ماہنامہ دارالعلوم محرم ،صفر ۱۳۶۱ھ میں شائع روداد سے پتہ چلتا ہے ،تذکرہ علماء اعظم گڈھ میں مولانا کا سن فراغت جو بیان کیا گیا وہ مبنی برظن ہے جو درست نہیں ہے] اس رسالہ کے اڈیٹر بنائے گئے اور مولانا یعقوب صاحب نائب ایڈیٹر ،اس قلمی رسالہ کا پہلا شمارہ محرم ۱۳۵۹ھ (فروری ۱۹۴۰ء) میں شائع ہوا، رسالہ نکالنے والے حضرات نہایت باذوق معلوم ہوتے ہیں ،نہایت عمدہ کتابت ،روشنائی ایسی کہ ۸۰/سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی آب وتاب بالکل برقرار ہے ۔صفحات کل ۳۶/ ہیں ،اس میں نظم ونثر دونوں ہے ،اخیر کے دوصفحات میں عربی مضمون ہے ۔ مدیر مولانا عبدالحمید صاحب اعظمی جن کے نام کے ساتھ احیائی لکھا ہے ،نگاہ اولیں (اداریہ) میں لکھتے ہیں :

> '' میرے لائق دوست مولوی عبدالسلام صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اعظمی نے میری ہمت افزائی فرمائی اور میرا ہاتھ بٹانے کا وعدہ بھی فرمایا ۔اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور عمل خیر کی بے انتہا توفیقات سے نوازے ،چنانچہ بندہ نے اپنی اولین مادر علمی احیاء العلوم کے نام پر ایک ماہوار رسالہ الاحیاء جاری کرنے کا عزم مصمم کرلیا ۔(الاحیاء ،ص:۱)

رسالہ کے شروع میں کئی سادے صفحات لگے ہوئے ہیں ، پہلے صفحہ پر مولانا محفوظ الرحمٰن نامی کی تقریظ ہے جو ۲۵/فروری ۱۹۴۰ء کی ہے ،اور دوسری مولانا شکراللہ صاحب مبارکپوری کی تقریظ ہے جو ۳/مئی ۱۹۴۰ء کی ہے ،ان دونوں بزرگوں کی دستی تحریر میں نے پہلی بار اسی میں دیکھی ہے ،اس میں مضامین کے ساتھ ساتھ دسیوں مختلف قسم کی عمارتوں ، گاؤں و جنگلات کے مناظر اور نہروں کی تصویریں بھی ہیں جو اس کے حسن کو دوبالا کررہی ہیں ۔

دوسرا شمارہ سالنامہ نمبر ہے جو ماہ صفر ، ربیع الاول ، ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ پر مشتمل

ہے، اس کے صفحات ۱۷۹ر ہیں، جس میں اس وقت کے دارالعلوم کی مختلف عمارتوں، مزار قاسمی، مزار گنگوہی وغیرہ کی ۲۷ر نادر ونایاب تصویریں ہیں۔ اس میں مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا عبدالسلام صاحب کے مضامین بھی ہیں، اس کے علاوہ مولانا عامر عثمانی، قاضی اطہر صاحب، مولانا حنیف رہبر مبارک پوری، مولوی انعام الٰہی ومولوی احسان الٰہی دیوبندی وغیرہ کے مضامین ونظمیں ہیں۔ رسالہ کے ٹائٹل پر مولانا یعقوب صاحب کے نام کے ساتھ ''علومی'' لکھا ہے، جس کی وجہ معلوم نہ ہوسکی، شاید منبع العلوم کے ''العلوم'' کی طرف نسبت ہو۔ مولانا کا سیرت پر ایک بہترین مضمون ہے، جس کا عنوان ''رحمۃ للعالمین'' ہے، یہ الاحیاء کے پانچ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی آخری سطریں ملاحظہ ہوں:

> ''بہر حال !اگر ہم چاہتے ہیں کہ مبلغ اعظم فداہ ابی وامی ﷺ کے صحیح جاں نثاروں اور فدائیوں میں ہوجائیں تو اس چیز کی سعی کرنی چاہئے جس کو لے کر آپ تشریف لائے تھے کہ اسے دنیا کے چپہ چپہ، گوشہ گوشہ میں صحیح طور پر پھیلا دیں۔
>
> میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حضور کے لائے ہوئے دین کی خدمت ان فضول خرچیوں اور روشنیوں، بینڈ باجوں، کالی کالی زلفوں والی، کالی کملیا والی غزلوں کے گانے سے نہ ہوگی، بلکہ اس کی خدمت کے لئے صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مولانا درس وتدریس سے اشتغال رکھتے تو اچھے مدرس کے ساتھ بہترین صاحب قلم بھی ہوتے، لیکن فراغت کے بعد گھریلو کاروبار میں مشغول ہوگئے، چندسال گھر پر رہے، ۱۹۴۴ء سے کاروباری سلسلہ میں دہلی آتے جاتے اور حسب ضرورت طویل قیام کرتے، اسی دوران تپ دق کا حملہ ہوا، اس کا اس وقت جو بہتر سے بہتر علاج ہوسکتا تھا اختیار کیا گیا، لیکن وقت پورا ہو چکا تھا اور آپ اس سے جانبر نہ ہوسکے اور ۱۹۴۸ء میں انتقال فرما گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً آپ کی اولاد میں مولوی نثار احمد صاحب اور ایک بیٹی [اہلیہ حاجی فخرالزماں] ہیں جن سے آپ کا نسلی سلسلہ جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی

آپ حاجی محمد طیب صاحب کے صاحبزادے تھے، جو اپنے وقت کے بڑے زمیندار، کاشتکار اور تاجر تھے، محمد آباد میں مِل کے کپڑے کا کام، لکھیم پور، گولا گوکرن ناتھ اور سیتاپور میں سنگی کپڑے کا کام کرتے تھے، انھوں نے اپنے لڑکے عبدالسلام کو عربی تعلیم دلائی، یہ اوران کے رفیق درس مولانا محمد یعقوب خیرآباد کے اولین فضلاء دیوبند میں سے تھے۔

نام: عبدالسلام بن حاجی محمد طیب بن ولی اللہ
تاریخ ولادت: ۱۹۲۲ء (تخمینی)

ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد شوال ۱۳۵۸ھ میں دیوبند گئے، اور شعبان ۱۳۶۰ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، مولانا یعقوب صاحب کے تذکرہ میں وہاں دیوبند کے اساتذہ اور تعلیمی احوال کا ذکر آچکا ہے۔ ماہنامہ ''الاحیاء'' میں آپ کا بھی ایک مضمون ''قرآن حکیم ہرگز مٹایا نہیں جاسکتا'' ہے، جو رسالہ کے ڈھائی صفحات پر مشتمل ہے، جس سے آپ کے تحریری ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ فراغت کے بعد گھریلو کاروبار میں مصروف ہوگئے اور محمد آباد میں اپنی کپڑے کی دوکان پر رہتے تھے اور سماجی وفلاحی امور میں پیش پیش رہتے تھے، ٹاؤن انٹر کالج کے سینیر ممبر اور اس کے خزانچی تھے، وہاں کی معزز اور بااثر شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۹۶۴ء میں انتقال فرماگئے۔ آپ کی اولاد میں حاجی محمد سلیمان وحاجی محمد عثمان کپڑا والے مشہور ہیں۔

مولانا کے والد ایک زمیندار اور بڑے تاجر تھے۔ اس لئے فراغت کے بعد کاروبار سے منسلک ہوگئے اور تدریسی خدمت کا موقع نہ ملا۔

میں نے دارالعلوم دیوبند کے محافظ خانہ سے خیرآباد کے ان دونوں اولین فضلاء دیوبند کا ریکارڈ نکلوایا، دورۂ حدیث کے سال ان کی کتابوں کی ترتیب اور سالانہ امتحان میں حاصل شدہ نمبرات کی تفصیل یہ ہے:

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے اساتذۂ کرام	نمبرات مولانا محمد یعقوب	نمبرات مولانا عبدالسلام
۱	بخاری شریف	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۴۵	۴۴
۲	ترمذی شریف	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۴۰	۳۵
۳	مسلم شریف	علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	۳۰	۴۲
۴	ابوداؤد شریف	مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ	۴۰	۴۲
۵	نسائی شریف	مولانا ریاض الدین صاحبؒ	۴۰	۴۰
۶	ابن ماجہ شریف	مولانا عبدالحق پشاوریؒ	۴۸	۴۲
۷	طحاوی شریف	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۴۸	۴۰
۸	شمائل ترمذی شریف	مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ	۴۵	۴۹
۹	مؤطا امام مالک	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	۴۲	۴۲
۱۰	مؤطا امام محمد	مولانا عبدالسمیع دیوبندی	۴۷	۴۳
۱۱	قرأت		۴۸	۴۸

مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن شکیبؔ

نام: فضل الرحمٰن بن مولانا محمد شبلی شیداؔ ابن حکیم جان محمد
ولادت: ۱۰ر فروری ۱۹۲۶ء　　　　تخلص: شکیبؔ

اس کتاب کا پہلا تذکرہ مولانا حکیم محمد شبلی شیداؔ خیرآبادی کا ہے، جو بہترین عالم ومدرس، طبیب حاذق اور اعلیٰ پایہ کے شاعر وادیب تھے۔ مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب آپ کے فرزند تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس وقت ان کے والد ماجد مدرسہ معروفیہ پورہ معروف میں مدرس تھے، منبع العلوم کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ مدرسہ معروفیہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد احیاء العلوم مبارکپور گئے جہاں پانچ سال تعلیم حاصل کر کے مشرقی یوپی کی ممتاز درسگاہ مفتاح العلوم مئو تشریف لے گئے جہاں اس وقت شیخ الحدیث محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ تھے، ان سے بخاری شریف پڑھ کر ۱۹۴۴ء [شعبان ۱۳۶۳ھ] میں فراغت حاصل کی، دیگر اساتذہ میں مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی اور مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی وغیرہ تھے، رحمہم اللہ تعالیٰ، مفتاح العلوم میں قیام دو سال رہا، ان کے درسی ساتھیوں میں مولانا شکراللہ صاحب ولید پوریؒ وغیرہ تھے۔ مولانا شکراللہ صاحب کہا کرتے تھے کہ مولوی فضل الرحمٰن اور میرا ساتھ سات سال رہا، پانچ سال احیاء العلوم میں اور دو سال مفتاح العلوم مئو میں، وہ غیر معمولی ذہین وفطین تھے، درسیات میں محنت بہت کم کرتے تھے لیکن ہمیشہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے تھے۔ فراغت کے بعد مدرسہ منبع العلوم میں تدریس کی خواہش ظاہر کی، لیکن ان کے والد ماجد جو ایک حاذق طبیب تھے انھوں نے طب کی تعلیم کے لئے لکھنؤ بھیج دیا، یہ آزادی سے پہلے کی

بات ہے، اس وقت لکھنؤ جیسے بڑے شہر میں تعلیم کے لئے جانا ایسا ہی تھا جیسے آج کوئی بیرون ملک تعلیم کے لئے جائے۔ لکھنؤ طبیہ کالج سے ۱۹۵۰ء میں **B.I.M.S.** کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۵۲ء میں یونانی اینڈ آیورویدک ہاسپٹل میں ڈاکٹر کی حیثیت سے سرکاری ملازمت اختیار کی، اس وقت کے اعتبار سے یہ بہت بڑی بات تھی۔

ملازمت کی وجہ سے غازی پور، بستی اور اخیر میں بحری آباد میں رہے، جہاں سے میڈیکل آفیسر انچارج کی حیثیت سے ۲۸/فروری ۱۹۸۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

ریٹائرڈ ہونے کے بعد مستقل طور پر گھر رہنے لگے اور خیرآباد بازار والی مسجد کی دوکان میں اپنا کلینک کھول لیا۔ اسی مصروفیت میں آپ کے شب وروز گزرتے رہے یہاں تک کہ ۴/اگست ۲۰۰۳ء کو آپ نے زندگی کی آخری سانس لی۔

مولانا کے والد چونکہ ایک بڑے شاعر بلکہ استاذ الشعرا تھے اس لئے اس سے لگاؤ ایک فطری بات تھی، شعر بھی کہتے تھے، شکیب تخلص تھا، لیکن جس طرح آپ کے والد کا کلام محفوظ نہیں رہا ویسے ہی آپ کا کلام بھی محفوظ نہیں رہا۔ جب چھٹیوں میں گھر آتے تو مقامی شعرا جیسے مشتاق شیدائی، انجم خیرآبادی، ذوق ابراہیم پوری اور نجم محمد آبادی وغیرہ ملاقات کے لئے آتے، کبھی کبھار شعری نشست بھی ہو جاتی۔

آپ کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے احمد سہیل صاحب ہیں، انھوں نے ۱۹۷۵ء میں کرسچین کالج لکھنؤ سے گریجویشن کیا، اور ۱۹۷۹ء میں اتر پردیش اسٹیٹ برج کارپوریشن میں اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی، مختلف شہروں میں تبادلے کے بعد لکھنؤ ہیڈ آفس پہنچے اور وہیں سے ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے، اور اب انھوں نے مستقل طور پر لکھنؤ میں اختیار کر لی ہے۔

دوسرے بیٹے احمد اویس صاحب نے شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ سے بی اے کیا، اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی گئے جہاں ۱۹۸۴ء میں انھوں نے قانون کی ڈگری حاصل کی، اب ان کا مستقل قیام علی گڑھ میں ہے۔

مولانا عبیدالرحمٰن صاحب خیرآبادی

مولانا عبیدالرحمٰن صاحب خیرآبادی سرزمین خیرآباد کے ان منتخب ونامور علماء میں سے ہیں جن سے سیکڑوں ہزاروں تشنگان علوم نبویہ نے اپنی علمی پیاس بجھائی، مولانا خیرآباد کے اس علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس میں استاذ العلماء مولانا نذیر احمد صاحب صدر المدرسین مدرسہ منبع العلوم، مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی، مولانا عبدالحکیم صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب مجاز خیرآبادی جیسے آسمان علم وفضل کے آفتاب وماہتاب پیدا ہوئے، چونکہ مولانا کا زیادہ وقت تدریسی سلسلے میں وطن سے باہر بالخصوص بنارس میں گزرا ہے، اس لئے وطن کے لوگ آپ سے زیادہ استفادہ نہ کرسکے۔

نام: عبیدالرحمٰن بن بشیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ بن معین الدین بن محمد حسن

مئی ۱۹۳۳ء میں آپ خیرآباد میں پیدا ہوئے، لیکن تمام کاغذات میں تاریخ ولادت ۲۰؍جنوری ۱۹۳۴ء لکھی ہے، دراصل مفتی حبیب الرحمٰن صاحب کی ولادت ۱۱؍اگست ۱۹۳۳ء ہے، اور مولانا عبیدالرحمٰن صاحب ان سے ڈھائی ماہ بڑے تھے، جو خاندان میں معروف ہے

تعلیم کی ابتداء اپنے چچا مولانا نذیر احمد سے کی اور گھر پر ہی قاعدہ بغدادی کی تکمیل ہوئی، پھر مدرسہ منبع العلوم میں حافظ سلامت اللہ صاحب سے ناظرہ قرآن، اور حافظ محمد یوسف صاحب اور مولانا ہدایت اللہ سے اردو نقل واملا اور خوشخطی سیکھی۔ فارسی وعربی کتب مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی اور مولانا محمد یاسین صاحب غالب پوری سے پڑھیں، شرح جامی تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کرکے مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور گئے جہاں دوسال رہے، یہاں کے اساتذہ میں مفتی محمد یٰسین صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب اور مولانا داؤد اکبر صاحب وغیرہ ہیں، مولانا کے غیر معمولی علمی شغف کی وجہ سے

ان حضرات کی مولانا پر خاص توجہ رہی ، احیاء العلوم میں قاری ظہیر الدین صاحب معروفی سے پورا قرآن بروایت حفص پڑھ کر قرأت کی سند حاصل کی۔

اس کے بعد دارالعلوم مئو میں داخلہ لے کر مشکوٰۃ وجلالین اوراس کے بعد دورۂ حدیث پڑھ کر تعلیمی سلسلہ کو مکمل کیا۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا قاری ریاست علی صاحب مولانا محمد امین صاحب ادروی، مفتی نظام الدین صاحب اعظمی اور مولانا محمد مسلم صاحب جونپوری وغیرہ ہیں ، مولانا اور مفتی حبیب الرحمٰن صاحب ہم عمر بھی تھے اور ہم سبق بھی ، دونوں کے اساتذہ بھی تقریباً ایک ہی ہیں، مفتی صاحب دارالعلوم مئو سے مشکوٰۃ پڑھ کر مظاہر علوم سہارن پور چلے گئے اور وہاں سے ۱۹۵۳ء میں فارغ ہوئے ،اور مولانا دارالعلوم مئو سے ۱۹۵۳ء میں فارغ ہوئے۔فراغت کے بعد پھر دونوں دارالمبلغین لکھنؤ میں یکجا ہوگئے۔

فراغت کے بعد مولانا ایک سال کے لئے دارالمبلغین لکھنؤ چلے گئے جہاں مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی کی نگرانی وتربیت میں تقریر وخطابت ، اصول مناظرہ اور مطالعۂ مذاہب بالخصوص ردشیعیت میں اختصاص حاصل کیا ،مولانا لکھنوی کے صاحبزادے مولانا عبد السلام صاحب اور مولانا صدیق صاحب سے بھی خصوصی استفادہ کیا ، یہ وہ زمانہ ہے جب محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی یوپی اسمبلی کے ممبر ہو چکے تھے اور لکھنؤ میں قیام پذیر تھے،مئو کے زمانہ قیام میں ان سے آپ کا خاص تعلق تھا، برابر استفادہ کرتے تھے لیکن کچھ پڑھنے کی نوبت نہ آسکی تھی، یہاں موقع ملا تو ان سے دیوان حماسہ پڑھ کر با قاعدہ شرف تلمذ حاصل کیا۔اس پورے خانوادے کا محدث کبیر سے گہرا ربط تھا۔

مولانا نے اسی کے ساتھ یوپی الہ آباد کے سبھی امتحانات منشی ،مولوی، عالم اور جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات ادیب ، ادیب ماہر، ادیب کامل ، فاضل دینیات ، فاضل معقولات وغیرہ میں امتیازی نمبرات حاصل کر کے اعلیٰ درجہ سے کامیابی حاصل کی۔مولانا انتہائی ذہین وفطین اور غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے،اساتذہ کی درسی تقریریں لفظ بہ لفظ نوٹ کرلیا کرتے تھے۔

تدریس:

دارالمبلغین لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۱۹۵۴ء میں مالیگاؤں سے تدریس کا آغاز کیا، ایک سال کے بعد بڑہل گنج ضلع گورکھپور آگئے اور یہاں ۷؍سال تک پڑھایا ۱۹۶۲ء میں جامعہ دائرۃ الاصلاح چراغ العلوم بنارس میں تقرر ہوا اور سال بھر کے بعد ۱۹۶۳ء میں صدر مدرس بنائے گئے اور یہیں جم کر ۳۰؍سال رہے اور ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہوئے۔ آپ کا بیشتر تدریسی وقت یہیں گزرا۔ چراغ العلوم میں جب آپ کا تقرر ہوا تھا اس وقت انتظامیہ پر غلبہ اہل بدعت کا تھا، جس میں اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی تھی جن کے نزدیک مولانا شاید مسلمان بھی نہ تھے، لیکن ان کی لیاقت علمی کی وجہ سے کسی طرح تقرر ہو گیا، بعد میں مولانا نے اپنی صلاحیت ولیاقت، حسن کارکردگی اور بلندیٔ اخلاق کی بدولت سب کے دلوں کو فتح کر لیا اور نہایت عزت ووقار کے ساتھ ۳۰؍سال تک رہے، اور یہاں سے بدعات وخرافات کا خاتمہ ہو گیا۔

چراغ العلوم سے سبکدوشی کے بعد ۱۹۹۶ء میں مولانا زین العابدین صاحب کی طلب پر بحیثیت استاذ مظاہر علوم میں شعبہ تخصص فی الحدیث کے لئے گئے لیکن وہاں کے معاملات سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے دو چار دن پڑھانے کے بعد مستعفی ہو کر چلے آئے۔

مظاہر علوم سے واپسی کے بعد حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی نے اپنے یہاں تدریس کے لئے بلایا اور فرمایا کہ میرا ارادہ پہلے ہی سے بلانے کا تھا لیکن آپ کی بات مظاہر علوم والوں سے چل رہی تھی اور وہ میرا مادر علمی ہے اس لئے میں خاموش رہا، لیکن اب جبکہ آپ وہاں سے آگئے ہیں تو آپ یہاں آجائیں، چونکہ حضرت قاری صاحب سے روحانی واصلاحی تعلق بھی تھا اس لئے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی، چنانچہ ۱۹۹۶ء سے ۱۹۹۸ء تک وہاں رہے۔ اس کے بعد پورہ معروف میں مولانا زین العابدین صاحب کے صاحبزادے مولوی ابوعبیدہ صاحب کے مدرسہ نسواں جامعہ ام حبیبہ میں کچھ عرصہ رہے لیکن آمد ورفت کی دشواریوں کی وجہ سے جلد ہی مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد مظہر العلوم بنارس کے ذمہ داران کے اصرار پر مظہر العلوم نسواں میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے گئے، لیکن اس وقت آپ کی طبیعت خوب اچھی نہیں رہتی تھی، امراض وعوارض کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اس لئے

ناسازیٔ طبع کی بنا پر مستقل طور پر گھر آ گئے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے جن میں مولانا طاہر حسین گیاوی و مولانا شمیم احمد غالب پوری جیسے لوگ شامل ہیں۔

قرآن پاک سے شغف اور اتباع سنت:

مولانا کو قرآن پاک سے خاص شغف تھا، بکثرت تلاوت کرتے تھے، باقاعدہ حافظ تو نہیں تھے لیکن قرآن کا بڑا حصہ یاد تھا، اس کا علم اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ مسجد کے حافظ صاحب نے کسی ناراضگی کی وجہ سے تراویح پڑھانے سے انکار کر دیا تو مولانا نے کہا کہ کوئی بات نہیں میں کوشش کرتا ہوں اور ایک روز تراویح پڑھائی بھی، یہ دیکھ کر حافظ صاحب نے اسی میں عافیت سمجھی کہ دوسرے روز آ کر پڑھانے لگے۔ اسی طرح اتباع سنت کا بڑا اہتمام تھا، اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کی دینداری کا بھی پورا اہتمام کرتے تھے، نمازیں بہت اطمینان وسکون سے پڑھتے تھے، تعدیل ارکان کا خاص لحاظ کرتے تھے۔ اخیر زمانے میں مجھ سے بڑا قرب ہو گیا تھا، کبھی موجود رہتے تو جمعہ کی نماز بھی پڑھاتے، جمعہ سے پہلے کئی بار اور عید کی نماز میں ایک بار ان کی تقریر سنی ہے، اپنے خطاب میں دیگر امور کے سکون واطمینان اور تعدیل ارکان کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھنے پر بطور خاص زور دیتے تھے، اور اسی اطمینان کے ساتھ نماز بھی پڑھاتے تھے، جس میں سنن و مستحبات کی مکمل رعایت فرماتے تھے۔

وفات:

مولانا اخیر عمر میں گھٹنے کی تکلیف، تنفس اور بلڈ پریشر وغیرہ مختلف عوارض کے شکار رہے، بالآخر ۸؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۰؍جولائی ۲۰۱۳ء جمعرات کے دن صبح پونے گیارہ بجے کے قریب داعی اجل کو لبیک کہا، رات تراویح کے بعد ساڑھے دس بجے آپ کے صاحبزادے مولانا مفتی ظہیر احسن قاسمی کی امامت میں ایک کثیر مجمع نے نماز جنازہ ادا کی اور اپنے آباء واجداد کے پہلو میں تا صبح قیامت ابدی نیند سو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کے تین بیٹے [اثیر الدین، وجیہ الدین اور مفتی ظہیر احسن قاسمی] اور تین بیٹیاں ہیں، اس کے علاوہ پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔

مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی

آپ مولانا نذیر احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے اور خیرآباد کے ممتاز علماء میں سے ہیں، اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی ہیں۔ آپ کی وجہ سے خیرآباد کی شہرت ہند وبیرون ہند ہر جگہ ہوئی۔ آپ بیک وقت بہترین مدرس، ماہر فقیہ ومفتی، اچھے مقرر وخطیب اور کثیر التصانیف مصنف ہیں، خیرآباد کے علماء میں سب سے زیادہ کتابیں آپ ہی کی ہیں، جس میں **المسک الشذی** شرح ترمذی جیسی کتاب بھی ہے جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

نام: حبیب الرحمٰن بن مولانا نذیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ

آپ ۱۵ر ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۱ر اگست ۱۹۳۳ء (جمعہ) کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ قاعدہ بغدادی اور عم پارہ اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھا، پھر مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوکر حافظ سلامت اللہ صاحب سے قرآن پاک ناظرہ اور حافظ محمد یوسف صاحب (گونچھا) اور مولانا ہدایت اللہ صاحب سے اردو کی کتابیں اور خوشخطی وغیرہ سیکھا۔ فارسی اور عربی کی کتابیں اپنے والد ماجد، مولانا محمد سلیمان شمسی اور مولانا محمد یاسین صاحب غالب پوری سے پڑھیں۔ میزان منشعب، نحو میر، شرح مائۃ عامل اور ہدایۃ النحو اپنے والد ماجد سے، علم الصیغہ، پنج گنج، فصول اکبری، کافیہ، شرح جامی، نور الایضاح اور روضۃ الادب مولانا شمسی صاحب سے، مالا بد منہ اور قدوری مولانا محمد یاسین صاحب سے پڑھیں۔

یہاں سے احیاء العلوم مبارک پور گئے جہاں تین سال تعلیم حاصل کی، یہاں عربی پنجم تک تعلیم مکمل کی اور اس دوران قاری ظہیر الدین صاحب معروفی سے حدر بروایت حفص مکمل کیا، مفتی محمد یاسین صاحب آپ سے نقل فتاویٰ کا کام بھی لیتے تھے۔ یہاں سے دارالعلوم مئو آئے، جہاں ایک سال رہ کر مشکوٰۃ وجلالین شریف وغیرہ پڑھی، یہاں کے

اساتذہ میں مولانا قاری ریاست علی صاحب، مولانا محمد امین صاحب ادروی، مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی اور مولانا محمد مسلم صاحب جونپوری وغیرہ ہیں۔ یہاں مفتی نظام الدین صاحب آپ سے نقل فتاویٰ کا کام لیتے تھے۔

یہاں سے شوال ۱۳۷۱ھ [جولائی ۱۹۵۲ء] میں مظاہر علوم سہان پور گئے جہاں سے دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۳۷۲ھ [مئی ۱۹۵۳ء] میں فراغت حاصل کی، مولانا محمد زکریا صاحب سے بخاری شریف اول، مولانا عبداللطیف صاحب سے بخاری ثانی پڑھی۔ دیگر اساتذہ میں مولانا اسعداللہ صاحب، مفتی سعید احمد صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب وغیرہ، یہاں ایک سال مزید رہ کر کتب فنون اور افتاء کی مشق کی اور شعبان ۱۳۷۴ھ میں اس کی تکمیل کی۔ آپ کے افتاء کے ساتھیوں میں مفتی منظور احمد صاحب کانپوری اور مولانا محمد اطہر صاحب اجراڑوی وغیرہ ہیں۔ یہاں سے ایک سال کے لئے دارالمبلغین لکھنؤ گئے جہاں مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی رہنمائی میں فرق باطلہ خصوصاً قادیانیت وشیعیت کا بطور خاص مطالعہ کیا، اسی دوران اپنے تایازاد بھائی مولانا عبیدالرحمٰن صاحب کے ساتھ محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی سے دیوان حماسہ پڑھی۔ درس نظامی کے ساتھ عصری تعلیم کی طرف بھی آپ کا رجحان رہا، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے ہائی اسکول، پری یونیورسٹی سے بی اے، پھر عربی میں ایم اے کیا اور فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوئے۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد تدریس کا آغاز معہد ملت مالیگاؤں سے کیا، یہاں تقریباً پانچ سال پڑھایا، مشکوٰۃ، جلالین جیسی کتابیں زیر درس رہیں، تجوید وقرأت کی تعلیم بھی دی۔ پھر ۱۹۶۰ء کے آس پاس ادارہ محمودیہ قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری میں دو سال رہے، یہاں سے جامعہ حیات العلوم مرادآباد گئے جہاں ۲۳/سال رہے، یہاں دیگر کتابوں کے ساتھ دورہ حدیث کی کتابیں بھی بار بار پڑھائیں، بالخصوص ترمذی شریف، ترمذی شریف کی عربی شرح لکھنے کا آغاز یہیں سے کیا، یہاں مدت دراز تک فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دی۔ مولانا

قاری محمد طیب صاحب کے زمانۂ اہتمام میں ہی آپ کو دیو بند لانے کی بات ہونے لگی تھی لیکن انقلاب کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا، اس کے بعد ۱۹۸۴ء[۱۴۰۴ھ] میں بحیثیت مفتی دارالعلوم دیو بند میں تقرری ہوئی، جہاں فتویٰ نویسی کے ساتھ شعبہ افتاء کی نظامت اور طلبہ افتاء سے متعلق سراجی، درمختار اور رسم المفتی وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ بھی برابر رہا، جواب تک جاری ہے۔ جب آپ کی تقرری دیو بند میں ہوگئی تو اس وقت کے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر حامد علی صاحب نے بہت چاہا اور کوشش کی کہ علی گڈھ سنی تھیالوجی ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ کی حیثیت سے مفتی صاحب کو لایا جائے، لیکن آپ نے دارالعلوم دیو بند کو ترجیح دی۔

تصنیفی خدمات:

ابتداء ہی سے تحریر سے بھی شغف رہا ہے، میں نے بالکل بچپن میں آپ کا ایک رسالہ ''سیرت حمزہؓ'' دیکھا تھا جو آپ کی فراغت کے کچھ ہی دنوں کے بعد شائع ہوا تھا، یہ غالباً آپ کی پہلی تصنیف ہے۔ آپ کی تصانیف میں ترمذی شریف کی عربی شرح ''المسک الشذی'' کو خاص اہمیت ہے، جو گیارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، ابھی مارچ ۲۰۲۰ء میں اس کی گیارہویں جلد شائع ہوئی ہے۔ یہ شرح مفتی صاحب نے ۱۹۶۵ء میں اس وقت لکھنی شروع کی جب ان کو حیات العلوم مرادآباد میں ترمذی شریف پڑھانے کو ملی، جیسا کہ انھوں نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ اس شرح کے کچھ اجزا ملاحظہ فرمانے کے بعد محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ نے شرح اور مصنف دونوں کے بارے میں بڑے بلیغ کلمات لکھے ہیں جو جلد اول میں موجود ہیں، ان کے علاوہ متعدد کبار علماء کی تقریظات اس پر موجود ہیں جیسے مولانا ابوالوفاء افغانی، مولانا علی میاں ندوی علیہما الرحمہ وغیرہ، یہ کتاب سالہا سال سے نامکمل پڑی ہوئی تھی، اخیر زمانے میں شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ کے اصرار بلیغ اور تشجیع پر مفتی صاحب نے مکمل کی، جس کی تفصیل کتاب میں موجود ہے۔ حنفی نقطۂ نظر سے لکھی گئی یہ ترمذی شریف کی پہلی مکمل شرح ہے، اس کی پہلی جلد ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی اور گیارہویں وآخری جلد ۲۰۲۰ء میں شائع ہوئی۔ آپ کے فتاویٰ کا انتخاب فتاویٰ حبیبیہ کے نام

سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، جس کی پہلی جلد ۲۰۱۳ء میں شائع ہوئی ہے، اور امسال اس کی چھٹی جلد شائع ہوئی ہے، ساتویں اور آٹھویں جلد طباعت کے لئے تیار ہے۔ اس طرح فتاوے کا ایک بڑا ذخیرہ ان شاء اللہ منظر عام پر آجائے گا۔ آپ اس وقت خیرآباد کے سب سے کثیر التصانیف مصنف ہیں، تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔المسک الشذی ۱۱؍جلد [شرح عربی ترمذی] ۲۔فتاویٰ حبیبیہ ۶؍جلد
۳۔سیرت حمزہ ۴۔قرآن اور اس کے حقوق ۵۔شرح مفید الطالبین
۶۔تذکرۃ المصنفین ۷۔حاشیہ زاد الطالبین ۸۔شرح مفید الطالبین
۹۔علامہ نووی کی کتاب الاذکار کا ترجمہ [غیر مطبوع] ۱۰۔الفتاوی الجدیدہ
۱۱۔مسائل امامت ۱۲۔مسائل سجدہ سہو ۱۳۔مسائل اذان ۱۴۔مسائل سود
۱۵۔زکوٰۃ کی اہمیت ۱۶۔ایمان ویقین ۱۷۔نماز کی اہمیت ۱۸۔محبت الٰہی
۱۹۔مثالی سیرت ۲۰۔محبت رسول ۲۱۔قربانی ۲۲۔رمضان اور اس کے روزے
۲۳۔تعزیہ داری اسلام کی نظر میں ۲۴۔شب برأت

بیعت وخلافت:

کم سنی سے ہی آپ کو بزرگوں اور اہل اللہ سے خاص لگاؤ تھا، زمانۂ طالب علمی میں مولانا وصی اللہ صاحب کی خدمت میں فتح پور تال نرجا جایا کرتے تھے، مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں ہر ہفتہ دیوبند حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی خدمت میں حاضری کا معمول تھا۔ اسی طرح مرکز نظام الدین کے بزرگوں سے گہرا لگاؤ تھا۔ اپنے استاذ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے بیعت ہوگئے تھے، راہ سلوک انھیں کی تربیت میں طے کی، اجازت وخلافت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے حاصل ہے۔

اب مفتی صاحب کا مستقل قیام دیوبند میں ہے، وہاں انھوں نے ذاتی مکان بنالیا ہے۔ ان کے اکلوتے بیٹے مولوی مرغوب الحق اور متعدد پوتے ساتھ میں رہتے ہیں۔ گاہے بگاہے وطن آمد ہوتی ہے۔

مولانا انصار احمد صاحب قاسمی

نام: انصار احمد بن عبدالمجید بن محمد عمر بن حاجی عبدالرحمٰن

مولانا انصار احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے، یہ خیرآباد کے تیسرے فاضل دیوبند تھے۔ ان کے پردادا حاجی عبدالرحمٰن صاحب کا شمار گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں میں ہوتا تھا، آج سے سو، سوا سو سال پہلے بڑے صاحب ثروت لوگ ہی حج کے لئے جاتے تھے، خلافت تحریک میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا تھا، ان کا ذکر حافظ شعیب صاحب نے اپنی خودنوشت میں تفصیل سے کیا ہے۔

مولانا کی فراغت شعبان ۱۳۷۲ھ [مئی ۱۹۵۳ء] کی ہے، فراغت کے معاً بعد وہ فُرفُرہ شریف (بنگال) چلے گئے، جہاں ایک بڑے مدرسہ میں مدرس ہوگئے اور پھر وہیں اقامت اختیار کرلی، وہ جب تک حیات تھے گاہے بگاہے وطن کی یاد ان کو خیرآباد لے آتی تھی، لیکن ان کی اولادوں کا تعلق خیرآباد سے باقی نہیں رہا، اس لئے یہاں کے لوگ ان سے یکسر ناواقف ہیں، خود مجھے اس کتاب کے لکھنے کے دوران جب ان کے حالات کی جستجو ہوئی، اور واقف کاروں سے معلومات حاصل کی، تب جاکر کسی قدر واقفیت ہوئی۔

مولانا کی تاریخ ولادت ان کے آدھار کارڈ پر بغیر کسی مہینہ کے صرف ۱۹۳۷ء لکھی ہوئی ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی، کچھ دنوں محمد آباد کے کسی اسکول میں بھی پڑھا، احیاء العلوم سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے جہاں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے بخاری شریف پڑھ کر شعبان ۱۳۷۲ھ [مئی ۱۹۵۳ء] میں فارغ ہوئے۔

میں نے دارالعلوم دیوبند سے مولانا کے بارے میں معلومات طلب کیں تو دورۂ حدیث کے سالانہ امتحان میں نمبرات، کتابوں اور اساتذہ کی یہ تفصیلات موصول ہوئیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے اساتذۂ کرام	حاصل کردہ نمبرات
۱	بخاری شریف	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۵۰
۲	ترمذی شریف	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	۴۴
۳	مسلم شریف	علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	۴۰
۴	ابوداؤد شریف	مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ	۴۲
۵	نسائی شریف	مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ	۴۷
۶	ابن ماجہ شریف	مولانا ظہور احمد صاحب	۴۷
۷	طحاوی شریف	مولانا سید مبارک علی صاحب	۴۰
۸	شمائل ترمذی شریف	مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ	۴۲
۹	مؤطا امام مالک	مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ	۵۱
۱۰	مؤطا امام محمد	مولانا محمد جلیل صاحب	۴۰
۱۱	قرأت		۴۰

فراغت کے بعد مولانا عبدالسمیع صاحب [جو کلکتہ رہتے تھے] کی طلب پر کلکتہ گئے اور فرفرہ شریف کے مدرسہ میں مدرس ہوئے، جہاں حدیث وتفسیر کی اعلیٰ کتابیں (بخاری، مشکوٰۃ، بیضاوی) وغیرہ پڑھائیں، یہ مدرسہ اہل سنت والجماعت کا تھا اور مولانا فاضل دیوبند تھے، لیکن اپنی قابلیت وصلاحیت کی وجہ سے ہمیشہ نیک نام رہے۔

۲۳ر دسمبر ۲۰۱۵ء/۱۲ر ربیع الاول ۱۴۳۷ھ میں مولانا انتقال ہوا اور فرفرہ شریف (بنگال) میں تدفین عمل میں آئی۔ مولانا کے بڑے صاحبزادے محمد افسر صاحب کا نمبر حاصل کر کے میں نے یہ معلومات حاصل کیں۔ پس ماندگان میں اہلیہ، تین بیٹے، سات بیٹیاں اور ایک بھائی اقبال احمد اجمیری ہیں، بھائی کا قیام خیرآباد میں ہے۔ مولانا کے سب بچے بنگال میں ہی مقیم ہیں، آبائی وطن سے ان کا کوئی ربط نہیں ہے۔

مولانا نثار احمد صاحب

نام: نثار احمد بن عبدالجبار بن عبدالوہاب بن محمد اسماعیل بن رمضان

تاریخ ولادت: ۱۳۵۶ھ [۱۹۳۷ء] تاریخی نام: راشد الخیری

مولانا نثار احمد صاحب ایک ذہین وفطین، باذوق وصاحب مطالعہ شخص تھے، اچھے مقرر بھی تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور سے پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، وہاں دورۂ حدیث کے سال شدید بیمار ہوئے جس کی وجہ سے درمیان سال میں گھر آنا پڑا اور جس کی وجہ سے دورہ مکمل نہ ہوسکا۔ اس کے بعد تقریباً دس سال تک گھر پر رہ کر اپنے کاروبار میں مشغول رہے۔

۱۹۶۶ء کے اخیر میں مدرسہ شمس العلوم کاشی پور ضلع نینی تال گئے جہاں تین سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مدرسہ حسینیہ دھام پور ضلع بجنور گئے، جہاں آپ منصب صدارت پر فائز رہے اور شرح جامی وغیرہ کی تدریس آپ کے ذمہ تھی، وہاں ۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۶ء تک رہے، وہاں کے دوران قیام آس پاس کے جلسوں میں تقریر کے لئے بلائے جاتے تھے، اور مدرسہ کی مسجد میں جمعہ سے پہلے پابندی سے تقریر کرتے تھے، اور نماز فجر کے بعد بیس منٹ روزانہ آپ کا درس قرآن ہوتا تھا۔

۱۹۷۶ء کے اخیر میں وہاں سے مستعفی ہوکر گھر آگئے، اسی دوران زبان پر کچھ لکنت کا اثر ظاہر ہوا، جس سے زبان ناصاف ہوگئی، اس وقت بندی گھاٹ کے ایک مکتب میں کچھ دن پڑھایا لیکن مرض بڑھتا گیا اور بعد میں فالج کا اٹیک ہوگیا جس نے صاحب فراش بنادیا، اسی میں ۱۹۷۸ء میں انتقال ہوگیا۔ ان کے اکلوتے لڑکے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب جو دارالعلوم مئو کے فاضل ہیں، ان کی فراہم کردہ معلومات پر یہ تذکرہ لکھا گیا۔

مولانا انوار احمد مظاہری

نام: انوار احمد بن عبدالستار بن عبدالوہاب بن محمد اسماعیل بن رمضان
تاریخ ولادت: یکم جنوری ۱۹۳۹ء [آدھار کارڈ کے اعتبار سے]

مولانا انوار احمد صاحب مظاہری ایک ذہین وفطین اور صاحب استعداد عالم تھے، میرے والد کے دوستوں میں سے تھے، اس نسبت سے مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، اگر اس وقت زندہ ہوتے تو ان سے اس کتاب کی تالیف میں بہت مدد ملتی۔

مولانا کی ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، مولانا شبلی شیداؔ خیرآبادی جب خیرآباد میں رہتے تو شام کو ان کے دروازہ پر ان کی بیٹھک ہوتی، اسی تعلق کی وجہ سے کچھ دن ان کی سرپرستی میں پورہ معروف میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد احیاء العلوم میں داخلہ لیا اور وہاں سے مظاہر علوم سہارن پور پہنچے، جہاں شعبان ۱۳۷۶ھ [مارچ ۱۹۵۷ء] میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف مولانا محمد زکریا صاحب سے، مسلم مولانا منظور احمد خان صاحب سے، ابوداؤد وطحاوی مولانا اسعد اللہ صاحب اور ترمذی وشمائل مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی سے پڑھی، مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری آپ کے درسی ساتھی تھے۔

فراغت کے فوراً بعد مدرسہ منبع العلوم میں مدرس ہوگئے، مولانا فضل حق صاحب آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ یہاں کے بعد کچھ عرصہ کٹک [اڑیسہ] میں پڑھایا، اس کے بعد گجرات کے ایک مدرسہ انوار العلوم بھج (رن کچھ) چلے گئے جہاں ۱۲/سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۸ء میں حصول معاش کے لئے مسقط عمان چلے گئے جہاں ایک مسجد میں امام وخطیب رہے، پھر ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۷ء تک امارات میں اسی منصب پر رہے، اس کے بعد گھر واپس آگئے۔ ۸/رمضان ۱۴۳۸ھ [۴/جون ۲۰۱۷ء] کو انتقال ہوا۔

مولانا عبدالحی مجازؔ قاسمی خیرآبادی

آپ مولانا نذیر احمد صاحب کے چھوٹے صاحبزادے اور مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی کے بھائی ہیں۔ آپ کا علم نہایت پختہ اور تفہیم پر بڑی قدرت تھی، ہر فن میں درک رکھتے تھے، عام علماء کے برعکس انگریزی پر بھی قابل رشک عبور تھا، درسیات پر استحضار کا یہ عالم تھا کہ آپ کے والد محترم جب کبھی بیمار ہوتے یا کسی وجہ سے مدرسہ نہ جاتے اور یہ گھر موجود رہتے تو ان کو سبق پڑھانے کے لئے بھیج دیتے، اور یہ نورالانوار وشرح جامی جیسی کتابیں بغیر کسی خاص تیاری کے بے تکلف پڑھاتے تھے، ان کے اس دور کے شاگرد آج بھی ان کے طریقۂ تدریس وتفہیم کی تعریف کرتے ہیں۔ ادھر پندرہ سال سے بسلسلۂ تدریس گجرات میں مقیم تھے، کبھی کبھار وطن آنا ہوتا تھا، ابھی دسمبر کی ابتدا میں خیرآباد سے ہوکر اپنے برادر بزرگ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب سے ملنے دیوبند گئے وہیں مختصر علالت کے بعد میرٹھ کے ایک ہاسپٹل میں داعی اجل کو لبیک کہا اور دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

نام: عبدالحی بن مولانا نذیر احمد بن حاجی رحمت اللہ

۸/مارچ ۱۹۴۴ء مطابق ۱۳/ربیع الاول ۱۳۶۳ھ (چہارشنبہ) کو پیدا ہوئے، والد ماجد مولانا نذیر احمد صاحب اس وقت مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں صدر مدرس تھے، از ابتداء تا عربی چہارم اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد عربی پنجم مدرسہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں پڑھا، اس کے بعد معہد ملت مالیگاؤں میں عربی ششم پڑھا، جہاں اس وقت آپ کے برادر بزرگ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی پڑھا رہے تھے۔ وہاں سے آپ دارالعلوم دیوبند گئے جہاں شعبان ۱۳۸۰ھ (فروری ۱۹۶۱ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی، آپ نے بخاری شریف مولانا سید فخر الدین صاحب سے اور ترمذی ومسلم شریف علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی سے پڑھی۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے بعد دارالعلوم مئو سے منسلک ہو گئے اور ابتدائی عربی کتب کی تدریس اور کچھ دفتر وکتب خانہ کی ذمہ داری تھی، اسی دوران علی گڑھ سے ہائی اسکول کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا، اس کے بعد دارالعلوم مئو سے مستعفی ہو کر عصری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے، اور پٹنہ سے (Pre University) ایک سالہ کورس مکمل کیا، اور پٹنہ یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا، لیکن یہ کورس مکمل نہ ہو سکا۔

دارالعلوم مئو سے مستعفی ہونے اور پٹنہ میں دو سال عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد ممبئی چلے گئے، انجمن خیر الاسلام ہائر سکنڈری اسکول مدن پورہ اور بدر الدین ٹیچ اسکول میں ۴؍سال پڑھایا۔ دوبارہ عربی تدریس کی طرف رجحان ہوا تو ممبئی تو خیرباد کہہ کر مدرسہ امدادالعلوم کانٹھ ضلع مرادآباد صدر مدرس بن کر تشریف لائے، یہاں دو سال قیام رہا، یہاں سبھی درجات کی کتابیں زیر درس رہیں۔ پھر اپنے استاذ مولانا بشیر احمد صاحب کی تجویز پر جامعہ امدادالعلوم وڈالی گجرات گئے، وہاں ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۲ء تک چار سال رہے، عربی سوم سے دورہ حدیث تک کی کتابیں زیر درس رہیں۔ وہاں بیمار ہونے کی وجہ سے مستعفی ہو کر وطن آگئے۔ پھر جامعہ امدادیہ مرادآباد میں دو سال مدرس رہے۔ دورہ تک کی کتابیں یہاں بھی پڑھائیں۔ یہ جگہ اطمینان بخش تھی، لیکن مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی علیہ الرحمہ کی ایما پر مظہر العلوم بنارس گئے، جہاں دو سال قیام رہا، اس وقت مولانا نعمت اللہ صاحب معروفی بھی وہیں پڑھاتے تھے۔

پھر ایک ڈیڑھ سال جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں رہے، جہاں دیگر کتابوں کے ساتھ ابوداؤد اور نسائی شریف بھی پڑھائی۔ اس کے بعد شمالی افریقہ کے ایک ملک یوگنڈا چلے گئے جہاں ڈھائی برس بحیثیت ناظم ایک مدرسہ میں رہے۔

۱۹۸۸ء میں اہلیہ کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے وطن سے قریب ہی رہنے کو ترجیح دی، اور چشمہ فیض ادری میں ۱۹۸۸ء سے جون ۲۰۰۶ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے

رہے۔ جون ۲۰۰۶ء میں رٹائرڈ ہونے کے بعد دار العلوم مدنی دارالتربیت کرمالی، ضلع بھروچ گجرات شیخ الحدیث بن کر تشریف لے گئے، وہاں ۲۰۱۹ء تک ۱۳؍سال شیخ الحدیث رہے۔اس کے بعد اخیر حیات تک مدرسہ تحفیظ القرآن اسلام پورہ، سابر کانٹھا، گجرات میں شیخ الحدیث رہے۔یہیں سے خیرآباد اعزا واقربا اور اہل خاندان سے ملاقات کے لئے آئے تھے، یہاں سے دیوبند گئے اور ۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۷؍دسمبر ۲۰۲۰ء دوشنبہ کو مختصر علالت کے بعد انتقال ہوگیا، آپ کے برادر بزرگ مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور محلہ خانقاہ دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

اہلیہ کے انتقال کے بعد مولانا نے دوسری شادی کی، دونوں سے اولادیں ہیں۔ کل پانچ لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، لڑکے: مولوی ضیاء الرحمٰن، حافظ ایثار الرحمٰن، رضوان الرحمٰن، مولوی محمد حسان، مولوی محمد عفان۔

خیرآباد کی علمی وادبی فضا کے زیر اثر ایک زمانہ میں شعروشاعری سے بھی بڑا لگاؤ اور شغف تھا، مجاز تخلص تھا، اور مجاز لکھنوی کے انداز میں غزلیں اور نظمیں کہتے تھے، لیکن مولانا کا کوئی کلام دستیاب نہ ہوسکا۔ میں اس بات کی تحقیق میں لگا رہا کہ جب مولانا اتنے بڑے شاعر تھے تو ان کا کلام کیا ہوا، تو معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ ان کے والد محترم مولانا نذیر احمد صاحب کسی موقع پر ان کی شاعری کے تعلق سے بے حد خفا ہوئے اور ان کا سارا کلام نذر آتش کروادیا اور کہا کہ یہ عہد کرو کہ آئندہ کبھی اس جانب رخ نہیں کروگے تو واقعی مولانا نے والد سے کیا ہوا یہ عہد نبھادیا اور اس کے بعد کبھی اس کوچہ میں قدم نہیں رکھا۔ مولانا قمرالزماں صاحب مبارکپوری مرحوم نے مفتی ظہیر احسن صاحب کے واسطہ سے بہت کوشش کی کہ ان کی کتاب ''تذکرہ سخنورانِ اعظم گڈھ'' کیلئے مولانا اپنے چند شعر ہی یادداشت سے لکھوادیں لیکن مولانا اس عہد کے توڑنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوئے۔

مولانا کی تصنیفی یادگار یہ دو کتابیں ہیں: (۱) رہنمائے فاضل ۲؍جلد (یوپی مدرسہ بورڈ کے سوالات کا حل) (۲) رمضان پاشا کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ

مولانا عبدالحکیم صاحب خیرآبادی

مولانا عبدالحکیم صاحب خیرآبادی سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد ایک ذہین وفطین عالم، بہترین طبیب اور دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل تھے۔ مولانا کا خاندان یہاں کے معزز وباا ثر خاندانوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ دینی ودنیوی دونوں وجاہت عطا کررکھی تھی، اس خاندان میں استاذ العلماء مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی، شیخ الحدیث مولانا عبیدالرحمٰن صاحب، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی (صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحی صاحب جیسے اہل علم وفضل شامل ہیں، جن کی علمی خدمات اور صلاحیتوں کی ایک دنیا معترف ہے۔

نام: عبدالحکیم بن بشیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ بن معین الدین بن محمد حسن

۸؍جولائی ۱۹۴۵ء کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ قاعدہ بغدادی سے لے کر شرح جامی تک تعلیم مدرسہ عربیہ منبع العلوم میں حاصل کی، بیشتر کتابیں اپنے چچا جان مولانا نذیر احمد صاحبؒ سے پڑھیں۔ شرح جامی کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں داخل ہوئے اور وہاں دو سال تعلیم حاصل کی، اپنی ذہانت وذکاوت کی وجہ سے اساتذہ کے منظور نظر رہے، بطور خاص مولانا عبدالباری صاحب ناظم اعلیٰ بہت چاہتے تھے۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارکپوری، مولانا محمد یحییٰ صاحب رسولپوری، مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری اور مولانا عبدالمنان صاحب بانسوپاری وغیرہ ہیں۔

مبارک پور سے ۱۹۵۸ء میں دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے، اور داخلہ امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، ممتحن مولانا عبدالجلیل صاحب نے آپ کے متعلق بڑی ستائشی کلمات ارشاد فرمائے۔ ۱۹۵۹ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے،

اس کے بعد فن تفسیر سے طبعی مناسبت کی وجہ سے تکمیل تفسیر میں داخلہ لیا۔ مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی (جو بعد میں صدر مدرس ہوئے) سے خصوصی تعلق تھا اور ان سے بہت بے تکلف تھے، مولانا ریاست علی صاحب بجنوری آپ کے درسی ساتھیوں میں سے تھے۔

تدریس:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کچھ دن گھر پر رہے، پھر مولانا فخر الحسن صاحب نے دیوبند بلالیا اور مدرسہ فیض الاسلام، سیال، نگلہ، ضلع میرٹھ بھیج دیا، وہاں دو سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مستعفی ہوکر گھر آگئے۔

علم طب کا حصول:

۱۹۶۶ء میں مولانا نے طبیہ کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا اور باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۷۰ء میں ۵/سالہ کورس مکمل کرکے وطن خیرآباد واپس ہوئے اور مطب کھول کر تاحیات اس راہ سے خدمت خلق میں مصروف رہے، حسن اتفاق کہ نام بھی عبدالحکیم اور حکمت سے معمور زندگی بسر کرنے کی منجانب اللہ سبیل پیدا کردی گئی۔

نظامت:

۲۱/شعبان ۱۳۹۷ھ (۷/اگست ۱۹۷۷ء) کو مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد ۱۵/اگست ۱۹۷۷ء کو ان کی جگہ پر آپ کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا، طلبہ واساتذہ کے ساتھ آپ کا معاملہ بڑا مشفقانہ رہتا تھا، اگر کسی کے اندر کوئی کمی دیکھتے تو نرمی وخیر خواہی کے ساتھ تنبیہ فرماتے، اسی حسن خلق کی بنا پر ہر ایک کے دل میں آپ کی بڑی قدر ومحبت تھی۔ مدرسہ کی تعمیر وترقی میں ہمہ وقت سرگرم رہتے، ۲۲/سال نظامت کے بعد جب صحت خراب رہنے لگی تو گھر والوں کے اصرار پر ۱۶/جولائی ۱۹۹۵ء کو نظامت سے مستعفی ہوگئے۔

ناظم صاحب نرم مزاج اور بلند اخلاق کے مالک تھے، طبیعت میں استغنا اور سادگی تھی، تام جھام اور تصنع سے دور رہتے تھے، عوامی کام میں پیش پیش رہتے تھے، سلام کرنے

میں ہمیشہ پہل کرتے تھے ،معاشرہ میں سلام کو رواج دینا ان کا بڑا کارنامہ ہے۔ وہ ہر جمعرات کو پرائمری درجات میں پہنچ جاتے ،لڑکوں سے نماز اور مختلف مواقع کی دعائیں سنتے ، نماز پڑھوا کر اس کی عملی مشق کراتے ،سلام پر بہت زور دیتے ،اس کا اثر یہ تھا کہ وہ گاؤں کی جس گلی سے گزر جائیں ، بچے دوڑ کر ان کے پاس پہنچتے اور زوردار آواز میں ''ناظم صاحب السلام علیکم'' کی صدا لگا لیتے ۔غرض طلبہ کے اندر اسلامی مزاج وخصوصیات پیدا کرنے کا ہر ممکن اہتمام کرتے ،اس کے لئے باقاعدہ وقت نکالتے ۔نظامت کے ساتھ ایک عرصہ تک جامع مسجد خیرآباد کے خطیب رہے ،خطبہ سے پہلے پندرہ بیس منٹ ایک تسلسل کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر بشکل وعظ وتذکیر کرتے ۔

وفات:

ناظم صاحب تنفس کے مریض تھے ،لیکن کام کی دھن میں اسے خاطر میں نہ لاتے تھے ،اخیر عمر میں مرض شدت اختیار کر گیا جس سے معمولات زندگی میں خلل واقع ہونے لگا ، شدت مرض کی حالت میں بھی لوگوں کو فرائض وواجبات کی تلقین کرتے اور اپنے لئے خاتمہ بالخیر کی دعاء کی درخواست کرتے ۔ بالآخر ۱۶/جنوری ۲۰۰۲ء بدھ کے دن صبح ۵/بجے کے قریب اپنے پیچھے سوگواروں کا ایک مجمع چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے ۔آپ کے جنازہ میں علماء وصلحاء اور عوام کی ایک کثیر تعداد شریک ہوئی جو عند الناس محبوبیت کی دلیل ہے ،نماز جنازہ آپ کے بڑے بھائی مولانا عبید الرحمٰن صاحب نے پڑھائی ، پھر ہزاروں سوگواروں اور چاہنے والوں کی موجودگی میں اپنے آباء واجداد کے پہلو میں تا صبح قیامت سلا دئے گئے ۔

ناظم صاحب کثیر العیال تھے ،۹/بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں ۔ بڑے بیٹے مولانا حکیم آفاق اختر صاحب دارالعلوم کے فاضل ہیں ان کا مستقل ذکر آگے آئے گا ، پانچ بیٹے حافظ قرآن ہیں جو ناظم صاحب کے لئے صدقہ جاریہ ہیں ۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(ناظم صاحب کے بھتیجے مولانا مفتی ظہیر احسن قاسمی کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں یہ تذکرہ لکھا گیا ۔)

☆☆☆☆☆

مولانا زبیر احمد صاحب مفتاحی

مولانا زبیر احمد صاحب خیرآباد کے ایک ذہین وفطین عالم، اچھے مدرس اور بہترین مربی ہیں، ان کے حسن تربیت نے بہت سے طلباء کو بہترین عالم ومدرس بنادیا۔

نام: زبیر احمد بن حاجی جمن بن حاجی الٰہی بخش بن محمد ابراہیم۔

۱۱/دسمبر ۱۹۴۵ء کو محلّہ اتراری میں ایک بااثر وذی وجاہت خاندان میں پیدا ہوئے ،آپ کے والد حاجی جمن صاحب محلّہ کے ایک بااثر شخص تھے۔

تعلیم کا آغاز ۱۹۵۲ء میں مسجد عمر فاروق اتراری میں حافظ حمید اللہ صاحب (نابینا) کے پاس قاعدہ بغدادی سے کیا، قاعدہ بغدادی پڑھ کر مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے، اور وہیں پرائمری، فارسی اور عربی چہارم پڑھ کر مفتاح العلوم مئو گئے، آپ مولانا ابواللیث صاحب کے درسی ساتھی ہیں، اساتذہ دونوں کے ایک ہی ہیں۔ شعبان ۱۳۸۸ھ (نومبر ۱۹۶۸ء) میں مفتاح العلوم سے دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ مولانا حافظ عبدالحی صاحب اور ڈاکٹر زین الحق صاحب آپ کے دورہ کے ساتھی ہیں۔

شوال ۱۳۸۹ء [جنوری ۱۹۶۹ء] میں مدرسہ منبع العلوم میں استاذ مقرر ہوئے ، ۱۹۷۸ء میں مستعفی ہوکر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ حصول تعلیم کے لئے چلے گئے، جہاں جون ۱۹۸۶ء تک رہے۔ وہاں سے آنے کے بعد دارالعلوم محمدیہ گھوسی میں مدرس ہوگئے اور شعبان ۱۴۳۱ھ [اگست ۲۰۱۰ء] تک تقریباً ۲۵/سال پڑھانے کے بعد اپنے امراض وعوارض کی وجہ سے سبکدوش ہوگئے، اور اس وقت گھر پر ہی قیام ہے، اس دوران کبھی کبھار بعض شوقین طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ ان سطروں کے لکھنے کے ایک ماہ بعد ۳/رمضان ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۶/اپریل ۲۰۲۱ء جمعہ کے روز انتقال ہوگیا، تراویح کے بعد تدفین عمل میں آئی۔

آپ کے اکلوتے لڑکے عبداللہ اور تین بیٹیاں ہیں۔

مولانا ڈاکٹر زین الحق صاحب مفتاحی

نام: زین الحق بن محمد اسحاق بن شیخ احمد۔

یکم / مارچ ۱۹۴۶ء کو اتراری، خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں پرائمری اسکول خیرآباد میں داخلہ لیا اور وہاں سے پانچ پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں منبع العلوم خیرآباد میں داخل ہوئے، یہاں اردو اور ابتدائی فارسی مولانا انوار احمد صاحب مظاہری سے پڑھیں۔ فارسی کی دیگر کتابیں مولانا ہدایت اللہ صاحب اور مولانا شکر اللہ صاحب ولید پوری سے پڑھیں۔ اس کے بعد عربی درجات کا آغاز ہوا۔

شوال ۱۳۸۱ھ مطابق مارچ ۱۹۶۲ء میں عربی اول میں داخل ہوئے، درسی ساتھیوں میں مولانا ابواللیث صاحب اور مولانا زبیر احمد صاحب وغیرہ ہیں۔ عربی چہارم تک پڑھ کر ۱۹۶۶ء میں جامعہ مفتاح العلوم میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۳۸۸ھ (نومبر ۱۹۶۸ء) میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، مفتاح العلوم میں مولانا زین الحق صاحب، مولانا حافظ عبدالحی صاحب اور مولانا زبیر احمد صاحب سب کے اساتذہ ایک ہی ہیں، جن کا ذکر ناظم صاحب کے تذکرہ میں ہے۔ فراغت کے بعد جنوری ۱۹۶۹ء میں منبع العلوم میں استاذ مقرر ہوئے۔ ۱۲/ سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۷/ ستمبر ۱۹۸۰ء میں مستعفی ہوگئے۔ مدرسہ سے مستعفی ہونے کے بعد فن طب کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے، اور مطب شروع کردیا، اللہ نے دست شفا عطا فرمایا ہے۔ آپ کے سات بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بیٹے: پرویز احمد، نوشاد غالب (صاحب بابو)، وقار احمد، مولوی اورنگ زیب، مولوی مفید ہاشمی، مفتی شاہد مغنی، اور ایک بیٹے ڈاکٹر شعیب اعظمی ہیں، جو بی یو ایم ایس کرنے کے بعد پریکٹس کرتے ہیں، مبارکپور میں ان کا ہاسپٹل ہے، گھر پر بھی مریضوں کو دیکھتے ہیں۔

مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی

مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد اس وقت منبع العلوم کے سب سے قدیم استاذ ہیں، شوال ۱۳۸۸ھ (جنوری ۱۹۶۹ء) سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں جس پر ہجری سال کے اعتبار سے ۵۵/سال گزر رہے ہیں، یعنی نصف صدی سے بھی زائد! اور یہ خدمت محض حسبةً لِلّٰہ انجام دے رہے ہیں، مدرسہ منبع العلوم سے قرآن کریم حفظ کرنے والے سب سے پہلے طالب علم ہیں، ۲۷/سال سے نظامت علیا کے منصب پر فائز ہیں، اس سے پہلے ۱۳/سال تک نائب ناظم رہے۔

نام: عبدالحی بن حاجی محمد ابراہیم بن نصر اللہ

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن جہانا گنج ضلع اعظم گڈھ ہے، ان کے والد حاجی محمد ابراہیم صاحب عرف دَرگاہی ۱۹۳۳ء کے آس پاس خیرآباد منتقل ہوئے، سب سے بڑی بہن جہانا گنج میں پیدا ہوئیں، باقی بڑے بھائی حاجی عبدالرحمٰن صاحب اور سب بھائی بہن خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب اس وقت وہاں کے معاشی حالات کی وجہ سے خیرآباد آگئے، وہ کل پانچ بھائی تھے، حافظ محمد یوسف، عبدالغنی، خدا بخش اور عباداللہ۔ ان میں سے دو (حاجی عباداللہ صاحب و حاجی خدا بخش صاحب) ان کے ساتھ خیرآباد آکر آباد ہوگئے، باقی دو بھائی جہانا گنج میں رہے، اس طرح خاندان کا ایک حصہ اب بھی جہانا گنج میں ہے۔ خاندان میں کوئی عالم نہیں تھا، بڑے والد حافظ محمد یوسف صاحب بہترین حافظ قرآن تھے۔ والد صاحب ناخواندہ تو تھے لیکن ان کا اٹھنا بیٹھنا اور مراسم علماء اور پڑھے لکھے لوگوں سے تھے، خاص طور سے مولانا شبلی شیدا خیرآبادیؒ و مولانا محمد سلیمان صاحب شمسیؒ وغیرہ سے، محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کے یہاں بھی آنا جانا رہتا تھا، اس لئے وہ

دینی ماحول میں رنگے ہوئے تھے، بڑے بھائی حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے تعلیم شروع کی، چونکہ وہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اس لئے خانگی احوال کی وجہ سے مجبوراً عربی اول تک پڑھ کر گھریلو کام میں لگ گئے، ان کی اردو وفارسی بہت عمدہ اور ذوق مطالعہ بہت بلند تھا۔ پھر آپ نے تعلیم شروع کی، پرائمری، حفظ اور عربی تعلیم مکمل کی جس کے بعد گھر کا ماحول بدلا۔

اُس وقت مسجد عمر فاروق اتراری میں حافظ حمید اللہ صاحب (نابینا) جو ہمارے دادا کے خالہ زاد بھائی تھے امامت کرتے تھے اور چھوٹے بچوں کو پڑھاتے تھے، انھیں کے پاس ۱۹۵۵ء میں قاعدہ بغدادی شروع کیا، پھر پارہ عم پڑھ کر مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے، جہاں مولانا ہدایت اللہ صاحب اور حافظ ریاض الدین صاحب سے پرائمری درجات کی تکمیل کی۔ اس کے بعد فارسی مولانا شکر اللہ صاحب ولید پوری اور مولانا نذیر احمد صاحب سے بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ پڑھی، آپ کے پرائمری کے ساتھیوں میں سے صرف مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کپڑے والے نے درسیات کی تکمیل کی۔ فارسی پڑھنے کے بعد حفظ قرآن کی طرف رغبت ہوئی اور مسجد عمر فاروق میں حافظ نابینا صاحب کے یہاں ۱۹۶۰ء میں حفظ شروع کیا، ایک ڈیڑھ پارہ پڑھنے کے بعد مدرسہ منبع العلوم میں حفظ کے اولین طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا، آپ کے بعد حافظ محمد مبین صاحب اور مولوی عبد السمیع صاحب کے صاحبزادے ظفر الدین (بجلی والے) نے داخلہ لیا، آپ اور حافظ مبین صاحب نے حافظ ریاض الدین صاحب غالب پوری کے یہاں حفظ مکمل کیا اور ۱۹۶۴ء کے مدرسہ منبع العلوم کے پہلے جلسۂ دستار بندی میں آپ دونوں کی دستار بندی ہوئی۔

حفظ کی تکمیل کے بعد آپ نے شعبہ عربی میں داخلہ لیا، اس وقت مدرسہ اور گاؤں کا کیا ماحول تھا، اس کے بارے میں میرے استفسار کے جواب میں آپ نے بتایا کہ:

''میرے بچپن کا ماحول شعر وشاعری میں عروج کا تھا، خیرآباد واطراف میں بے شمار شعراء تھے، اطراف کے ہر گاؤں میں جلسہ تو ہوتا ہی تھا، مشاعرہ بھی سالانہ ہوتا تھا اور اس وقت کے تقریباً سب مشاعرے طرحی ہوا کرتے تھے، ایک وقت ایسا آیا کہ بڑے بھیا (حاجی عبدالرحمٰن صاحب) مولانا انوار احمد مظاہری اور مولانا نثار احمد صاحب یہ

سبھی لوگ مولانا شمسی صاحب کے شاگرد تھے اس طرح کی ادبی محفلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ماہانہ ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، محلے محلے کا نمبر ہوتا تھا، اگر اترا ری میں ادبی نشست ہوئی تو پھر محلّہ دکھن، پھر محلّہ پچھّم میں، ایسے ہی یکے بعد دیگرے نمبر آتا تھا۔ سیاسی ماحول بھی کافی گرما گرمی کا تھا، حافظ محمد شعیب شاکر انصاری و محمد امین پردھان آمنے سامنے رہتے اور سخت گروپ بندی تھی۔ دینی ماحول بھی اچھا خاصا تھا، خیرآباد میں مولانا سید امین صاحب نصیرآبادی اور ان کے بعد مولانا محمد سعید صاحب کی اصلاحی کوششوں کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوئے تھے، جامع مسجد میں کئی کئی دنوں تک ان کا قیام رہتا اور برابر مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔

جس وقت میں نے عربی جماعت میں داخلہ لیا، اس وقت باذوق طلبہ رات میں مدرسہ آتے تھے اور دن میں پڑھے ہوئے اسباق کا تکرار کرتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں پڑھنے لکھنے کے علاوہ کسی قسم کے کھیل کود سے دلچسپی نہ تھی، ہاں فٹ بال سے قدرے دلچسپی ضرور رہی ہے۔ جلسہ جلوس تو دور طالب علمی کا ایک اہم جز ہوتا ہے، اس کا حال یہ تھا کہ دور دراز کے جلسوں میں کبھی پیدل کبھی سائیکل سے چلے جاتے تھے، مشاعروں میں شریک ہوتے تھے، لیکن اس وقت کے مشاعروں کو آج کے مشاعروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تھا، آج کل تو نرے تماشے ہوتے ہیں۔

آپ کے عربی جماعت کے ساتھیوں میں مقامی طلبہ میں مولوی صلاح الدین صاحب اترا ری اور مولوی نثار احمد صاحب محلّہ پچھّم تھے۔ عربی کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب اور مولانا قمرالدین صاحب رسولپوری تھے، اکثر کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھیں۔ عربی دوم میں کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ بیت العلوم مالیگاؤں چلے گئے لیکن صرف دو ماہ رہ کر گھر آکر حسب سابق منبع العلوم میں تعلیم میں مصروف ہوگئے۔ ۱۹۶۶ء میں مفتاح العلوم میں داخل ہوئے اور تین سال وہاں رہ کر شعبان ۱۳۸۸ھ (نومبر ۱۹۶۸ء) میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ جن سے بخاری شریف پڑھی، ان کے علاوہ مولانا عبدالجبار صاحب مئوی، مولانا عبدالرشید صاحب حسینی، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا اختر حسین صاحب، اور مولانا مفتی

عبدالباری صاحب وغیرہ ہیں۔اسی زمانے میں مولوی، عالم الہ آباد بورڈ اور ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل علی گڑھ کا امتحان بھی دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

تدریس:

فراغت کے بعد شوال ۱۳۸۸ھ (جنوری ۱۹۶۹ء) میں مدرسہ منبع العلوم میں اعزازی مدرسی کی درخواست دی جو منظور ہوگئی، ابتداء میں ایک وقت پڑھاتے تھے، صبح سے دوپہر تک بنائی کرتے تھے، ظہر بعد والے وقت میں پڑھاتے تھے، پھر کچھ عرصہ تک دونوں وقت بھی پڑھایا، پھر گھریلو مصروفیات کی وجہ سے ایک وقت کردیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔عربی اول سے چہارم تک کی تقریباً سبھی کتابیں زیر درس رہیں، اور عربی پنجم میں جلالین شریف اور ہدایہ جلد اول وثانی کو پڑھانے کا موقع ملا، فن نحو سے آپ کو خاص شغف رہا، نحو میر سے شرح جامی تک نحو کی تمام کتابیں بار بار پڑھانے کی نوبت آئی، ہدایۃ النحو تو پچیس تیس سال سے مسلسل زیر درس ہے۔مدرسہ کے لئے جب جیسی ضرورت پڑی ہر طرح کی قربانی پیش کی۔ خیرآباد کے بیشتر علماء آپ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔

نظامت: ۱۹۸۲ء جناب سلیم اللہ صاحب نائب ناظم کے انتقال کے بعد ذمہ داران مدرسہ کی نگاہ اس منصب کے لئے آپ پر پڑی، اس وقت مولانا عبدالحکیم صاحب ناظم اعلیٰ تھے، اس واقعہ کی داستان خود آپ کے قلم سے سنئے، اس میں اپنے بڑے بھائی (میرے والد ماجد) کے تئیں جن جذبات کا اظہار آپ نے کیا ہے اسے پڑھ کر میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں، لکھتے ہیں:

> ”جس وقت نائب ناظم بنانے کی بات آئی، اس وقت بڑے بھیا حاجی عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ منبع العلوم کی شوریٰ کے رکن تھے، ان سے لوگوں نے گزارش کی کہ ہم لوگ عبدالحی کو نائب ناظم بنانا چاہتے ہیں، مگر آپ کی قربانی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے، بھیا نے فوراً شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا اور ذمہ داران نے پہلے مجھے شوریٰ کا رکن بنایا پھر نائب ناظم بنایا، بھیا کی یہی ایک قربانی نہیں بلکہ میرے پڑھانے کے دوران میرے لئے ان کی طرف سے بھرپور رعایت اور اعانت رہی، جس کی ایک لمبی فہرست ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس پڑھنے پڑھانے پر اگر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں گے تو مجھ سے کہیں

زیادہ بھیا کو نوازیں گے کہ یہ سب انھیں کی وجہ سے ممکن ہوا، الدال علی الخیر کفاعلہ

نائب ناظم بننے کے بعد تدریس کے ساتھ عربی درجات کی نگرانی اور دیکھ ریکھ بھی آپ کے ذمہ رہی، اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۹۵ء کو مولانا عبدالحکیم صاحب اپنی خرابیِ صحت کی بنا پر نظامت سے مستعفی ہوگئے، اس کے بعد آپ کو ناظم اعلیٰ کی ذمہ داری سونپی گئی جو تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ اب تک جاری ہے۔ اللہ کا فضل وکرم، اہل خیرآباد کی مدرسہ سے دلچسپی وخیرخواہی اور لائق ومحنتی اساتذہ کا اکٹھا ہو جانا، پھر آپ کی غیر معمولی فکر اور توجہ نے تعلیمی اعتبار سے مدرسہ کو ایک وقار بخشا، پورے ملک میں یہاں کے تعلیمی وتربیتی معیار کی ستائش کی گئی، اسی طرح تعمیری ترقی تو سب کے سامنے ہے، مدرسہ کی مرکزی عمارت کی توسیع اور اس میں مسجد کی تعمیر کے ساتھ تقریباً ہر محلّہ میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں اور تعلیمی معیار کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔

سیاست اور سماجی خدمات:

خدمت خلق کا جذبہ بھی آپ کے اندر بہت ہے، بچپن میں دیکھتا تھا کہ لوگ اپنے مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں بکثرت آپ کے پاس آتے تھے اور آپ بے تکلف سب کا کام کرتے تھے، اپنے استاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کے فیض صحبت سے سیاسیات سے بھی آپ کو ایک زمانے تک کافی دلچسپی رہی ہے اور عملی طور پر سرگرم رہے، دو پنج سالہ میں الیکشن کے ذریعہ بلاک کے ممبر بھی رہے جس سے گاؤں اور سماج کا بہت سارا کام کرنے کا موقع ملا، سیاسی میدان میں کام کی ایک لمبی داستان ہے۔ ملک کی سب سے قدیم جماعت جمعیۃ علماء ہند سے نظریاتی وابستگی تو ہمیشہ سے رہی ہے، ۲۰۰۸ء سے عملی طور پر بھی وابستہ ہوگئے، اس وقت سے اب تک صوبائی مجلس عاملہ کے ممبر اور جمعیۃ علماء ضلع مئو کے صدر ہیں۔

اور اب ۱۸/ نومبر ۲۰۲۱ کو جمعیۃ علماء یوپی مشرقی زون کے صدر منتخب کئے گئے ہیں۔

آپ کے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: مولانا ظہیر الحق، نفیس الحق، مولوی محفوظ الحق، سعید الحق مرحوم [م: ۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ/ ۱۴/ ستمبر ۲۰۱۶ء بدھ]، حافظ نسیم الحق۔

مولانا شمس الضحیٰ صاحب شمسؔ ضیائی

نام: شمس الضحیٰ بن محمد حسن بن محمد صابر بن عبداللہ
تاریخ ولادت: ۷؍ستمبر ۱۹۴۷ء تخلص: شمس ضیائی

آپ درس وتدریس، تقریر وخطابت اور تحریر وانشاء تینوں میدان کے شہ سوار تھے، اسی کے ساتھ بہترین شاعر اور ادیب بھی تھے۔ مولانا نے ''اپنی کہانی اپنی زبانی'' کے عنوان سے نہایت اختصار کے ساتھ اپنے احوال قلمبند فرمائے ہیں، اس کے چند صفحات میرے سامنے ہیں، مولانا کا خط بڑا پاکیزہ اور جاذب نظر ہے، جیسے موتی جڑے ہوئے ہوں۔

۱۹۵۴ء میں مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد میں داخلہ لے کر تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔ قاعدہ بغدادی مولوی اقبال صاحب چھتّر پوری، پارہ عم مولوی مختار احمد صاحب جین پوری، اور اسلامی تعلیم کا رسالہ مولوی سبحان اللہ صاحب بلیاوی سے پڑھا۔ گلستاں بوستاں مولوی محمد وکیل صاحب گھوسوی اور ابتدائی عربی تعلیم مولوی عبدالجبار صاحب سکھٹی [مبارکپور] سے حاصل کی، اس کے بعد مولوی محمد عمر صاحب خیرآبادی سے تعلیم حاصل کی، ۱۹۶۳ء میں الہ آباد بورڈ سے مولوی کا امتحان سکنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔ اسی دوران والد کے انتقال کا سانحہ پیش آیا جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہونے لگا کہ تعلیم نامکمل ہی رہ جائے گی، لیکن ان کی والدہ نے غیر معمولی ہمت وحوصلہ سے کام لیا اور ان کی تعلیم جاری رکھی۔

۱۹۶۳ء میں مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم میں داخلہ لیا، اپنی لیاقت وصلاحیت کی وجہ سے ہمیشہ اساتذہ کے منظور نظر رہے، بالخصوص حافظ ملت علیہ الرحمہ کی توجہ خاص آپ کو حاصل رہی، وہ دینی جلسوں میں آپ کو لے کر جاتے تھے، جہاں آپ نعت وغیرہ پڑھتے

تھے۔ یہیں سے آپ کو نعت کہنے کا بھی شوق ہوا، ابتداء میں آپ مفتی عبدالمنان صاحب مبارکپوری کو اپنی نعتیں اصلاح کے لئے دکھاتے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں مدرسہ اشرفیہ سے فارغ ہوئے اور ۷رجولائی ۱۹۶۵ء کو ضیاء العلوم خیرآباد کے شعبۂ اطفال میں چالیس روپیہ مشاہرہ پر تقرری ہوگئی، پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد شعبۂ عربی میں ترقی دی گئی۔ یہاں ۱۷رسال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۸راگست ۱۹۸۱ء کو مستعفی ہوکر گھریلو کاروبار میں مشغول ہوگئے، ۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اس کے بعد چند سال مدرسہ ضیاء العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ کی کمیٹی کے صدر بھی رہے۔ مولانا کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال تھی، سماجی ورفاہی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، گاؤں کے دینی وادبی پروگراموں میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی۔

اخیر عمر میں مختلف قسم کے امراض وعوارض نے گھیر لیا تھا، بالآخر وقت موعود آگیا اور جمعرات ۲۵رشعبان ۱۴۴۲ھ مطابق ۸راپریل ۲۰۲۱ء صبح صادق کے وقت جان جاں آفریں کے سپرد کی، رحمہ اللہ تعالیٰ، اسی روز تدفین عمل میں آئی۔

مولانا ضیائی صاحب بہترین شاعر بھی تھے، ذیل میں نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں!

یہ نہیں ہوس مجھ کو پاس میں خزینہ ہو — چند دن کی شہرت ہو زندگی نگینہ ہو
زندگی کا ہر لمحہ ان کی یاد میں گزرے — اور موت آئے تو سامنے مدینہ ہو
کیسے ڈوب سکتا ہے لاکھ آندھیاں آئیں — ان کی ناخدائی میں جب مرا سفینہ ہو
شمسؔ نعتِ سرور ہی ہے حیات کا حاصل — وہ حیات کیا ہوگی جس میں خود یہی نہ ہو
گلوں نے تازگی خاروں نے زندگی پائی — قمر میں چاندنی تاروں میں روشنی آئی
رخ شہنشہِ عالم کی جب بھی یاد آئی — سکون قلب نے پایا نظر نے بینائی
گناہگار سہی شمسؔ پھر بھی ان کا ہے — وہ کیسے چاہیں گے محشر میں اس کی رُسوائی
مجھے خدا کے لئے چھوڑ دو مدینے میں — ”نہ مجھ سے چھوٹے گا طیبہ وطن ملے نہ ملے“
یہ ان کا فیض ہے مجھ کو جو فن نعت ملا — اب اور دوسرا اے شمسؔ فن ملے نہ ملے

مولانا نثار احمد صاحب

نام: نثار احمد بن محمد تقی بن محمد اسحاق

مولانا نثار احمد صاحب ۱۹۴۷ء میں محلّہ پچھّم خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ نہایت ذہین وفطین ہیں، دس سال کی عمر میں منبع العلوم میں داخلہ لیا، لیکن اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے تین چار سال میں مکتب و پرائمری پنجم مکمل کرلیا۔ حافظ ریاض صاحب غالب پوری پرائمری کے استاذ تھے، فارسی کی کتابیں مولانا انوار احمد صاحب مظاہری سے پڑھیں۔ عربی اول سے سوم تک کی کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب رسولپوری سے پڑھیں۔ مولانا حافظ عبدالحی صاحب خیرآباد کے درسی ساتھیوں میں سے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں دارالعلوم مئو میں عربی چہارم میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۳۸۸ھ (جنوری ۱۹۶۹ء) میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف قاری ریاست علی صاحب، مسلم شریف مولانا عبدالحق صاحب اعظمی سے، ابوداؤد شریف مولانا نیاز احمد صاحب جہانا گنجی سے اور نسائی شریف مولانا شیخ محمد صاحب سے پڑھی، یہاں کے دیگر اساتذہ میں مولانا افتخار احمد صاحب سے شرح جامی، مولانا نذیر احمد صاحب سے سلّم اور مولانا انعام الحق صاحب سے ہدایہ پڑھی۔

آپ کو منجانب اللہ جو غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور حاضر جوابی عطا ہوئی تھی اگر درس وتدریس میں لگتے تو بہترین مدرس ہوتے، لیکن گھریلو حالات کے باعث کاروباری لائن میں لگے اور صرف اسی کے ہوکر رہ گئے۔ اس وقت مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کی شوریٰ کے رکن ہیں۔

آپ کے دو لڑکے رضوان احمد، عمران احمد اور تین لڑکیاں ہیں۔

مولانا عبدالمجید قاسمی

مولانا عبدالمجید صاحب قاسمی خیرآباد کے ایک گمنام لیکن بڑے خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل رہا، کفر وشرک کی تاریکیوں میں آنکھ کھلی، لیکن توفیق الٰہی نے دستگیری کی اور بعض علماء وصالحین کی صحبت انھیں میسر آگئی جس کے نتیجہ میں وہ اسلام سے قریب ہوئے، ان کے قلب پر ہدایت کا نور چمکا اور اسلام کی حقانیت ان پر واضح ہوتی چلی گئی اور سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے وہ اسلام کی آغوش رحمت میں آگئے۔ لیکن اس قبول حق کے نتیجہ میں مصائب کا جو سیلابِ بلاخیز ان پر آیا اور راہِ حق کے اس مسافر نے جس استقامت اور پامردی سے اس کا مقابلہ کیا اور اس پر ثابت قدم رہے وہ ان کی قبولیت واخلاص اور دین حق سے محبت کی کھلی نشانی ہے۔ قبول اسلام کے بعد مولانا مختلف جگہوں پر رہے۔

اسی دوران وہ خیرآباد آگئے اور حاجی مشتاق صاحب ہوٹل والے جن کے پیدل حج کا ذکر کتاب کے حصۂ اول میں آیا ہے، انھوں نے مولانا کو اپنی آغوشِ سرپرستی میں لے لیا، وہ لاولد تھے انھوں نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا اور ایک باپ جو کچھ شفقت وخیرخواہی اپنی اولاد کے ساتھ کرسکتا ہے وہ حاجی صاحب نے ان کے ساتھ کی، انھیں اعلیٰ دینی تعلیم سے آراستہ کیا، مولانا نے عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، پھر ایسے حالات آئے کہ کچھ دن مفتاح العلوم مئو میں رہے، پھر مولانا سلیمان صاحب شمسی کے پاس بیت العلوم مالیگاؤں میں کچھ عرصہ رہے، وہاں سے شرح وقایہ وغیرہ پڑھ کر دارالعلوم دیوبند چلے گئے، جہاں چار سال رہ کر ۱۹۷۲ء میں فضیلت کی تکمیل کی، مولانا سید فخرالدین صاحب کے آخری شاگردوں میں ہیں۔

فراغت کے بعد چند سال مالیگاؤں اور دھولیا میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد خیرآباد آگئے اور یہیں مقیم ہیں، عمر اس وقت ۵۷/سال ہے، سال ولادت ۱۹۴۸ء ہے۔

مولانا محمد غلام مصطفیٰ اشرفی

نام: محمد غلام مصطفیٰ بن محمد یٰسینِ بن محمد اصغر

آپ کی ولادت ۱۹۴۸ء میں گھبڑا مبارک پور اعظم گڑھ میں ہوئی۔ابتدائی زندگی وہیں گزری،۱۹۶۶ء میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کرکے خیرآباد آئے اور یہیں مستقل طور پر قیام پذیر ہوگئے۔پرائمری سے درسِ نظامی تک کی تعلیم آپ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی اور ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۹۶۸ء میں یہیں سے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور سند فراغت و دستار فضیلت سے نوازے گئے۔آپ کے اساتذہ میں حافظِ ملت مولانا عبدالعزیز صاحب بانی جامعہ اشرفیہ،مولانا عبدالرؤف بلیاوی،مولانا سید شمس الحق گھبڑوی،مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی علیہم الرحمۃ و الرضوان

فراغت کے بعد آپ نے پالی راجستھان کا رخ کیا اور وہاں کسی مدرسے میں دو سال تک تدریس سے منسلک رہے،اس کے بعد خداداپور آگئے اور وہاں ایک مدرسہ میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔۱۹۷۴ء میں تدریس کے لئے آپ کا تقرر مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو میں ہوگیا چھ سال تک یہیں مصروف خدمت رہے اور ۸/اگست ۱۹۸۱ء کو بعض وجوہات کی بنا پر تدریس سے مستعفی ہوگئے۔یہ آپ کی تدریسی زندگی کا آخری پڑاؤ ثابت ہوا،اس کے بعد آپ نے تدریس کے لئے کسی مدرسے کو اختیار نہیں کیا بلکہ گھر کے کاروبار وتجارت میں مصروف ہوگئے۔۲۰۰۷ء سے ۲۰۱۱ء تک پانچ سال مدرسہ ضیاء العلوم کی کمیٹی کے صدر رہے۔اس کے بعد آپ نے کسی طرح کی کوئی ذمہ داری نہیں لی اور ۲۸/نومبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات صبح سات بجے اس دارِفانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کرگئے۔

☆☆☆☆☆

مولانا نظام الدین مفتاحی

نام: نظام الدین بن عبدالعلی بن غلام رسول

۱۹۴۸ء میں خیرآباد کے محلّہ دکھن میں پیدا ہوئے، اور پرائمری سے عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا انوار احمد صاحب مظاہری، مولانا نذیر احمد صاحب اور مولانا قمرالدین صاحب رسولپوی وغیرہ ہیں۔ رحمہم اللہ

۶۸/۱۹۶۷ء میں جامعہ مفتاح العلوم مئو میں داخلہ لیا، اور یہاں کے جید اساتذہ سے کتب حدیث وتفسیر اور فقہ کا درس لیا، ۱۹۷۰ء میں فضیلت کی تکمیل۔ اس وقت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مفتاح العلوم کے شیخ الحدیث تھے، بخاری شریف ان سے پڑھی، ان کے علاوہ دیگر اساتذہ میں مولانا ضیاءالحسن صاحب مئوی اور مولانا عبدالجبار صاحب مئوی وغیرہ ہیں۔ فراغت کے کچھ عرصہ بعد سے ۱۹۸۴ء تک مدرسہ منبع العلوم کے شعبہ پرائمری کے مدرس رہے، اس دوران گاؤں کے کچھ باذوق نوجوان فضلاء کے ساتھ دیواری قلمی ماہنامہ ''آہنگ'' نکالا، جس کا تعارف حصہ اول میں آچکا ہے۔ لکھنے کا ذوق اچھا تھا، اس کے اکثر اداریئے مولانا کے قلم سے ہیں، اس رسالہ کی کتابت بھی مولانا ہی کرتے تھے، انصاری لائبریری کے لائبریرین کے فرائض بھی مغرب سے عشاء تک انجام دیتے تھے، مگر ع

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

۱۹۸۴ء میں تدریس سے کنارہ کش ہونے کے بعد کاروبار میں مشغول ہوگئے، مولانا کی موجودہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ کبھی آپ کی شخصیت ایسی متحرک اور فعال تھی، طبیعت میں تواضع، بے نفسی اور صالحیت پائی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتاحی

نام: عزیز الرحمٰن بن حاجی محمد ابراہیم بن نصر اللہ

۱۳ر فروری ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے، مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی کے سگے بھائی ہیں، خاندانی احوال کا ذکر وہاں کر دیا گیا ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، ۱۹۵۷ء میں مدرسہ میں داخل ہوئے، تعلیم کا آغاز مولانا حشمت اللہ صاحب معروفی کے یہاں کیا، پرائمری کی تعلیم مولانا ہدایت اللہ صاحب اور حافظ ریاض الدین صاحب سے حاصل کی، درجہ پانچ مولانا شکر اللہ صاحب ولید پوری سے پڑھا۔

۱۹۶۳ء میں درجہ فارسی میں داخل ہوئے اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب پورنوی اور مولانا شکر اللہ صاحب سے فارسی پڑھی، کہتے ہیں کہ اسی سال انجمن اصلاح اللسان کا قیام عمل میں آیا اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب اس کے اصل محرک بھی تھے اور ذمہ دار بھی۔ ۱۹۶۸ء میں عربی چہارم پڑھا، اکثر کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے اور کچھ مولانا قمر الدین صاحب سے پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم میں عربی پنجم میں داخلہ لیا، اور ۱۹۷۱ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر یہیں سے فراغت حاصل کی، درمیان میں چند ماہ دارالعلوم مئو میں بھی رہے۔ بخاری شریف مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ سے پڑھی جو اس وقت مفتاح العلوم کے شیخ الحدیث وناظم تھے، ان کے علاوہ دیگر اساتذہ میں مولانا ضیاء الحسن صاحب مئوی، مولانا عبدالجبار صاحب مئوی، مولانا عبدالرشید صاحب حسینی، مولانا اختر حسین صاحب اور مولانا مفتی عبدالباری صاحب وغیرہ ہیں۔ فراغت کے بعد سے گھریلو کاروبار میں مصروف ہیں، لیکن علماء وطلبہ کی قدر دانی مزاج وطبیعت میں داخل ہے۔

آپ کے تین لڑکے مولوی رئیس الحق، اظہار الحق، ندیم قاسمی اور ایک لڑکی ہے۔

مولانا صلاح الدین صاحب قاسمی

نام: محمد صلاح الدین بن حاجی محمد یٰسین بن حاجی شکر اللہ بن محمد یوسف بن دین محمد بن حاجی شیخ گلاب۔ یہ حضرات ہمیشہ تجارت پیشہ رہے۔

یکم/اپریل ۱۹۵۰ء کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کا آغاز ۱۹۵۶ء میں مدرسہ منبع العلوم خیرآباد سے کیا۔ یہاں درجہ پرائمری سے لے کر عربی سوم تک تعلیم حاصل کی، یہاں کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا ہدایت اللہ صاحب، مولانا شکر اللہ صاحب اور حافظ ریاض الدین صاحب وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد ۸/شوال ۱۳۸۵ھ (۳۰/جنوری ۱۹۶۶ء) کو علاقہ کی معروف درسگاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں عربی چہارم میں داخلہ لیا، یہاں عربی چہارم سے عربی ششم تک کی تعلیم حاصل کی، یہیں ۱۹۶۸ء میں قاری ظہیر الدین صاحب معروفی کے خاص شاگرد قاری عبدالحی صاحب سے حدر مکمل کیا، اور سبعہ عشرہ کی مشق مکمل کی، شوال ۱۳۸۸ھ (جنوری ۱۹۶۹ء) میں دارالعلوم دیوبند جا کر موقوف علیہ میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۳۹۰ھ (اکتوبر ۱۹۷۰ء) میں دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ بخاری جلد اول مولانا سید فخر الدین احمد صاحب سے اور جلد ثانی مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے پڑھی۔ دورہ کے سال علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی کے صاحبزادے قاری محمد نعمان صاحب سے قرأت بھی پڑھی، ۱۹۷۱ء میں تکمیل تفسیر کیا۔

فراغت کے بعد دو سال مدرسہ سراج العلوم محمد آباد گوہنہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد سے تجارتی مصروفیات ہیں، تعلیم بالغان سے خاص دلچسپی ہے، اپنی بیٹھک میں اب تک اس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے تین لڑکے بہاؤالدین، صباح الدین، عمادالدین اور چار لڑکیاں ہیں۔

مولانا قاری منظور احمد صاحب قاسمی

نام: منظور احمد بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ عبدالغفور بن حافظ عنایت اللہ

تاریخ ولادت: ۴؍رجب ۱۳۶۹ھ [۲۲؍اپریل ۱۹۵۰ء] ہے۔ امام جامع مسجد خیرآباد حافظ رحمت اللہ صاحب کے فرزند ہیں، خاندانی احوال کے لئے ان کے والد ماجد پر لکھا گیا مضمون دیکھ لیا جائے۔ ابتداء سے عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ شعبان ۱۳۸۰ھ [جنوری ۱۹۶۱ء] میں پرائمری درجہ پانچ پاس کیا، پرائمری کی تعلیم مولانا ہدایت اللہ صاحب اور مولانا شکر اللہ صاحب ولید پوری سے حاصل کی۔

شوال ۱۳۸۰ء [مارچ ۱۹۶۱ء] میں حفظ قرآن کریم حافظ امیر احمد صاحب کے یہاں شروع کیا، ۴؍رجب ۱۳۸۳ھ [نومبر ۱۹۶۳ء] میں حفظ کی تکمیل کی۔ اگلے سال شوال ۱۳۸۳ھ [مارچ ۱۹۶۴ء] میں درجہ فارسی میں داخلہ لیا، درجہ فارسی کے استاذ مولانا قمر الدین صاحب رسولپوری تھے۔ ایک سال فارسی پڑھ کر مولانا نذیر احمد صاحب کے مشورے سے شوال ۱۳۸۴ھ [مارچ ۱۹۶۵ء] میں عربی اول میں داخلہ لیا، سال کے اخیر میں عربی دوم کی ایک دو کتابیں بھی پڑھ لیں۔ اگلے سال عربی دوم کے ساتھ عربی سوم کی بھی کتابیں پڑھ لیں۔ عربی درجات کی تمام کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھیں۔

شوال ۱۳۸۶ھ [جنوری ۱۹۶۷ء] میں دارالعلوم مئو جاکر عربی چہارم میں داخلہ لے کر مشکوٰۃ شریف تک یہیں تعلیم حاصل کی۔ قاری محفوظ الرحمٰن صاحب سے تجوید پڑھی اور مکمل قرآن حدر میں ان کو سنایا۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا شیخ محمد صاحب، مولانا شیخ عبدالحق صاحب، مولانا انعام الحق صاحب اور مولانا قاری ریاست علی صاحب وغیرہ ہیں۔

شوال ۱۳۹۰ھ [دسمبر ۱۹۷۰ء] میں دارالعلوم دیوبند گئے اور یہاں مولانا سید فخر

الدین احمد صاحبؒ سے بخاری شریف پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی، یہ وہ آخری سال تھا جس میں شیخ نے پورے سال بخاری شریف پڑھائی تھی، اس کے بعد اگلے سال صفر ۱۳۹۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ مولانا عبدالمعید صاحبؒ مبارکپوری آپ کے دورہ کے ساتھی تھے۔

فراغت کے بعد ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء تک گھریلو کاروبار میں مصروف رہے، ناسازگار حالات کے باوجود کامیابی کے ساتھ تجارت کی، اس سلسلہ میں ملک کے مختلف حصوں میں سفر کر کے تاجروں سے رابطہ کرتے اور آرڈر حاصل کرتے۔ اسی درمیان مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کی درخواست دی، جو ۱۹۷۷ء کے اخیر میں منظور ہوئی اور جنوری ۱۹۷۸ء میں مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور چار سال وہاں رہ کر جولائی ۱۹۸۱ء لیسانس (مساوی بی اے) کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ''مدرس القرآن الکریم'' بنا کر ۲۸/اپریل ۱۹۸۲ء [۴/رجب ۱۴۰۲ھ] میں یورپ کے ایک ترقی یافتہ ملک بلجیم بھیجے گئے، لگتا ہے کہ ۴/رجب کو قاری صاحب کے ساتھ کچھ خاص مناسبت ہے، یہی آپ کی تاریخ ولادت، تکمیل حفظ اور بلجیم جانے کی تاریخ ہے۔ وہاں قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ نمازوں کی امامت اور تراویح بھی آپ کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ قاری صاحب قرآن بہت ہی عمدہ پڑھتے ہیں، بالکل اہل زبان کے لب ولہجہ اور طرز وانداز میں، میرے حفظ کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپ بلجیم سے وطن آئے ہوئے تھے، بازار والی مسجد میں آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی، آپ کے حسن قرأت کو میرے بعض احباب اب تک یاد کرتے ہیں۔

۱۹۹۹ء میں اپنے بعض احوال کی وجہ سے رابطہ کی ملازمت سے مستعفی ہو گئے اور ۲۰۱۲ء تک وہاں کے سرکاری اسکول میں پڑھاتے رہے۔ اپنی طالب علمی اور ابتدائی مدرسی کے زمانے میں دیکھتا تھا کہ سال ڈیڑھ سال میں وطن تشریف لاتے تھے، شاید ادھر کافی عرصہ سے خیرآباد آنا نہیں ہوا ہے۔ جہاں رہیں اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ رکھے۔

آپ کے تین بیٹے (فخر الدین، رشید الدین، عاصم منظور) اور ایک بیٹی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا ناظم علی صاحب خیرآبادی

مولانا ناظم علی صاحب خیرآباد کے ممتاز شیعہ عالم ہیں، ایک اچھے ادیب اور طلیق اللسان خطیب ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ان کی ایک شناخت اور پہچان ہے۔

نام: ناظم علی بن الحاج کاظم حسین بن الحاج ہدایت اللہ مرحوم۔ آپ کے نانا عالم جلیل، حکیم حاذق مولانا علی سجاد مبارکپوری ہیں، جن کا ذکر قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب ''تذکرہ علماء مبارکپور'' میں کیا ہے، [ص:۳۰۳ طبع جدید]

تاریخ ولادت: ۱۹ر مئی ۱۹۵۰ء

ابتدائی تعلیم مکتب حیدریہ خیرآباد میں حاصل کی ۱۹۶۳ء میں مدرسہ باب العلم مبارک پور گئے جہاں ''درجہ مولویت'' کی تکمیل کی۔ نہائی تعلیم کے لئے جامعہ ناظمیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا وہیں سے ۱۹۷۳ء میں فراغت حاصل کی، یہاں کے اساتذہ میں مفتی احمد علی صاحب، مولانا روشن علی صاحب اور محمد حسین خاں وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں داخلہ لے کر ''تاریخ مذاہب اسلامی، تنقید و تحلیل'' کے موضوع پر اختصاص بھی کیا، ۱۹۷۶ء میں یہاں سے سند فراغت حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد ظہور صاحب مئوی اور ابن حسن صاحب نونہروی وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ، لکھنؤ یونیورسٹی سے تاریخ اور اردو میں بی اے، ایم اے، اور کانپور یونیورسٹی سے بی ایڈ کیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کی یونین کے دو سال صدر رہے۔

تدریس:

۱۹۷۹ء میں یادگار حسینی انٹر کالج الہ آباد میں تاریخ کے لکچرر مقرر ہوئے، جہاں ۱۹۸۵ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ادارہ تنظیم المکاتب لکھنؤ کی مجلس انتظام کے ممبر رہے، مدرسینِ مکاتب کی تربیت بھی آپ کے ذمہ رہی، اور مکاتب کا تعلیمی و تنظیمی معائنہ بھی۔

یہاں سے ۱۹۸۵ء میں کینیا کے دارالحکومت نیروبی گئے، جہاں ایک کالج میں تقریباً ۷؍سال تک اخلاقیات کی تدریس متعلق رہی، یہاں سے ۱۹۹۲ء میں وطن واپسی ہوئی۔

فراغت کے بعد مختلف پروگراموں اور کانفرنسوں میں ہندستان اور دیگر ممالک جیسے امریکہ، ایران، عراق، کویت، قطر، یورپ اور افریقہ وغیرہ کا دورہ کر چکے ہیں۔ افریقہ میں قیام کے دوران اسلامی اخلاقیات کا تین سالہ کورس تیار کیا اور انگریزی میں اخلاق سے متعلق کتابیں لکھیں۔ علی گڈھ یونیورسٹی سلکشن کمیٹی کے کئی سال ممبر رہے اور اساتذہ کی تقرری میں ایکسپرٹ کی حیثیت سے شرکت کرتے رہے، کئی سال یونیورسٹی کے سیرۃ النبی کے جلسہ سے مسلسل خطاب کیا۔

۱۹۸۸ء میں جامعہ حیدریہ خیرآباد کی تاسیس کی، جس میں صرف ونحو، قرآن وتفسیر فقہ واصول، ادب عربی وفارسی وغیرہ سے متعلق اعلیٰ کتابوں کی تعلیم پانچ ماہر اساتذہ کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ اس وقت آپ اس کے روح رواں اور ذمہ دار ہیں اور اسی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، اس وقت مستقل قیام خیرآباد میں ہی ہے۔ عصری علوم کے تعلق سے ابتدائی درجات کی تعلیم کے لئے المدینہ اسکول ۲۰۱۰ء میں قائم کیا۔

تصنیفات:

زمانہ طالب علمی سے ہی قلم وقرطاس سے خاص شغف رہا، اب تک ۳۶؍چھوٹی بڑی کتابیں لکھ چکے ہیں، جن میں کچھ تراجم اور کچھ مستقل تصنیف ہیں، یہ سب اسلامیات سے متعلق ہیں۔ مضامین ومقالات کا کوئی شمار نہیں ہے۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ منظوم کلام معصومین ۲۔ طریقۂ تعلیم وتربیت ۳۔ نہج الخطابت
۴۔ تاریخ قرآن کریم ۵۔ اتحاد بین المسلمین ۶۔ تاریخ مذاہب اسلامی کلامی

۲۰۱۱ء میں ایک سہ ماہی رسالہ ''البیان'' جاری کیا جو اپنے وقت پر نکلتا رہتا ہے۔ مولانا کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی

استاذ العلماء مولانا فضل حق صاحب عارفؔ خیرآبادی مدرسہ منبع العلوم کے قدیم ترین اساتذہ میں سے ہیں، صاحب ورع وتقویٰ، متواضع ومنکسر المزاج، اردو زبان کے رمز شناس وناقد، بہترین ادیب و بلند پایہ شاعر، نظم ونثر پر یکساں قادر، ابھی گزشتہ سال ان کا مجموعۂ کلام ''صہبائے عارف'' کے نام سے شائع ہوکر اہل ادب سے خراجِ تحسین حاصل کررہا ہے۔ ذوق مطالعہ کے ساتھ کتابوں کے جمع کرنے کا بھی خوب ذوق ہے، اپنی تمام تر عسرت وتنگدستی کے باوجود ایسا عمدہ کتابوں کا ذخیرہ جمع کرلیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

نام: فضل حق بن محمد امین بن عبداللہ بن محمد رمضان [تاریخی نام: فضل حق انصاری]

تاریخ ولادت ۱۹؍صفر ۱۳۷۰ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۱۹۵۰ء ہے۔ آپ کا گھرانا ایک عام گھرانے جیسا تھا خاندان میں کسی صاحب علم وفضل کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا۔ پانچ سال کی عمر میں خیرآباد کے مشہور حافظ، حافظ محمد ادریس صاحبؒ سے قاعدہ بغدادی کی بسم اللہ کی، جو آپ کے خاندانی چچا حاجی عبدالحق مقادم کے مکان میں اس وقت رہتے تھے، قاعدہ بغدادی مکمل کرکے مدرسہ منبع العلوم میں داخلہ لیا، جو اس وقت جامع مسجد میں تھا، حافظ سلامت اللہ صاحب سے عم پارہ شروع کیا، ابھی عم پارہ ختم نہیں ہوا تھا کہ حافظ صاحب مدرسہ سے سبکدوش ہوگئے ان کی جگہ اترار ی کے مولانا انوار احمد صاحب مظاہریؒ جو ابھی فارغ ہوکر آئے تھے مدرس ہوئے۔ ان سے قرآن ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتاب (چمن اردو) اور معرفۃ التجوید پڑھی، مولانا نے بتایا کہ ''مولانا انوار احمد صاحب نے ایک خاص کتاب ''راہ نجات'' پڑھائی جو غالباً مولانا سخاوت علی جونپوری کی کتاب ہے، اس سے مجھ کو بڑا فائدہ ہوا اور میرا مزاج دینی بنا، یہ ساری باتیں ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۸ء تک کی ہیں۔''

۱۹۵۹ء میں مدرسہ موجودہ عمارت میں آ گیا، وہاں درجہ ۲ مولانا انوار احمد صاحب سے پڑھا، اور درجہ ۳/۴ مولانا نذیر احمد صاحب سے، اس وقت کا نظام کچھ ایسا تھا کہ اساتذہ حسب ضرورت پرائمری، فارسی اور عربی سب پڑھاتے تھے۔ مولانا نذیر احمد صاحب کا طرز تعلیم یہ تھا کہ سبق پڑھانے کے بعد اس کا مطلب ہر طالب علم سے اس کی زبان میں سنتے تھے، چاہے نثر ہو یا نظم، اس طرح طلبہ کو سبق تو یاد ہوتا ہی تھا اس کو بیان کرنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ درجہ پانچ حافظ ریاض الدین صاحب غالب پوری سے پڑھا، جو پرائمری کے ساتھ حفظ کے بچوں کو بھی پڑھاتے تھے۔

فارسی اول کی تمام کتابیں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بھیروی سے پڑھیں، اس کے بعد گلستاں بوستاں مولانا شکر اللہ صاحب سے پڑھنا شروع کیا، ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے کہ مولانا مدرسہ سے علیٰحدہ ہو گئے، پھر کچھ دن مولانا نذیر احمد صاحب سے اور تکمیل مولانا سعید الرحمٰن صاحب پورنوی سے کی، جو دار العلوم مئو سے بالکل فارغ ہو کر آئے تھے۔ عربی اول سے عربی سوم یعنی کافیہ وغیرہ تک کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھ کر دار العلوم مئو گئے جہاں شرح جامی سے دورۂ حدیث تک پڑھا۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبد الحق صاحب اعظمی (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہوئے) مولانا نذیر احمد صاحب مئوی، مولانا شیخ محمد صاحب، مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی وغیرہ ہیں۔ شعبان ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ء) سن فراغت ہے۔

تدریسی خدمات: شوال ۱۳۹۰ھ میں مدرسہ قرآنیہ جامع مسجد جون پور سے تدریسی زندگی کی ابتداء کی، وہاں تدریس کے ساتھ چندہ کرنے کی شرط لگادی گئی، اس لئے ایک ماہ کے بعد وہاں سے مستعفی ہو گئے۔ اس کے بعد مفتی حبیب الرحمٰن صاحب کے توسط سے سنبھل کے ایک گاؤں ''موسیٰ پور'' میں ۷/ ماہ رہے۔ ۱۹۷۳/۷۴ء میں چراغ العلوم بنارس ڈیڑھ سال کے قریب رہے، خانگی مجبوریوں کی وجہ سے یہاں سے گھر آنا پڑا، کچھ دن غالب پور میں پڑھایا، پھر ایک دوسال گھر رہ کر آبائی کاروبار میں رہے۔ محرم ۱۳۹۸ھ (دسمبر ۱۹۷۷ء) سے مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

راقم الحروف کو آپ سے شرف تلمذ حاصل ہے، مجھ پر مولانا کی خاص شفقت وتوجہ رہتی ہے۔ ۱۳۹۸ھ کے بعد کے خیرآبادی فضلاء تقریباً سب ہی آپ کے شاگرد ہیں، جیسے مولانا محمد راشد صاحب، مولانا محمد اطہر صاحب، مولانا کمال اختر صاحب، مولانا عبدالعزیز ندوی صاحب، مولانا عین الحق صاحب وغیرہ۔

اصلاحی تعلق پہلے مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ سے تھا، ان کے انتقال کے بعد استاذی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ سے رہا، ان کے وصال کے بعد مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ سے ہے، حضرت مفتی صاحب سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہے، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی کسی قدر ہے۔

مولانا بحیثیت شاعر:

مولانا فضل حق صاحب عارفؔ ایک فطری شاعر ہیں، منجانب اللہ انھیں موزوں طبیعت ملی، وہ لکھتے ہیں:

بات صرف اتنی ہے کہ طبیعت میں موزونیت فطرت نے ودیعت فرمائی ہے، چنانچہ پرائمری درجہ سے ہی الٹے سیدھے مصرعے موزوں کرنے لگا تھا۔ (صہبائے عارف: ۳۰)

اقبال سہیل مرحوم کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا تھا کہ: ''شاعر دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو پڑھ لکھ کر قابلیت کے زور سے شاعر بنتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو ماں کے پیٹ سے شاعر ہو کر آتے ہیں، وہ کچھ بھی نہ پڑھتے تو بھی شاعر ہی ہوتے، پہلے لوگ بہ تکلف شاعر بنتے ہیں، اور دوسرے فطری شاعر ہوتے ہیں؛ البتہ تعلیم ان کی شاعری کو جلا دیتی ہے''۔ (کلیات سہیل، ص: ۷، ط: نومبر ۲۰۱۱ء دارالمصنفین اعظم گڈھ)

مولانا بھی اسی دوسری قسم کے شعرا میں شامل ہیں۔ مولانا کی شاعری کے دو دور ہیں، ایک ابتداء سے ۱۹۸۹ء تک، دوسرا اس کے بعد سے اب تک، دورِ اول میں مولانا کا تخلص صہبا تھا، اور دوسرے دور میں عارفؔ۔ مولانا کا مجموعہ کلام بندہ کی سعی وکاوش سے صہبائے عارف کے نام سے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے شائع ہو چکا ہے، جس میں ان کی

شاعری کی ساری تفصیلات مولانا سمیت متعدد اہل قلم کے ذریعہ آ گئی ہیں، وہاں دیکھی جاسکتی ہیں، نمونہ کے طور ایک غزل، ایک حمد اور ایک نعت پیش کی جارہی ہے۔

حمد باری تعالیٰ

دلِ عارفؔ نے کچھ کچھ علمِ نبوی سے ضیا لی ہے ○ اسی نسبت سے کلکِ حمدِ باری آج اٹھا لی ہے
بذوقِ صادق و کامل جبیں اپنی جھکا لی ہے ○ بفضلِ حق مقدر کی کلی اب کھلنے والی ہے

زباں پر قل ھو اللّٰہ أحد فرمانِ عالی ہے
کبھی آیا ہے اللّٰــہ الصمد، اللہ والی ہے

کبھی ہے لم یلد پہلے ولم یولد بشانِ نو ○ سویدائے دلِ عارفؔ مبارک! یہ نشانِ نو
کیا آباد اپنے دل میں واللہ اک جہانِ نو ○ خدا کی شان بخشا ہے تجھے طرزِ بیانِ نو

اسی کے سامنے اٹھا ہوا دستِ سوالی ہے
کہ سرتاپا میں حاجت ہوں، غنی ہے وہ جمالی ہے

وہی اللہ خالق ہے وہی ہادی ہے باری ہے ○ اسی کے لفظِ ''کُن'' کا خسروانہ حکم جاری ہے
ربوبیت سے اس کی کل جہاں کی آبیاری ہے ○ اسی کا حکم دنیا کے لیے بادِ بہاری ہے

تعالی اللہ اس کی شانِ اِستغنا نرالی ہے
اطاعت کا کسی کی وہ نہیں محتاج، عالی ہے

زمین و آسماں، کہسار و دریا، زرع و نخلستاں ○ ہوں صحرا یا بیاباں یا ہوں بزم و رزم کے ساماں
فقیروں کے مکاں ہوں یا امیروں کے حسیں ایواں ○ زمرّد، نیلم و یاقوت ہوں یا ہوں دُر و مرجاں

جہانِ کون کی ہر ایک شئ اس نے سنبھالی ہے
گلستانِ جہاں کا بس وہی مالی ہے والی ہے

تواضع سے اسی کے گُن زمینِ پست گاتی ہے ○ بقدرِ ظرف جب بارانِ رحمت سے نہاتی ہے
تو چہرے کو گل و گلزار سے خوشتر بناتی ہے ○ زبانِ خامشی سے چپکے چپکے کہتی جاتی ہے

بفضلِ حق، عطائے رب مجھے اب ملنے والی ہے
میں واری رب باری کے، اسی کی ذات عالی ہے

وہ اپنی گود میں ننھے سے بیجوں کو سلاتی ہے ○ بصد شوقِ فراواں خونِ دل اپنا پلاتی ہے
لبِ خاموش سے تسبیح رب کی گنگناتی ہے ○ حسیں رخسار پر من موہنے پودے اگاتی ہے
زبانِ حال سے کہتی ہے میری خوش مآلی ہے
یہ نعمت جس نے بخشی ہے اسی کی ذات عالی ہے
اسی کے فیض رحمت سے گل وگلزار ہیں عارفؔ ○ بلند و پست اسی کے عشق میں سرشار ہیں عارفؔ
ہدایت سے اسی کی، ہم بھی خوش اطوار ہیں عارفؔ ○ اسی کے شش جہت پھیلے ہوئے انوار ہیں عارفؔ
اسی کی شانِ وہابی سے ہر شئ کی بحالی ہے
جہانِ رنگ و بو نے اس سے رحمت کی دعا لی ہے
نفاق و شرک سے ہو ہر نفس کو بیر یا اللہ! ○ رہیں تا زندگی ہم بے نیازِ غیر یا اللہ!
دعا عارفؔ کی ہے، ہو خاتمہ بالخیر یا اللہ! ○ تری رحمت سے ہو باغ جناں کی سیر یا اللہ!
تری توحید کے آگے جبیں اپنی جھکالی ہے
یقیناً مغفرت عارفؔ اسی سے ہونے والی ہے
زباں پر قل ھو اللہ أحد فرمان عالی ہے
خوشا تقدیر تکرار احد سوزِ بلالی ہے

○○○

شافعِ روزِ جزا

منور کردے جو دنیائے دل، ہاں! وہ ضیا تم ہو
بصیرت بخش مومن، نورِ حق، شمعِ ہدیٰ تم ہو

زہے قسمت کہ اب خلوت بھی ہے آسودۂ جلوت
تصور میں حبیبِ کبریا جلوہ نما تم ہو

نہیں کچھ امتیازِ ما و تو فیضانِ رحمت میں
ضیا بخشی ہے جس کی عام، وہ شمس الضحیٰ تم ہو

خدائے پاک کے فرمانِ عالی قُم فأنذر کے

نذیرِ خوش ادا تم ہو، بشیرِ جاں فزا تم ہو
عیاں شانِ رسالت ہے کلامِ حق تعالیٰ سے
یہ رفعت اللہ اللہ محرمِ سرِّ خدا تم ہو
جہاں خائف ہیں سارے انبیا، سکتے کا عالم ہے
وہاں اعزاز تم کو، شافعِ روزِ جزا تم ہو
قیامت کا ہے میداں نفسی نفسی کا ہے اک عالم
بحکمِ حق تعالیٰ عاصیوں کا آسرا تم ہو
رسولِ حق بفرمانِ خدا ہو، عبدِ کامل ہو
بجز اس کے نہ ہم جانیں، خرد سے ماورا تم ہو
ملی ہے بے بہا دولت جسے اشکِ ندامت کی
تعالی اللہ عارفؔ! وہ فقیرِ بے نوا تم ہو

☆☆☆☆☆

غزل

ان کا رخ اس طرف جب نہ ہوگا، آئینہ دل کا دیکھا کریں گے
اس بھری انجمن میں مگر ہم، حسن کو کیسے رسوا کریں گے

ہے کڑی دھوپ راہِ وفا میں، کوئی سایہ نہیں تا بہ منزل
راستے بھر مگر اب جنوں! ہم یادِ گیسو کا سایا کریں گے

بھر چکا ساغرِ عشق اپنا، ان کے غم کا مجھے غم ہے صہباؔ
یاد آئے گی میری وفا جب، آہ بھر بھر کے رویا کریں گے

اولاد: مولانا کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ لڑکوں کے نام: خلیق ارشد، طارق معاذ، مولانا عبداللہ خالد، حافظ عبیداللہ طاہر، عبدالحلیم عارفیؔ۔

مولانا عبدالعلی صاحب

نام: عبدالعلی بن عبدالرؤف

تاریخ ولادت: ۱۰/دسمبر ۱۹۵۰ء ہے، ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، جب وہ جامع مسجد میں تھا۔اس کے بعد مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم میں داخلہ لیا، پھر یہاں سے مصباح العلوم مبارکپور گئے۔فراغت ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم اشرفیہ سے ہوئی۔تدریس کی ابتداء دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ سے کی، اس کے بعد ضیاء العلوم خیرآباد آگئے، ۱۱/سال پڑھانے کے بعد ۷/اگست ۱۹۸۱ء کو مستعفی ہوگئے، پھر ۲۳/سال بعد دوبارہ پرائیوٹ طور پر ضیاء العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔فارسی زبان سے خاص مناسبت اور اس میں مہارت ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (کپڑا والے)

نام: حبیب الرحمٰن بن محمد امین پردھان بن حاجی برکت اللہ

ولادت: ۸/دسمبر ۱۹۵۱ء۔خیرآباد کے انتہائی ذہین وفطین عالم تھے، لیکن فراغت کے بعد تدریس سے وابستگی نہ رہی، اس لئے ان کے علم سے جو فائدہ پہنچنا چاہئے نہیں پہنچ سکا۔پرائمری وعربی کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، پھر ایک سال حیات العلوم مرادآباد میں پڑھا، وہاں سے مالیگاؤں گئے۔اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات گئے، اور وہاں شعبان ۱۳۸۶ھ (دسمبر ۱۹۶۶ء) میں مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی [شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل] سے بخاری شریف پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی۔

آپ کی کپڑے کی بہت مشہور دوکان تھی، اسی مناسبت سے مولوی صاحب کپڑا والے کے نام سے معروف تھے، ۱۸/شعبان ۱۴۳۸ھ/ ۱۵/مئی ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ انتقال ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محبوب احمد صاحب عزیزی

نام: محبوب احمد بن محمد یونس بن عبدالرحمٰن

تاریخ ولادت: ۲۵/اپریل ۱۹۵۱ء

مولانا محبوب احمد صاحب خیرآباد کے بریلوی علماء میں ایک ذی حیثیت عالم ہیں۔ درجہ پرائمری سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم اشرفیہ خیرآباد میں حاصل کی، اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور گئے جہاں دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۳۸۸ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۸ء میں فضیلت حاصل کی۔ بخاری شریف حافظ ملت مولانا عبدالعزیز صاحب مرادآبادی سے، مسلم شریف مولانا عبد المنان صاحب مبارکپوری سے اور بیضاوی شریف مولانا عبدالرؤف صاحب علیہم الرحمہ سے پڑھی۔

تدریس:

فراغت کے بعد ۱۹۶۹ء سے تدریس کا آغاز کیا، سب سے پہلے ۵/سال تک مدرسہ اشرفیہ احیاء العلوم علی نگر، ادری ضلع مئو میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس دوران ۶/ ماہ مدرسہ اسلامیہ چت بڑا گاؤں ضلع بلیا میں رہے، اس کے بعد ۱۹۷۶ء سے اب تک مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ تاریخ الخلفاء، منثورات اور ازہار العرب وغیرہ کتابیں زیر درس رہی ہیں۔

مولانا امتیاز احمد صاحب قاسمیؒ

مولانا امتیاز احمد صاحب قاسمیؒ خیرآباد کے ذہین وفطین اور ممتاز علماء میں سے تھے، تمام علوم وفنون میں گہری دسترس اور رسوخ رکھتے تھے، خصوصاً منطق وفلسفہ جیسے عقلی علوم سے خاص مناسبت تھی۔ عمر کم پائی، پچاس سال سے کچھ ہی زیادہ عمر تھی کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

نام: امتیاز احمد بن حاجی محمد یاسین بن عبدالرحمٰن

یکم رجنوری ۱۹۵۲ء کو خیرآباد کے ایک ذی وجاہت خاندان میں آنکھیں کھولیں، آپ کے والد حاجی محمد یاسین صاحب ایک عرصہ تک مدرسہ منبع العلوم کے نائب ناظم رہے۔ ابتدا سے لے کر عربی چہارم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور فہم وشعور کی وجہ سے صدر المدرسین مولانا نذیر احمد صاحب نے سوم اور چہارم کی کتابیں ایک ہی سال میں مکمل کرادی تھیں۔ عربی چہارم پڑھ کر دار العلوم مئو جا کر عربی پنجم کی کتابیں ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا قاری ریاست علی صاحب، مولانا شیخ محمد صاحب، اور علامہ نیاز احمد صاحب جہانا گنجی وغیرہ تھے۔

اس کے بعد شوال ۱۳۹۰ھ [دسمبر ۱۹۷۰ء] میں دار العلوم دیوبند گئے جہاں دوسال رہ کر شعبان ۱۳۹۲ھ [ستمبر ۱۹۷۲ء] میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف کا کچھ حصہ مولانا سید فخر الدین صاحب سے پڑھا، ان کے انتقال کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سے بقیہ حصہ پڑھا، جلد ثانی فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے پڑھی۔ دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں مولانا عبدالرب صاحب اعظمی، مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی، مولانا بدر الحسن صاحب دربھنگوی، مولانا نثار احمد صاحب بستوی، اور مولانا سعید الحق صاحب مئوی وغیرہ ہیں۔

تدریس:

فراغت کے بعد شوال ۱۳۹۲ھ [جنوری ۱۹۷۳ء] سے شعبان ۱۳۹۳ھ [ستمبر ۱۹۷۳ء] تک ایک سال ادارہ علوم اسلامیہ اسرہٹہ جون پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد شوال ۱۳۹۳ھ میں نصف سال بھولے پور ہنسور کے ایک مدرسہ میں رہے، اس کے بعد آپ کے استاذ مولانا نذیر احمد صاحب نے مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں تدریس کے لئے منتخب کیا، آپ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ [اپریل ۱۹۷۴ء] میں یہاں تشریف لائے اور تقریباً ۸/سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ صدر صاحب کے بعد آپ صدر مدرس بنائے گئے۔ یہاں کے شاگردوں میں مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب، مولانا انوار احمد صاحب، مولانا ضیاء الدین صاحب وغیرہ ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں مستعفی ہوکر مزید تعلیم کیلئے جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ جہاں سے بی اے اور ایم اے کرنے کے بعد ۱۹۹۴ء میں وطن واپس ہوئے۔

وطن واپسی کے بعد تدریس کا دوسرا دور شروع ہوا، دو سال مرکزی دارالعلوم محمدیہ گھوسی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ رمضان ۱۴۱۷ھ [فروری ۱۹۹۷ء] میں جامعہ اسلامیہ بنارس کے استاذ مولانا محمد مجتبیٰ صاحب معروفی کے انتقال کے بعد جامعہ اسلامیہ کے منتظمین کی دعوت پر شوال ۱۴۱۷ھ میں وہاں تشریف لے گئے اور ایک کامیاب استاذ کی حیثیت سے ۸/سال تک تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ اور اپنے علمی رسوخ، تدریسی صلاحیت اور بلندیٔ اخلاق کی وجہ سے طلبہ واساتذہ اور انتظامیہ سب کے نزدیک محبوب رہے۔

مولانا کی عمومی صحت ہمیشہ اچھی رہی، انتقال سے دو ماہ قبل علالت کا سلسلہ شروع ہوا اور ۱۸/شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۲۰۰۵ء جمعہ کو عین فجر کی جماعت کے وقت سوا پانچ بجے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، جمعہ کی نماز کے بعد مدرسہ منبع العلوم کے صحن میں مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کی اقتداء میں ایک عظیم مجمع نے نماز جنازہ ادا کی۔

پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

(مزید تفصیل کیلئے مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی کا مضمون دیکھئے: ماہنامہ ضیاءالاسلام اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی

مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب قاسمی خیرآباد کے ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھنے والے ذہن وفطین عالم ہیں، اپنے وقت کے ممتاز طلبہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، یہاں سے دیوبند تک جہاں رہے نمایاں رہے۔ مولانا نذیر احمد صاحب [صدر صاحب] کے بھتیجے ہیں، فراغت کے بعد گھریلو کاروبار اور مشاغل میں لگ گئے ورنہ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا عبیدالرحمٰن صاحب کی طرح ایک اور اچھا عالم خیرآباد کو ملتا۔

نام: محفوظ الرحمٰن بن صغیر احمد [دلال] بن حاجی رحمت اللہ بن علیم الدین

تاریخ ولادت یکم جنوری ۱۹۵۲ء ہے۔ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ منبع العلوم میں داخل کئے گئے، قاعدہ بغدادی اور قرآن کریم اپنے بڑے والد مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھا، پرائمری، پھر فارسی سے عربی سوم تک منبع العلوم میں پڑھا۔ فارسی اور عربی کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا حافظ عبدالحی صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب رسولپوری ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم مئو گئے جہاں دوسال میں چہارم، پنجم کی تعلیم حاصل کی، یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد عارف صاحب اور مولانا افتخار احمد صاحب وغیرہ ہیں۔

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں ۱۹۷۶ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، بخاری شریف مولانا شریف الحسن صاحب سے پڑھی، دیگر اساتذہ میں مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا معراج الحق صاحب اور مولانا وحید الزماں صاحب وغیرہ ہیں۔ فراغت کے بعد تکمیل ادب میں داخلہ لے کر ایک سال تک عربی ادب میں بھی اچھی مہارت حاصل کرلی، ۱۹۷۷ء میں تکمیل ادب مکمل کرکے گھر آئے، اور گھریلو کام کے ساتھ اعزازی طور پر تین سال تک منبع العلوم میں مدرس رہے، نورالایضاح، قدوری اور الفیۃ الحدیث وغیرہ کتابیں زیر درس رہیں۔

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب خیرآبادی

مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث صاحب قاسمی پروفیسر واستاذ کرسی اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی ملیشیا، علم حدیث کی خدمات کے سلسلہ میں علمی دنیا میں ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں، اس موضوع پر ان کی ایک درجن کے قریب کتابیں شائع ہوکر اس فن کے ماہرین سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ان کی کئی کتابیں ملیشیا و برونائی کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں، مولانا کا علمی کام چونکہ تمام تر عربی زبان میں ہے اس لئے ان کے اہل وطن نہ ان کے کام سے اچھی طرح واقف ہوسکے، نہ علمی مقام سے۔

مولانا کی زندگی طلبہ کے لئے بڑی سبق آموز اور حوصلہ بخش ہے کہ بغیر کسی خاندانی پس منظر اور بغیر کسی بڑی شخصیت کی رہنمائی کے محض اپنی ذاتی محنت وکوشش، ذوق وشوق اور عزم وحوصلہ کی بنا پر یہ بلند مقام حاصل کیا، مولانا کی زندگی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اگر یہ اوصاف کسی کے اندر ہوں تو وہ چھوٹی جگہ رہ کر بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے ورنہ بڑی جگہ رہ کر بھی چھوٹا ہی رہے گا۔ذیل میں مولانا کی مختصر سوانح اور علمی خدمات کا تعارف پیش ہے۔

نام: محمد ابواللیث ولد حاجی شمس الدین ولد حاجی محمد یعقوب ولد حاجی محمد حسن

۸/اکتوبر ۱۹۵۳ء کو خیرآباد کے ایک عام کماتے کھاتے مستور الحال گھرانے میں آنکھیں کھولیں، جہاں دور دور تک علم کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ہاں آپ کے پردادا حاجی محمد حسن صاحب گاؤں کے گنے چنے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے،آپ کے نانہال میں شعر وادب سے کافی لگاؤ تھا، نانا محمد سعید مجاہد مدحِ صحابہ کے مشہور شاعر تھے اور ماموں محمد مبین انجم بہت بڑے اور عمدہ شاعر تھے، انھوں نے مدرسہ منبع العلوم کا نہایت عمدہ اور شاندار ترانہ لکھا ہے، ماموں سے کافی بے تکلفی تھی۔

گاؤں کے دیگر بچوں کی طرح مولانا کی تعلیم کا آغاز گاؤں کے مدرسہ منبع العلوم سے ہوا۔ ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک پرائمری اور فارسی کی تعلیم اسی مدرسہ میں ہوئی۔ کم سنی میں ہی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا، ان کی بڑی خواہش تھی کہ میرا بیٹا پڑھ لکھ کر بڑا عالم بنے، چنانچہ والدہ کی اس آرزو کی تکمیل کے لئے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مدرسہ منبع العلوم میں ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۵ء تک عربی چہارم تک تعلیم مکمل کر لی، ایک کتاب مرقاۃ کے علاوہ سبھی کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب خیرآبادی سے پڑھیں۔ اس وقت یہیں تک اس مدرسہ میں تعلیم ہوتی تھی، اس لئے مزید تعلیم کے لئے اب باہر جانا لازم تھا، ان دنوں مرادآباد میں مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی اور مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں پڑھا رہے تھے تو ۱۹۶۶ء میں مرادآباد جا کر عربی پنجم میں داخلہ لیا اور وہاں ایک سال رہ کر ۱۹۶۷ء میں دیوبند چلے گئے جہاں نہایت آسانی کے ساتھ موقوف علیہ ناقص میں داخلہ ہوگیا، اس سال آپ نے جلالین، ہدایہ اولین، سلم اور میبذی وغیرہ پڑھی، اگلے سال ۱۹۶۸ء میں موقوف علیہ تام کیا، جس میں مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین، سراجی اور شرح عقائد وغیرہ زیر درس رہیں۔ ۱۹۶۹ء (شعبان ۱۳۸۹ھ) میں دورۂ حدیث سے ممتاز پوزیشن کے ساتھ سند فضیلت حاصل کی، پوری جماعت میں آپ کی دوسری پوزیشن رہی۔ بخاری شریف جلد اول مولانا سید فخر الدین احمد صاحب (شیخ الحدیث) سے اور جلد ثانی مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے پڑھی۔ ایک سال مزید رک کر تکمیل ادب کا ارادہ تھا، مگر قضا وقدر کے فیصلے کچھ اور تھے اس لئے یہ ممکن نہ ہوسکا، اس طرح دورۂ حدیث کے ساتھ درس نظامی کی تعلیم مکمل ہوگئی۔

تدریسی خدمات:

۱۳۸۹ء میں شوال کے آخر (جنوری ۱۹۷۰ء) میں حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی خیرآبادی کے توسط سے مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں عارضی طور پر بحیثیت مدرس چھ ماہ رہے۔ ۱۹۷۰ء کے وسط میں مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی علیہ الرحمہ کے ایما پر

مدرسۃ الاصلاح سرائمیر آ گئے، یہاں آپ نے سات سال پڑھایا، یہیں سے مدینہ منورہ گئے یہاں دیگر کتابوں کے علاوہ بخاری شریف بھی کچھ عرصہ پڑھائی، اور فتویٰ نویسی بھی کی۔ یہاں کے نمایاں تلامذہ میں مولانا طاہر مدنی سابق ناظم جامعۃ الفلاح، مولانا محمد اجمل ایوب اصلاحی، اور مولانا سلطان احمد اصلاحی (مرحوم) وغیرہ ہیں۔ یہاں ۱۹۷۰ء میں ۱۲۰؍روپئے پر تقرری ہوئی تھی اور سات سال کے بعد ۱۹۷۶ء میں جب نکلے تو تنخواہ ۱۸۰؍روپئے تھی۔

حدیث میں گریجویشن (بی اے):

اپنے بعض احوال کی وجہ سے مولانا نے مدینہ یونیورسٹی میں پڑھنے کی درخواست جمع کی جو بحمد اللہ پہلے سال ہی منظور ہوگئی، اور ۱۹۷۶ء میں مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الحدیث الشریف میں داخلہ ہوگیا، اسی سال آپ نے پہلا حج کیا، (اتفاق سے اسی سال ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ (دسمبر ۱۹۷۶ء) میں چودہ ماہ کی عمر میں مَیں نے بھی والدین کی گود میں رہ کر پہلا حج کیا، جس کی وجہ سے مجھے حاجی بابو کہا جاتا ہے۔) چار سال کی جد وجہد، محنت اور شبانہ روز پڑھائی کے بعد اللہ تعالی نے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں پہلی پوزیشن سے کامیابی عطا فرمائی۔

حدیث میں ایم اے (ماسٹر):

بی اے کے بعد اپنے بعض دوستوں کے مشورہ پر جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ میں ایم اے کے لئے درخواست دی جو منظور ہوگئی، ایم اے کے لئے آپ نے امام ھناد بن السری کی کتاب الزھد پر مقالہ لکھا، ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں مناقشہ ہوا اور ممتاز پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوئے، یہ مقالہ قطر کی وزارت اوقاف نے شائع کیا ہے۔

حدیث میں ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی):

ایم اے میں ممتاز پوزیشن سے کامیابی کی وجہ سے ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں بآسانی دکتوراہ (پی ایچ ڈی) میں داخلہ ہوگیا، اور پانچ سال کی شبانہ روز محنت کے بعد امام طحاوی کی مایۂ ناز کتاب ''بیان مشکل الآثار'' کے آخری جز کی تحقیق ودراسہ پر ۱۴۱۲ھ

مطابق ۱۹۹۲ء میں ممتاز پوزیشن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔

ملیشیا کی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں تدریسی خدمات:

پی ایچ ڈی کے بعد اللہ تعالی کے فضل سے ملیشیا کی بالکل نئی انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں تدریس کے لئے جگہ مل گئی اور ۵/جولائی ۱۹۹۳ء سے تادم تحریر اسی میں بی اے (بکالوریوس) ایم اے (ماسٹر) اور ڈاکٹریٹ کے سارے کورسز کی تدریس متعلق رہی، جس میں حدیث، علوم حدیث، فقہ، اصول فقہ شامل ہیں۔ اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرری ہوئی تھی، سات سال کے بعد ۲۱/مارچ ۲۰۰۱ء میں کئی مقالات اور کتابیں لکھنے پر ایسوسیٹ پروفیسر کی پوسٹ پر ترقی دی گئی، اور پھر آٹھ سال کے بعد ۱۳/مقالے اور پانچ کتابیں لکھنے پر ۲۸/فروری ۲۰۰۹ء میں فل پروفیسر بنادیا گیا۔ حسن تدریس کی بناپر ریٹائرمنٹ کے بعد ہر سال توسیع ہوتی رہی، فل پروفیسر ترقی کا آخری مرحلہ تھا، مگر اللہ کے یہاں مزید ترقی کا فیصلہ ہو چکا تھا، یکم فروری ۲۰۱۹ء کو استاذ کرسی جمل اللیل برائے سنت (چیئر ہولڈر) کے منصب پر سرفراز کیا گیا، تاحال اسی عہدہ پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازیں۔

☆☆☆☆☆

اولادیں: مولانا کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ **ابوطلحہ مسعود:** یہ سب سے بڑے ہیں اور گھر پر رہتے ہیں۔ **حافظ ابوسلمہ حمود:** یہ امریکن نیشنل ہیں، انھوں نے امریکہ سے بی اے اور ایم اے کیا، ابھی کچھ عرصہ قبل قرآن کریم بھی حفظ کرلیا ہے۔ **عبدالعزیز:** سب سے چھوٹے بیٹے ہیں، انھوں نے ملیشیا سے ایرواسپیس میں بی اے کیا اور انڈونیشیا میں جاب کررہے ہیں۔ سب سے بڑی بیٹی سعدیہ عائشہ ہیں، اس کے بعد **رضیہ عائشہ:** انھوں نے یمن کی یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی کی ملیشین برانچ سے اسلامیات میں بی اے کیا ہے۔ **سعاد:** انھوں نے مونش یونیورسٹی ملیشیا سے بی اے کیا ہے اور اس وقت آئرلینڈ میں ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی سہام ہے، یہ اس وقت امریکہ میں ہے۔ مولانا کے بڑے پوتے **عبدالمحسن** نے لکھنؤ سے بی اے کیا ہے۔ (تفصیلات کیلئے ''سرگزشت حیات'' کا مطالعہ کریں، ص:۱۲۵)

ملیشیا میں تدریس کے دوران مولانا نے بہت ساری تحقیقات کیں، اس دوران ۵۵/ایم اے، اور ۰۷/ پی ایچ ڈی کے مقالات کے مشرف رہے۔ ہندستان کے دو اہم لوگوں نے آپ کے اشراف میں دکتورہ کیا ہے، ان میں ایک مولانا یاسر ندیم الواجدی دیوبندی (مقیم شکاگو) اور دوسرے مولانا محمد شکیب صاحب ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف ہیں۔ مولانا کو دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں کی کانفرنسوں اور تعلیمی پروگرام میں بھی مسلسل مدعو کیا جاتا ہے۔ آپ کی تحقیقات، تصنیفات اور مقالات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا. تحقیقات:

(۱) ''الزهد''للامام هناد بن السری، بتحقیقه(رسالة ماجستیر)نشرته دار احیاء التراث الاسلامی بدولة قطر، الطبعة الاولیٰ: ۱۴۰۶ھ الموافق ۱۹۸۶ء

(۲) ''بیان مشل الآثار'' الجز الثامن للامام الطحاوی، رسالة الدکتوراه، لم ینشر بعد.

(۳) التذکرة باحوال الموتیٰ وامور الآخرة للقرطبی، تحقیق ودراسة، نشر ۲۰۲۰ء

ب. تصنیفات:

(۱) تخریج الحدیث(کتاب مقرر فی بعض جامعات مالیزیا وبعض المدارس الاهلیة فی الهند)

(۲) علوم الحدیث أصیلها ومعاصرها (مقرر فی جمیع جامعات مالیزیا وجامعة دار السلام بروناٸی)

(۳) إتجاهات فی دراسات السنة قدیمها وحدیثها (مقرر فی الجامعة)

(۴) رحیق التفاسیر للأجزاء الثلاثة الأخیرة من القرآن الکریم (مقرر فی الجامعة)

(۵) رحیق التفاسیر للمائدة، التوبة، الإسرا، مریم، وطٰه من سور القرآن الکریم (مقرر فی الجامعة)

(۶) أسس النظام المالی والاقتصادی فی القرآن.

(۷) إعفاء اللحية بين النص و التطبيق.

(۸) معجم مصطلحات الحديث وعلومه وأشهر المصنفين فيه.

(۹) المرويات فى ليلة النصف من شعبان فى ميزان النقد الحديثى.

(۱۰) المرويات فى التوسعة على العيال يوم عاشوراء فى ميزان النقد الحديثى.

(۱۱) علامات الترقيم: شكلها وطريق استعمالها.

(۱۲) الطريقة المسنونة للمصافحة بين الرجال (تاليف: الشيخ جميل أحمد القاسمى النذيرى، ترجمته من اللغة الأردية الى العربية)

-13المعجم المفهرس النافع لما ورد من المصادر والمراجع فى أقراص الليزر المعدة من قبل شركات: التراث والعريس والمكتبة الشاملة 1و2، وجوامع الكلم، وتصحيح الأخطاء فى أ سمائها ومؤلفيها ونسبتها اليهم، هذا فهرس لأسما الكتب ومؤلفيها فى ۲۰/ قرصاً، وعدد الكتب فيها ۲۹۷۱ (غير منشور وهو جاهز للنشر تماماً)

(۱۴) شرح الأربعين النووى، كتبه لولده العزيز /عبد العزيز ۲۰۰۴م (غيرمنشور)

ج. مقالات:

(۱) المنهج العلمى عند المحدثين فى التعامل مع متون السنة.

(۲) الجذور التاريخية للوضع فى الحديث.

(۳) منهجية التعامل مع البعدين الزمانى والمكانى فى السنة عند المحدثين.

(۴) مختلف الحديث ومشكله.

(۵) شرح الأحاديث النبوية تأسيس وتطبيق.

(۶) حديث" لولا حواء لم تخن أنثىٰ زوجها الدهر" ا شكالية، وأسباب، وحلول.

(۷) مصنف الامام عبد الرزاق الصنعانى تاريخ، تقييم، منهج.

(۸) کتاب السنة ودورها فی الفقه الجدید للاستاذ جمال البنا: دراسة نقدیة.

(۹) البعدان الزمانی والمکانی فی السنة والتعامل معهما: تأصیل وتطبیق..

(۱۰) اشکالیة نقصان عقل المرأة ودینها: دراسة حدیثیة فکریة.

(۱۱) حدیث "خلق العناصر الأربعة :"دلالاته العرفانیة والخلقیة وأبعاده العلمیة.

(۱۲) الأمامة العظمیٰ فی الاسلام جدارة وأهلیة أم نسب وعِرق: دراسة حدیثیة مقارنة.

(۱۳) معالم الدکتور محمد مصطفیٰ الأعظمی فی الرد عل مطاعن المستشرقین حول السنة.

(۱۴) البعد الزمانی والمکانی وأثرهما فی فهم السنة.

(۱۵) اتجاه تقسیم السنة الیٰ تشریعی وغیر تشریعی بین الجحود والتأیید

(۱۶) المرویات فی سبب ورود حدیث "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار"فی میزان النقد الحدیثی.

د۔ کتابوں پر تبصرے:

(۱) مراجعة کتاب"العودة الی القرآن" للاستاذ قاسم أحمد المالیزی.

(۲) الاستاذ جمال البنا وموقفه من السنة من خلال کتابه "السنة ودورها فی الفقه الجدید"

(۳) مراجعة کتاب "دراسة نقدیة فی علم مشکل الحدیث" للعسعس.

☆☆☆☆☆

۱۔**سرگزشت حیات**۔ یہ مولانا کی خودنوشت سوانح حیات ہے جو میری ترتیب وتہذیب کے ساتھ جولائی ۲۰۲۱ء میں میرے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے شائع ہوئی۔ یہ اردو میں مولانا کی پہلی اور اکلوتی تصنیف ہے، اب تک مولانا کا جو بھی علمی کام ہے وہ سب عربی زبان میں ہے، اس کا تعارف کتاب کے حصہ اول میں آچکا ہے۔(دیکھئے صفحہ:(۶۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا محمد زاہد قاسمی

نام: محمد زاہد بن حاجی عبدالحمید

آج سے نصف صدی قبل گاؤں دیہات میں بچوں کی تاریخ ولادت لکھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، بلکہ بیشتر گھرانوں میں اب بھی نہیں ہے، اس لئے مولانا محمد زاہد صاحب کی تاریخ ولادت کے بارے میں درست معلومات نہ مل سکیں، ان کے دوست اور ہمارے چچا مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی نے بتایا کہ اندازاً ان کا سال ولادت ۱۹۵۴ء ہے۔

گھر میں کوئی علمی ماحول نہیں تھا، مولانا کے والد حاجی عبدالحمید صاحب ایک تجارت پیشہ شخص تھے، ان کے ۸؍ بیٹوں میں سے صرف مولانا ہی فضیلت کی تکمیل کر سکے۔ مولانا نے ابتداء سے عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ مکتب اور پرائمری کی تعلیم مولانا محمد غوث محمد آبادی، مولانا عبدالغفور خیرآبادی، مولانا ہدایت اللہ صاحب اور ماسٹر محمد الطاف صاحب و ماسٹر محمد اسحاق صاحب سے حاصل کی۔

فارسی مولانا قمرالدین صاحب رسولپوری و مولانا شمیم احمد صاحب غالب پوری سے پڑھی، ساتھیوں میں عبدالحلیم بن حافظ عبدالحی محلّہ پچھّم اور ارشاد احمد برادر مولانا انوار احمد خیرآبادی وغیرہ تھے۔ عربی اول و دوم کی بعض کتابیں مولانا قمرالدین صاحب اور مولانا حافظ عبدالحی صاحب سے اور بقیہ کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھیں۔ عربی سوم پڑھنے کے بعد احیاء العلوم مبارکپور گئے جہاں عربی چہارم میں داخلہ لیا، وہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالمنان صاحب بانسوپار، مولانا جمیل احمد صاحب مبارکپوری اور مولانا نیاز احمد صاحب وغیرہم تھے۔ عربی پنجم کی تعلیم دارالعلوم مئو میں حاصل کی، یہاں کے اساتذہ میں

مولانا انعام الحق صاحب مئوی، مولانا ریاض الحق قاسمی مئوی اور علامہ نیاز احمد جہانا گنجی وغیرہم تھے۔

اس دوران بیماری کی وجہ سے ایک دو سال تعلیمی سلسلہ موقوف بھی رہا، شوال ۱۳۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں موقوف علیہ میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۳۹۷ھ (اگست ۱۹۷۷ء) میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا شریف حسن صاحب، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا عبدالاحد صاحب، مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا معراج الحق صاحب، مولانا انظر شاہ صاحب، مولانا محمد سالم صاحب، اور مولانا وحید الزماں صاحب وغیرہ ہیں۔

دورہ کے ساتھیوں میں مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی اور مولانا انوار احمد صاحب ہیں۔

فراغت کے بعد ایک سال تک اپنے گھریلو کاروبار میں مشغول رہے، مولانا کا نظریہ یہ تھا کہ ''انسان کو معاشرہ میں عزت کی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشی اعتبار سے خوشحال اور مالی اعتبار سے مضبوط ہو۔'' اس لئے کاروبار کی طرف توجہ زیادہ رہی اور وہ ایک کامیاب تاجر بنے۔ اسی کے ساتھ تعلیم وتعلم سے تعلق برقرار رکھنے کے لئے ۱۹۷۸ء سے مدرسہ منبع العلوم میں اعزازی طور پر تدریسی خدمات انجام دینا شروع کیا، جس کا سلسلہ تادم وفات جاری رہا، جس کا دورانیہ ۳۵؍سال پر مشتمل ہے۔ چند سال دو کتاب اور اکثر ایک کتاب آپ کے ذمہ رہی، وقت کی پوری پابندی کے ساتھ آپ نے یہ خدمت انجام دی۔ میں نے عربی اول میں آپ سے القرأۃ الواضحۃ پڑھی ہے۔

مولانا کی صحت عموماً اچھی رہی، بیمار بھی کم ہی پڑتے تھے، انتقال سے کچھ پہلے پتھری کی شکایت ہوئی، بنارس میں اس کا آپریشن بھی کروایا، اس کے بعد طبیعت سنبھل نہ سکی اور ۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۸؍اکتوبر ۲۰۱۳ء منگل کے روز ساڑھے بارہ بجے دن میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اور عشاء کے بعد ۹؍بجے نماز جنازہ اور تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ

(یہ مضمون مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی کے مضمون کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔)

حافظ وقاری وسیم احمد صاحب خیرآبادی

استاذی قاری وسیم احمد صاحب مدظلہ کی ذات بابرکات مغتنماتِ زمانہ میں سے ہے، ۳۷؍سال سے زائد عرصہ سے منبع العلوم میں حفظ پڑھا رہے ہیں، خدمت قرآن کریم کی کل مدت ۴۵؍سال ہے، تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے کم کیا ہوگی۔ قدیم اساتذہ کے بارے میں تاریخ میں جو کچھ پڑھا ہے، ان کے اخلاص وایثار کی جو داستان سنی ہے، تلامذہ کے تئیں ان کی ہمدردی وغمگساری اور دلسوزی ودردمندی کے جو واقعات ذہن میں ہیں، قاری صاحب اس کا ہو بہو نمونہ اور عکس جمیل ہیں، انہی اسلاف کرام کی بچی کھچی یادگار ہیں۔

قاری صاحب کوئی رسمی مدرس نہیں ہیں کہ مدرسہ کے وقت حاضری دے لی اور کام ختم، سالہا سال ان کے قریب رہ کر دل نے گواہی دی کہ تعلیم وتربیت اور تدریس وتبلیغ دین ان کے دل کا حال ہے، اپنے طلباء ومتعلقین کی صلاح وفلاح کی فکر اور ان کی اصلاح ودرستگی کے لئے سعی وکاوش کا ایک عجیب جذبہ اور تڑپ ان کے دل میں ہمہ وقت موج زن دیکھا، وہ ہمیں صرف قرآن حفظ نہیں کراتے تھے بلکہ اس طور پر تربیت کرتے تھے کہ ہم سہی معنوں میں سچے پکے مسلمان بن جائیں، اسلام ہمارے رگ وریشے میں پیوست ہوجائے اور ہمارے پورے وجود سے جھلکے، وہ خود ان تمام چیزوں پر پوری طرح عامل تھے، اسلامی اخلاق وآداب کا ایک نمونہ تھے، ان کا حال یہ ہے کہ شاید ہی کبھی کوئی سلام کرنے میں ان سے سبقت کرسکے۔

عوام کے دکھ درد میں اور معاملات ومسائل کے حل میں پیش پیش رہتے ہیں، طلبا تو خیر طلبا ہیں، ہر ایک کی خیر خواہی وہمدردی میں لگے رہتے ہیں، کبھی جماعت کے لوگ ہیں تو ان کی نصرت واعانت میں لگے ہیں، کبھی گاؤں دیہات کے لوگ آگئے کہ ہمارے یہاں

مسجد ومکتب نہیں ہے تو اس کی تگ ودو میں لگے ہیں، جمعرات جمعہ کو فرصت مل گئی تو کسی کی عیادت کے لئے نکل گئے، کہیں جمعہ کو کسی دیہات میں نکل گئے اور جا کر بیان کیا اور جمعہ پڑھا کر واپس آ گئے۔قاری صاحب کی جو خوبیاں اور محاسن وکمالات ہیں یہ اس کی چند جھلکیاں ہیں، اس سے زیادہ کا یہ مختصر تذکرہ متحمل بھی نہیں ہوسکتا، کبھی موقع ملا تو تفصیل سے لکھوں گا۔

نام: وسیم احمد بن مولوی نثار احمد بن حاجی برکت اللہ

سال ولادت ۱۹۵۶ء ہے، والد محترم مولوی نثار احمد صاحب جو موقوف علیہ (مشکوٰۃ شریف) تک پڑھے ہوئے تھے، اپنی شدید علالت کی وجہ سے دورۂ حدیث تو نہ کر سکے لیکن شعر وادب سے لگاؤ رکھنے والے ایک باذوق وصاحب مطالعہ انسان تھے، انھوں نے اپنے تمام بچوں کو تعلیم دلائی اور بہترین تربیت کی، انھوں نے اپنی تمام اولادوں اور دیگر اہل خاندان کی تاریخ ولادت ووفات اور دیگر احوال وواقعات لکھ رکھے تھے لیکن وہ ڈائری کہیں گم ہوگئی اس لئے ولادت کی تاریخ ومہینہ معلوم نہ ہوسکا۔قاری صاحب کی ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔انھوں نے ۱۹۶۱ء میں مدرسہ جانا شروع کیا، ۱۹۶۵ء میں پرائمری درجہ دوم پڑھ کر حفظ شروع کردیا، اسی کے ساتھ والد محترم سے ہندی وغیرہ بھی پڑھتے رہے۔ پرائمری کے اساتذہ میں مولانا ہدایت اللہ صاحب، مولوی عبدالغفور صاحب وغیرہ تھے۔حفظ خیرآباد کے استاذ الحفاظ حافظ محمد ادریس صاحب کے یہاں شروع کیا، اس وقت خیرآباد میں شعر وادب کے ساتھ قوالی وغیرہ کے گروپ بھی موجود تھے، قاری صاحب کو منجانب اللہ آواز اور گلا نمو نے کا ملا تھا، کچھ ایسے ساتھی ملے کہ پڑھائی سے زیادہ قوالی اور دوسری لغویات میں وقت صرف ہونے لگا، آواز تو خوب سے خوب تر تھی ہی معاملہ ستار اور ہارمونیم تک جا پہنچا، ان سب میں کافی مہارت بہم پہنچالی، والد محترم اور گھر والوں کی تمام سختیاں بھی کچھ کارگر نہ ہوسکیں، اور تین سال میں کسی طرح ۸/ پارے پڑھ سکے۔
ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید اب یہ نہ پڑھ سکیں گے، لیکن نہ جانے کس کی دعا رنگ

لائی اور ۱۹۶۸ء میں توفیق الٰہی نے حافظ محمد خلیل صاحب گونڈوی کے مدرسہ بھٹنی گورکھپور پہنچادیا، وہاں پہنچ کر زمین وآسمان بدل گئے، ایسی محنت، فکر اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں منہمک ہوئے کہ سابقہ تمام لاپرواہیوں اور نقصانات کی تلافی کردی، حافظہ تو بہت اچھا نہ تھا لیکن اس کی تلافی اپنی محنت سے کرڈالی، تین سال میں حفظ مکمل کیا، اور قرآن اس قدر عمدہ یاد کرلیا کہ ایک نشست میں بے تکلف سنادیتے تھے، دَور کے ساتھ فارسی بھی پڑھ ڈالی، اور ایک سال عربی کی بھی کچھ کتابیں پڑھیں، وہاں پانچ سال رہے۔

۱۹۷۴ء میں گھریلو احوال کی وجہ سے گھر رہنا پڑا، والد صاحب کے ساتھ کپڑے کی دوکان پر رہنے لگے، آپ کے والد صاحب کو آپ کی تعلیم کی بہت فکر رہا کرتی تھی، قاری صاحب سے کہتے تھے کہ اور بچوں کو تو میں نے ان کی ضروریات کے لئے پڑھایا ہے لیکن تم کو اپنی آخرت کے لئے پڑھایا ہے، اس لئے تمہیں تو اسی لائن میں رہنا ہے، سال بھر تک والد صاحب کے ساتھ رہے، اس دوران والد صاحب گاؤں کے مختلف حفاظ سے قرآن کا دور سنواتے اور ان سے معلوم کرتے کہ قرآن ٹھیک سے یاد ہے کہ نہیں۔

ایک سال کے بعد والد محترم ان کو لے کر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ مولانا مجیب اللہ صاحب کے پاس گئے کہ یہ حفظ پڑھائے گا، اس وقت قاری صاحب کی عمر ۱۹؍سال ہوچکی تھی اور بیسواں سال شروع ہورہا تھا، دبلے پتلے کمزور جثّہ کے تھے ہی، مولانا مجیب اللہ صاحب نے کہا کہ یہ بچہ کیا حفظ پڑھائے گا، تو والد صاحب نے پُر اعتماد لہجہ میں کہا کہ یہ نہ صرف پڑھائے گا بلکہ توقع سے بہتر پڑھائے گا، اس اعتماد کو دیکھ کر مولانا مجیب اللہ صاحب نے شعبہ حفظ میں رکھ لیا، تنخواہ تو ۸۰؍روپئے طے کی، لیکن ایک ماہ کے بعد جب کارکردگی دیکھی تو از خود ۱۰۰؍روپئے تنخواہ کردی، قاری صاحب حفظ کے بچوں کو تہجد کے وقت ہی اٹھادیتے اور اسی وقت سبق سننا شروع کردیتے، اس سے مولانا بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ آپ عربی کے بچوں کو بھی صبح اٹھایا کیجئے، اور آپ کی تنخواہ عربی اساتذہ کے برابر ۱۲۵؍روپئے کردی، لیکن یہی مقبولیت وقدردانی قاری صاحب کے لئے پریشان کن بن گئی، اور آپ کی

ذات نشانۂ رشک وحسد بن گئی، جیسا کہ فی زمانہ مدارس کا دستور ہے۔ ایک سال کے بعد قاری صاحب اعظم گڈھ چھوڑ کر دارالعلوم حسین آباد، انجان شہید چلے گئے، جہاں ڈھائی سال تک اسی طرح مقبولیت کے ساتھ رہے، ۱۹۷۹ء کے اخیر میں نورالاسلام ولید پور کے لوگوں کے اصرار پر یہاں تشریف لائے، اور سوا دو سال رہ کر جامعہ رشیدیہ بھور آگئے، مولانا محمد مسلم صاحبؒ کی ایما پر حاجی شمس الدین صاحب نے بےحد اصرار کرکے یہاں بلایا تھا۔ اپنی بعض گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے گھر رہنا ضروری ہوا تو ۱۹۸۳ء کے اخیر میں مدرسہ منبع العلوم خیرآباد آگئے، اور گزشتہ ۲۷؍سالوں سے یہیں خدمت قرآن کریم میں مصروف ہیں۔

ملک کے اکثر علماء کرام سے آپ کے مراسم ہیں، ان کے خدمت میں حسب فرصت حاضری کا معمول رہتا ہے۔ تبلیغی جماعت سے نہایت گہرا اور جذباتی لگاؤ ہے، اپنے زمانہ طالب علمی میں دیکھتا تھا کہ شعبان، رمضان کی تعطیلات میں چلے میں نکل جاتے تھے، درمیان کی چھٹیوں میں بھی ہفتہ عشرہ کے لئے جانے کا معمول تھا، ہم لوگ بھی آپ کی ترغیب پر ایک آدھ بار آپ کی معیت وامارت میں جماعت میں گئے ہیں۔ تصوف وسلوک سے بھی عملی لگاؤ ہے، پہلے مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ سے بیعت تھے، ان کے انتقال کے بعد مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے بیعت ہوئے، چند سال قبل اجازت بیعت سے نوازے گئے، لیکن میرے علم کے مطابق بیعت نہیں کرتے ہیں۔

قاری صاحب کے دولڑکے مولوی حافظ محمد احمد ومولوی محمد ارشد اور دولڑکیاں ہیں۔

ادھر گزشتہ دس پندرہ سالوں سے مختلف قسم کے امراض وعوارض میں گھرے رہتے ہیں، لیکن دینی وتدریسی سرگرمیاں حسب معمول جاری رہتی ہیں، احتیاط کی کمی کی وجہ سے اب تو مجموعۂ امراض بن کر رہ گئے ہیں۔ باری تعالیٰ شفاء وصحت کی دولت سے نوازیں، اپنا فضل خاص فرمائیں، اور آپ کا سایۂ شفقت ہم پر دراز فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی میرے ان اساتذہ میں سے ہیں جنھوں نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا، انھوں نے میرا شوق مطالعہ دیکھا تو بہت تحسین کی اور حوصلہ افزائی فرمائی، پہلی مرتبہ باقاعدہ لکھنے کی ترغیب انھیں نے دی، مضامین لکھوائے اور اس کی اصلاح وتصحیح کے بعد اسے بچوں کے رسالہ پیام تعلیم میں شائع کروایا۔ طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنا، ان کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا، ان کے اندر آگے بڑھنے کا ولولہ اور جذبہ پیدا کرنا مولانا موصوف کا خاص وصف ہے۔ ان کی نگاہِ جوہر شناس نے نہ جانے کتنے طلبہ کو میدان تحریر وتقریر میں درجۂ کمال پر فائز کر دیا۔

’’ہم لوگوں کی طالب علمی سے بہت پہلے اور بعد تک مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کے طلبہ کی انجمن ’’انجمن اصلاح اللسان‘‘ کی بیشتر سرگرمیاں جس ذات گرامی کی مرہون منت تھیں وہ استاذ محترم مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی کی متحرک وفعال شخصیت تھی، انجمن کے پروگرام کو مرتب کرنا، اس سلسلے میں طلباء کی رہنمائی کرنا، ان کے لئے تقریریں لکھنا، مکالمے تیار کرنا، اس کی مشق کرانا، ان کے اردو وعربی مجلّے کی نگرانی کرنا، ان سب میں مولانا پوری دلچسپی لیتے تھے، اور اپنے قیمتی اوقات کا بڑا حصہ بغیر کسی گرانی کے اس جذبے کے ساتھ صرف کرتے تھے کہ یہ نونہالان ملت آگے چل کر ملت کے محافظ و پاسبان بنیں۔ طلباء کی حوصلہ افزائی اور ان کے اندر آگے بڑھنے کا جذبہ وولولہ پیدا کرنا مولانا موصوف کی خاص صفت اور فن ہے۔ ایک خاص بات مولانا کے یہاں میں نے یہ دیکھی کہ کسی نے تقریر کا مطالبہ کیا، کسی نے مضمون لکھنے کیلئے کہا، کسی نے مکالمے کی فرمائش کی، اور اکثر ایک ساتھ یہ سارے تقاضے مولانا سے کئے جاتے تھے، لیکن مولانا نے کبھی انکار نہیں کیا، بلکہ اکثر تو اسی

وقت فی البدیہہ لکھ کر دیدیا، ایسا لگتا ہے جیسے سارے موضوع ہر وقت مستحضر رہتے ہوں اور الفاظ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہوں۔ اور استغنا کا عالم یہ ہے کہ جس نے مانگا لکھ کر دیدیا، کبھی اپنے کسی مضمون یا تحریر کی حفاظت کی فکر ہی نہیں کی، بلا مبالغہ مولانا کی سیکڑوں ایسی تحریریں میرے علم میں ہیں جو لکھوانے والوں نے اپنے نام سے شائع کی ہیں، لیکن مولانا ان سب سے بے نیاز لکھنے پڑھنے میں منہمک رہتے ہیں۔''

ذیل میں ان کے مختصر حالات زندگی اور علمی خدمات کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

نام: ضیاء الدین بن محمد حسن بن محمد عمر

۵/اگست ۱۹۵۷ء کو اترا ری خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ والد محترم بس واجبی تعلیم حاصل کئے ہوئے ایک مزدور پیشہ شخص تھے، آپ کا نانیہال گھر سے متصل ہی تھا جو دنیاوی وجاہت اور دولت وثروت سے مالا مال تھا، آپ کی پرورش زیادہ تر نانیہال میں ہوئی۔ لیکن نانیہال اور خاندان دونوں علم کی روشنی سے تہی مایہ تھے، اوپر دور تک خاندان میں کسی عالم کا سراغ نہیں ملتا۔ والدین باوجودیکہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن انھوں نے اپنی اولاد کی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ مولانا جب شعور کو پہنچے تو ۱۹۶۴ء میں مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے، اور ۱۹۷۰ء میں پرائمری درجات مکمل کر کے درجہ فارسی میں داخلہ لیا۔ ابتداء ہی سے آپ کی ذہانت وذکاوت نے بال وپر نکالنا شروع کردیا، پرائمری درجات سے ہی بچوں کے رسالے کھلونا، پیام تعلیم اور دیگر کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا، اسی وقت دس سال کی عمر میں ایک مقامی جلسہ میں تقریر کر کے میدان خطابت میں قدم رکھا تو پھر کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اور آج آپ کا شمار ملک کے اہم خطیبوں میں ہوتا ہے۔

۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۶ء تک فارسی سے عربی چہارم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی، ۱۹۷۳ء میں عربی دوم کے سال آنکھ میں چوٹ لگنے اور آپریشن کی وجہ سے سال کا بیشتر حصہ ضائع ہوا، یہاں کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب اور مولانا امتیاز احمد صاحب قاسمی، مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی اور مولانا قمر الدین صاحب رسولپوری

وغیرہ ہیں، دوران طالب علمی رمضان ۱۳۹۴ھ (اکتوبر ۱۹۷۴ء) میں والد محترم کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد بڑے بھائی شہاب الدین وشمس الدین صاحبان کی سرپرستی میں تعلیمی مراحل طے کئے۔ ۱۹۷۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، لیکن بقرعید کے بعد وہاں نہیں گئے اور شعبان تک دارالعلوم مئو میں تعلیم حاصل کی، یہاں آپ نے عربی پنجم کی تعلیم حاصل کی، یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد عارف صاحبؒ جہانا گنجی (شیخ الحدیث) اور مولانا نیاز احمد صاحب جہانا گنجیؒ (شیخ الحدیث) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۹۷۷ء میں مولانا نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا اور یہاں دوسال قیام رہا۔ پہلے سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اخیرین، شرح عقائد اور سراجی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ دوسرے سال دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۹۷۹ء میں فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف جلد اول مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے، جلد ثانی مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا انظر شاہ کشمیری سے پڑھی۔ یہاں کے اساتذہ میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا عبد الاحد صاحب دیوبندی، مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی اور مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی وغیرہ ہیں۔

یہاں سے فراغت کے بعد ۱۹۷۹ء میں دوبارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لے کر عربی زبان وادب میں اس قدر مہارت وپختگی حاصل کرلی کہ بے تکلف اہل زبان کی طرح عربی بولنے اور لکھنے پر قادر ہوگئے۔ ندوہ میں ۱۹۸۴ء تک قیام رہا، یہاں سے جو کورسز کئے اس کی تفصیل یہ ہے: ☆**العالمیة فی الادب العربی** ☆**التخصص فی الدراسات العلیا فی کلیة اللغة العربیة وآدابها** ☆ **الاختصاص فی الدعوة والفکر الاسلامی**۔ یہاں کے خاص اساتذہ میں مولانا علی میاں ندوی، مولانا سید محمد رابع ندوی، مولانا واضح رشید ندوی، مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی اور مولانا نذر الحفیظ ازہری صاحبان ہیں۔ یہاں تخصص میں بخاری شریف مولانا عبد الستار صاحب اعظمی معروفی سے پڑھی۔

اپنی فطری ذہانت وفطانت اور محنت ولگن کی وجہ سے جلد ہی ندوہ میں اساتذہ اور

طلبہ کے درمیان اپنا ایک خاص مقام بنالیا، طلبہ کی انجمن النادی العربی اور الاصلاح کی ''بزم خطابت'' اور ''بزم صحافت'' میں بھرپور حصہ لیا، اس کے معتمد بھی بنائے گئے، دوسری طرف قلمی سرگرمیاں بھی جاری رہیں جن کے نمونے عربی اور اردو میں الرائد وتعمیر حیات کے صفحات پر جلوہ گر ہوتے۔

تدریسی خدمات:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے **المعهد العالی للدعوۃ الفکر الاسلامی** سے فراغت کے بعد مئی ۱۹۸۴ء میں بھٹکل کے دوستوں کی طلب اور نامزد درخواست کو قبول فرماتے ہوئے حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب (موجودہ ناظم ندوۃ العلماء، لکھنو) نے درجات علیا کے استاذ کی حیثیت سے جامعہ اسلامیہ بھٹکل، کرناٹک بھیج دیا، آپ شوال ۱۴۰۴ھ (جولائی ۱۹۸۴ء) میں وہاں پہنچے، جامعہ اسلامیہ میں اس وقت مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری شیخ الحدیث تھے ان کی عنایت اور حوصلہ افزائی سے بہت جلد وہاں دلجمعی اور سرگرمی سے تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے، چونکہ برجستہ لکھنے اور تقریر کی موہوبی صلاحیت تھی لہٰذا مولانا خالد ندوی صاحب کے ساتھ قرب وجوار کے دینی جلسوں میں جانے سے ایک اچھی شناخت بن گئی، دوسری جانب ان سے تقریر لکھوانے کا شوق طلبہ میں پیدا ہوگیا جس کا اثر یہ ہوا کہ جامعہ اسلامیہ کے عربی درجات کے طلبہ جلسوں میں اول، دوم پوزیشن سے کامیاب ہوکر جامعہ اسلامیہ کی شہرت کا باعث بنے۔ مولانا ہم لوگوں سے بتاتے تھے کہ بھٹکلی حضرات علمی وادبی ذوق کے ساتھ مہمان نوازی کا بھی خاص ذوق اور سلیقہ رکھتے ہیں، یہاں کے لوگوں کی اکثریت شافعی المسلک ہے۔ بھٹکل میں ڈیڑھ سال پڑھایا۔ وہاں کے مشہور عالم اور مصنف مولانا محمد الیاس بھٹکلی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ قیام بھٹکل کے زمانے میں آپ کی پہلی بچی تولد ہوئی، عید کے بعد جب بھٹکل گئے تو یہ خبر پہونچی کہ بچی (بشریٰ ضیاء) کو پولیو ہوگیا ہے، وطن سے ہزاروں کلومیٹر دور جب خبر سنی تو طبیعت پر بڑا اثر ہوا، اور یہ فیصلہ کرلیا کہ اب وطن سے قریب ہی رہنا ہے۔ بقرعید کی چھٹی میں گھر آئے، بقرعید کے

چار پانچ دن بعد بچی کا انتقال ہوگیا۔ اسی دوران مدرسہ منبع العلوم کے استاذ مولانا صلاح الدین معروفی صاحب نے استعفیٰ دیدیا، جس کی وجہ سے شعبہ عربی میں استاذ کی ضرورت تھی، دوستوں اور بعض اراکین کے مشورہ پر منبع العلوم میں تدریس کی درخواست دے دی اس وقت مولانا حافظ عبدالحی صاحب نائب ناظم تھے اور عربی شعبہ کے ذمہ دار بھی، اس سلسلہ میں ان کی بھی خاص توجہ اور کوشش رہی، اس طرح شوریٰ نے درخواست منظور کرلی، اور ۲۵/ دسمبر ۱۹۸۵ء سے باقاعدہ مدرس ہوگئے۔ یہاں بطور خاص عربی ادب وانشاء کی تدریس آپ سے متعلق ہوئی، اس کے علاوہ فقہ وتفسیر اور فن بلاغت کو بھی عرصہ تک آپ نے پڑھایا، آپ نے مدرسہ کے نظام تعلیم کو نئی سمت عطا کی، جدید انداز میں عربی زبان وادب اور انشاء کی تدریس پر توجہ مرکوز کی، طلبہ کی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا، جس کی کسی قدر تفصیل میں نے تمہیدی سطروں میں بیان کردی ہے۔

اس وقت مدرسہ میں مولانا محمد اصغر صاحب قاسمی کی محنت اور مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی کی سرگرم عمل توجہ سے مدرسہ کا تعلیمی میعار بلند ہورہا تھا، مولانا بھی اس تحریک کا حصہ بن گئے اور مدرسہ کی تعمیر وترقی میں پوری دلجمعی اور شوق فراواں سے حصہ لیا، اس وقت تک مدرسہ کا نہ کوئی لیٹر پیڈ تھا نہ ناظم صاحب کی مہر، ان سب کو مولانا نے بنوایا اور ایک ترتیب سے نظام تعلیم کو آگے بڑھانے میں موجودہ ناظم اعلیٰ مولانا حافظ عبدالحی صاحب مفتاحی کے دست راست بن گئے، حفظ وقرأت کی سند آپ ہی کی بنائی ہوئی ہے۔

اس وقت مدرسہ میں درسی وغیر درسی کتابوں کے ذخیرہ کے نام پر تین لکڑی کی الماریوں میں کتابیں تھیں، یہی کل سرمایۂ علم وفن تھا، مولانا نے اس سلسلہ میں اہم کام یہ کیا کہ اساتذہ سے اس سلسلے میں بات کی اور طے کیا کہ دوپہر کی چھٹی کے بعد روزانہ کسی نہ کسی اہل خیر سے ملاقات کرکے کتابوں کی جانب توجہ دلائی جائے، اس نیک عمل میں ان کے ساتھ مولانا محمد راشد صاحب قاسمی خیرآبادی۔ مولانا فصل حق خیرآبادی اور مولانا کمال اختر قاسمی وغیرہ شریک رہتے، اس سے مدرسہ کی علمی ضرورت کی جانب لوگوں کی توجہ بڑھی،

چند ہی ماہ میں ناظم کتب خانہ مولانا محمد راشد صاحب نے مختلف فنون کی کتابیں منگالیں، پھر کتب خانہ کے لئے ایک کمرہ منتخب کیا گیا اور رفتہ رفتہ یہ ایک بہترین اور معیاری کتب خانہ بن گیا۔ایک عام مزاج خیرآباد کا یہ تھا کہ کسی کے مرنے پر مدرسہ میں ایصال ثواب کے نام پر بکرا یا بڑے کا گوشت بھجوادیتے تھے، مولانا نے اس کو بند کرانے پر بہت توجہ دی، میت کے پسماندگان سے کبھی تنہا کبھی مولانا محمد راشد صاحب اور مولانا فضل حق عارف خیرآبادی صاحب اور کبھی کسی دوسرے استاذ کے ساتھ ملتے تھے اور صدقہ جاریہ کے بارے میں لوگوں کو بتاتے سمجھاتے، جس کا اثر یہ ہوا کہ مرنے والے کے ورثا کو بھی احساس ہونے لگا کہ ایصال ثواب کا بہترین و مستقل ذریعہ تو یہ کتابیں ہیں، چنانچہ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے، بحمد اللہ ہر علم وفن کی کئی لاکھ کی کتابیں مدرسہ کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

تدریس کے ساتھ خیرآباد کے علمی وادبی اور رفاہی سرگرمیوں میں بھی مولانا کا بڑا حصہ رہا، چونکہ آپ نے بے تکلف قسم کا مزاج اور طبیعت پائی ہے، اس لئے بچے، نوجوان اور ہر عمر کے لوگ بہت جلد آپ سے مانوس ہوجاتے تھے اور اپنے کاموں میں رہنمائی کے طالب ہوتے تھے، اس لئے گاؤں کے ہر طبقہ سے آپ کا گہرا تعلق ہے۔مولانا دس سال جامع مسجد خیرآباد کے خطیب رہے۔اور اس وقت جامع مسجد سمیہ اتراری عیدگاہ روڈ میں ہر جمعہ کو ان کا خطاب ہوتا ہے۔

مولانا نے بیس سال خیرآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، جہاں سینکڑوں طلباء آپ سے استفادہ کرکے میدان صحافت وخطابت میں قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ منبع العلوم سے علیٰحدگی کی نوبت آگئی، اس کے بعد چند سال جامعہ حسینیہ جون پور، مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ، اور سلطان پور میں رہے، ایک سال جامعۃ الزاہدات اتراری خیرآباد میں بخاری شریف پڑھائی۔ میں جب دارالعلوم تحفیظ القرآن سکھٹی میں آیا تو ایک سال کے بعد مولانا کو یہاں لے آیا، چار سال سے مولانا یہیں پر ہیں اور اپنے فیوض وبرکات سے ہم لوگوں کو مستفید فرمارہے ہیں۔

تصنیفات:

مولانا جس طرح ایک بلند پایہ خطیب ومقرر ہیں اسی طرح ایک بہترین ادیب ونثر نگار بھی ہیں، مولانا اپنی تحریروں کی حفاظت کے سلسلہ میں حد درجہ لاپرواہ ہیں، جس کے نتیجہ میں آپ کی تحریروں کا دوتہائی حصہ ضائع ہوگیا ہے، اور بہت سا حصہ تبرک کی طرح بٹ کر دوسروں کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔ اخیر زمانے کی تحریریں بعض شاگردوں اور مولانا کے فرزند عزیزم مولوی راشد عمار سلّمہٗ کی توجہ سے محفوظ ہوکر شائع ہوگئیں، اس میں دس تقریری مجموعے اور تین رسائل ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ سحر البیان (ط: ۱۹۹۵ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۲۔ سحر اللسان (ط: ۱۹۹۷ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۳۔ سحر الکلام (ط: ۱۹۹۹ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۴۔ اصلاح البیان (ط: ۲۰۰۰ء) کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
۵۔ اصلاح اللسان (ط: ۲۰۰۰ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۶۔ اصلاح الکلام (ط: ۲۰۰۱ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۷۔ ضیاء اللسان (ط: ۲۰۱۳ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۸۔ ضیاء البیان (ط: ۲۰۱۵ء) الامین کتابستان دیوبند
۹۔ ضیاء الخطاب (ط: ۲۰۱۷ء) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۱۰۔ ضیاء الکلام (ط: ۲۰۲۲ء) مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد [مرتب: محمود ضیاء خیرآبادی]
۱۱۔ الخطب الضیائیۃ (ط: ۲۰۱۵ء) (عربی تقاریر)

۱۔ مومن کامل قرآن وحدیث کی روشنی میں (ط: نومبر ۲۰۰۵ء) فرید بک ڈپو دہلی
۲۔ محبوب بندے (ط: جنوری ۲۰۰۷) فیصل پبلی کیشنز دیوبند
۳۔ نمونے کی زندگی (ستمبر ۲۰۱۹ء) دارالعلوم تحفیظ القرآن سکھٹی، مبارکپور

اولاد: مولانا دو لڑکے مولوی راشد عمار وحارث وقار اور چھ لڑکیاں ہیں۔

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی

ہندوستان کی دو بڑی مرکزی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے فضیلت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عربی زبان وادب میں تخصص کرنے کے بعد ساڑھے چار سال مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ فی الوقت مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں شعبہ عربی کے قدیم استاذ اور مسجد عمر فاروق اتراری کے امام وخطیب ہیں۔

نام: حفیظ الرحمٰن بن حاجی محمد ابراہیم بن نصراللہ

تاریخ ولادت ۱۵/اگست ۱۹۵۷ء ہے۔ آبائی وطن جہاناگنج ہے، جہاں سے ۱۹۳۳ء میں والد محترم خیرآباد آئے اور یہیں آباد ہوگئے، والد محترم اور بڑے بھائی حاجی عبدالرحمٰن صاحب [م: یکم رمضان ۱۴۲۰ھ/ ۱۰/دسمبر ۱۹۹۹ء] کے دینی مزاج، علم دوستی وعلماء نوازی کی وجہ سے گھر میں دینی مزاج اور علماء کرام کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ ۱۹۶۳ء میں مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے اور مولانا حشمت اللہ صاحب معروفی کے یہاں قاعدہ بغدادی سے تعلیمی سلسلہ کی بسم اللہ کی۔ اور ۱۹۶۸ء میں درجہ پرائمری پانچ مکمل کیا، درجہ پانچ نصف سال ماسٹر محمد اسحاق صاحب اور نصف سال مولانا شمیم احمد صاحب غالب پوری سے پڑھا جو اسی وقت مدرس ہوئے تھے اور ان کے پاس پرائمری پنجم سے عربی چہارم تک کی کتابیں تھیں، پرائمری کے دیگر اساتذہ میں مولانا عبدالغفور ومولانا ہدایت اللہ صاحبان ہیں۔

شوال ۱۳۸۸ھ (جنوری ۱۹۶۹ء) میں حافظ محمد ادریس صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا، حافظہ بہت اعلیٰ درجہ کا تھا، اور محنت بھی بہت کرتے تھے، میری والدہ کہتی تھیں کہ جیسے ہی وقت ملتا گھر کے حصہ یا گوشہ میں بیٹھ کر قرآن یاد کرنے لگتے، صرف ۸/ماہ میں قرآن کریم حفظ کرلیا۔ اس کے بعد سے اب تک بہت کم انقطاع کے ساتھ مسلسل تراویح میں قرآن سنانے کا معمول ہے ۱۹۷۰ء میں فارسی اول مولانا قمرالدین صاحب رسولپوری سے پڑھی، ۱۹۷۱ء

میں فارسی دوم اور عربی اول کا کورس ایک سال میں مکمل کیا۔ ۱۹۷۲ء میں عربی دوم کی کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا حافظ عبدالحی صاحب اور مولانا قمرالدین صاحب سے پڑھی۔ ۱۹۷۳ء میں عربی سوم اور ۱۹۷۴ء میں عربی چہارم پڑھا، جس میں بیشتر کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب سے اور کچھ مولانا قمرالدین صاحب سے پڑھیں۔ چہارم کے سال ششماہی کے بعد مولانا امتیاز احمد خیرآبادی مدرس ہوئے ان سے شرح وقایہ ثانی اور قطبی تصدیقات پڑھی۔

۱۹۷۵ء میں عربی پنجم دارالعلوم مئو میں پڑھا، ہدایہ ثانی ومختصر المعانی مولانا محمد عارف صاحب جہاناگنجی سے، ہدایہ اول مولانا انعام الحق صاحب سے، سلم العلوم مولانا نیاز احمد صاحب جہاناگنجی سے، میبذی مولانا محمد امین صاحب ادروی سے، اور دیوان متنبّی مولانا اقبال احمد مئوی سے پڑھی۔ ۲۰/شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۶/اکتوبر ۱۹۷۵ء دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور موقوف علیہ میں داخلہ لیا۔ اس سال کے اساتذہ میں مولانا محمد حسین ملا بہاری، مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا محمد نعیم صاحب، مفتی سعید احمد صاحب اور مولانا ریاست علی صاحب وغیرہ تھے۔ شعبان ۱۳۹۷ھ (اگست ۱۹۷۷ء) میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ بخاری شریف جلد اول شیخ الحدیث مولانا شریف حسن صاحب کے یہاں شروع کی، ابھی سات پارے ہوئے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا، پھر ڈیڑھ پارہ مولانا قاری محمد طیب صاحب نے پڑھائی، اس کے بعد بقیہ کی تکمیل مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے یہاں ہوئی، بخاری جلد ثانی حسب معمول مفتی صاحب کے یہاں ہوئی۔ دورہ کے اساتذہ میں مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا عبدالاحد صاحب، مولانا محمد نعیم صاحب، مولانا معراج الحق صاحب، مولانا انظرشاہ صاحب، مولانا محمد سالم صاحب، اور مولانا وحیدالزماں صاحب وغیرہ ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں ۱۰/شعبان ۱۳۹۷ھ کو مسلسلات کی اجازت حاصل کی۔ مولانا عبدالاحد صاحب سے بھی مسلسلات کی اجازت ہے۔

۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء تک دوسال ندوۃ العلماء میں رہ کر وہاں تخصص ادب عربی کیا، وہاں کے اساتذہ میں مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی، مولانا واضح رشید صاحب، مولانا سعید

الرحمٰن صاحب اعظمی اور مولانا ابوالعرفان خاں ندوی وغیرہم ہیں، یہاں کے دوران قیام شیخ عبدالفتاح ابوغدہ سے بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا جو استاذ زائر کی حیثیت سے آئے تھے۔

تعلیمی سلسلہ میں محرم ۱۴۰۲ھ (نومبر ۱۹۸۱ء) میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں مدینہ یونیورسٹی میں تقریباً ساڑھے چار سال رہے۔ جولائی ۱۹۸۶ء میں وطن واپسی ہوئی۔

تدریسی وتحریری خدمات:

ندوہ سے تخصص کرنے کے بعد تقریباً دوسال مدرسہ فلاح المسلمین تیندوارائے بریلی میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہیں سے مدینہ منورہ گئے۔ مدینہ سے آنے کے بعد ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ (جولائی ۱۹۸۶ء) سے مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں تدریسی سلسلہ جاری ہے، جہاں ہرفن کی کتابیں زیر درس رہتی ہیں، گزشتہ ۱۶؍سالوں سے انجمن کی نگرانی بھی آپ کے ذمہ ہے۔

آپ کے اندر تحریری صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے، لیکن آپ نے اس میدان کو اپنا مستقل موضوع نہیں بنایا ورنہ بہترین تحریری شہ پارے وجود میں آتے، بس وقتی ضرورت کے تحت ہی قلم اٹھایا، عربی واردو میں آپ کے متعدد مقالات ہیں جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ تقریباً ۱۵؍سال سے اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے منعقد ہونے والے سیمیناروں میں شرکت اور اس کیلئے فقہی تحقیقی مقالات لکھنے کا سلسلہ بھی جاری ہے جن کی تعداد ۱۵؍تک پہنچ چکی ہے۔ ان میں بعض یہ ہیں: مفطرات صوم، طلاق غضبان اور حدود وتعزیرات وغیرہ

تقریباً ۲۰؍سال سے جامع مسجد عمر فاروق محلّہ اتراری میں امام جمعہ وخطیب کی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، ابتدائی پانچ سالوں میں پنج وقتہ نمازوں کی امامت بھی کی۔ مدینہ سے آنے کے بعد کچھ عرصہ تک رمضان المبارک میں بعد نماز ظہر درس قرآن کا سلسلہ بھی رہا۔ جمعہ کے خطبہ سے قبل وقت اور موقع کی مناسبت سے پندرہ بیس منٹ تقریر کا ایک مفید سلسلہ رہتا ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

اولاد: آپ کے تین لڑکے حافظ اسامہ شاہد، مولوی رضوان دانش، مولوی ہشام راشد اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

مولانا انوار احمد صاحب قاسمی

مولانا انوار احمد صاحب قاسمی خیرآباد کے ان علماء میں سے ہیں جو درس تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اپنی ایک شناخت اور پہچان رکھتے ہیں، درجن بھر کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے طلب علم کی داستان خاصی سبق آموز ہے، بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ تقدیر الٰہی کے بعد آپ کی طلبِ صادق ہی تھی کہ تمام تر نامساعد اور مخالف حالات کے باوجود آپ دیو بند تک پہنچے اور عالم بنے، ورنہ عالم اسباب میں تو صورتحال ایسی تھی کہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

نام: انوار احمد بن حاجی محمد حنیف بن محمد اسحاق بن محمد عمر (شکاری) بن دل محمد

سن ولادت ۱۹۵۷ء [۱۳۷۷ھ] ہے، مہینہ اور تاریخ محفوظ نہیں ہے، تمام سرکاری کاغذات میں سن ولادت ۱۹۵۸ء درج ہے۔ پانچ سال کی عمر میں منبع العلوم کے شعبۂ مکتب میں داخل کئے گئے، استاذ مولوی غوث محمد محمد آبادی تھے، مولانا کہتے ہیں ”میں انتہائی کند ذہن تھا۔“ دوسال میں کسی طرح پارہ عم تک پہنچے، درجہ ایک میں مولانا ہدایت اللہ صاحب نے سبق نہ یاد ہونے پر اتنا مارا کہ ہلدی صابن لگانا پڑا، لیکن نہ جانے اس مار میں کیا خاص برکت تھی کہ اس کے بعد ذہن کھل گیا اور ایک ماہ میں ناظرہ قرآن مکمل ہوگیا، اور اس کے بعد مولانا ہدایت اللہ صاحب سے غیر معمولی تعلق اور ربط ہوگیا۔ اسی وقت سے مطالعہ سے بھی غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوگئی اور درسی کتابوں کے ساتھ اردو اخبارات اور دیگر کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کردیا اور یہ ذوق وشوق روز افزوں ہوتا گیا۔ پرائمری درجہ دوم ماسٹر رفیق احمد صاحب، چہارم ماسٹر الطاف احمد املوی، درجہ پنجم نصف ماسٹر محمد اسحاق صاحب اور نصف مولانا شمیم احمد صاحب سے پڑھا جو عربی کے بھی مدرس تھے۔

فارسی اور عربی اول کی کتابیں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا قمر الدین صاحب،

مولانا حافظ عبدالحی صاحب اور مولانا ڈاکٹر زین الحق صاحب سے پڑھیں، یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک رہا، اس کے بعد شوق طلب کا امتحان شروع ہوا۔ مولانا کے والد صاحب انتہائی غریب تھے، بس کسی طرح گھر کا نظام چل رہا تھا، ان کے بڑے بھائی ارشاد احمد عربی سوم میں پڑھتے تھے اور بہت ذہین تھے، مولانا کے والد نے فیصلہ کیا کہ دونوں میں سے کوئی ایک تعلیم کو ترک کرے اور گھر کے کام میں ہاتھ بٹائے تا کہ کچھ معاشی آسودگی حاصل ہو، مولانا نذیر احمد صاحب نے صورتحال دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ انوار احمد کو تعلیم سے علیحدہ کر کے گھر کے کام میں لگا دیا جائے، لیکن مولانا کے دل میں طلب علم کا جو جذبہ موجزن تھا انھوں نے اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا اور اپنے دوست اور رفیق درس مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی سے پانچ روپیہ قرض لیا اور مدرسۃ الاصلاح سرائمیر پہنچ گئے، جہاں ان کے ماموں مولانا زین العابدین صاحب شیخ الحدیث تھے اور مولانا ابواللیث صاحب خیرآبادی مدرس تھے، وہاں امتیازی نمبرات کے ساتھ داخلہ امتحان میں کامیاب ہوئے اور پڑھنا شروع کیا، لیکن مدرسۃ الاصلاح کا ماحول ہم لوگوں کے یہاں سے قدرے مختلف ہے، اس لئے چند ہی دنوں کے بعد وہاں سے جامعہ احیاء العلوم مبارکپور آ گئے اور مولانا عبدالباری صاحب سے اپنی داستان من وعن سنادی، انھوں نے کسی ضابطہ کی کارروائی کے بغیر داخلہ کرلیا، یہاں کے اساتذہ میں مولانا عبدالمنان صاحب بانسو پاری، مولانا نیاز احمد سَرَیّانوی اور مولانا عبد الکریم صاحب ابراہیم پوری تھے، سالانہ امتحان کے ممتحنین میں مولانا نذیر احمد صاحب تھے، انھوں نے ۱۰۰ میں ۱۰۵ نمبر دئے، اور کہا کہ اب تم شوال سے خیرآباد ہی پڑھو۔ عربی سوم چہارم خیرآباد پڑھ کر دارالعلوم مئو گئے جہاں عربی پنجم ششم (موقوف علیہ) پڑھا، یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد امین صاحب ادروی (دادا) مولانا عبدالحق صاحب اعظمی، مولانا محمد عارف صاحب اعظمی، مولانا نیاز احمد صاحب جہانا گنجی اور مولانا انعام الحق صاحب وغیرہ ہیں۔

دارالعلوم مئو میں عربی ششم کے سال اردو و فارسی مقالہ نگاری میں بالترتیب پہلی ودوسری پوزیشن حاصل کی، اردو مقالہ کا عنوان تھا ''عربی زبان کی وسعت'' اور فارسی کا

عنوان ''فارسی زبان کا پہلا صاحب دیوان شاعر، رودکی'' تھا۔ اس سے آپ کی تحریری صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی کے ساتھ تقریر وخطابت سے بھی خاص شغف تھا، بہترین مقرر تھے، یہاں تک کہ جلسوں میں بھی بحیثیت مقرر شریک ہوتے تھے، لیکن اب تقریر اور اسٹیج سے دوری کا جو حال ہے کسی کو یقین بھی مشکل سے آئے گا کہ کسی زمانے میں تقریر بھی کرتے تھے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک سیمینار میں مقالہ تو لکھا، لیکن اس کو پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور مجھے ان کا مقالہ پڑھنا پڑا۔

دورۂ حدیث کے لئے دیوبند جانے کا ارادہ تھا، لیکن گھر کی معاشی صورتحال ایسی تھی کہ اس میں مطلق کسی طرح کی گنجائش نہ تھی، بیٹے کی حالت اور شوق دیکھ کر غریب لیکن غیور باپ نے کسی نہ کسی طرح کچھ روپیوں کا انتظام کرکے دیوبند روانہ کیا، شوال ۱۳۹۶ھ [نومبر ۱۹۷۶ء] میں وہاں پہنچے، داخلہ امتحان مولانا وحید الزماں صاحب نے لیا جو سخت امتحان لینے میں مشہور تھے، اور پورے ۴۵ نمبر دئے۔ شعبان ۱۳۹۷ھ (اگست ۱۹۷۷ء) میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ آپ مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی کے درسی ساتھی تھے، بخاری شریف اول مولانا شریف حسن صاحب سے شروع کی، ان کے انتقال کے بعد کچھ حصہ مولانا قاری محمد طیب صاحب سے، پھر تکمیل مولانا مفتی محمود حسن صاحب سے کی، بخاری شریف جلد ثانی مکمل حضرت مفتی صاحب سے پڑھی، بقیہ دونوں کے اساتذہ ایک ہی ہیں۔

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے معاً بعد شوال ۱۳۹۷ھ میں مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں تقرری ہوئی، پرائمری درجہ ایک کے ساتھ عربی کی دو کتابیں شرح تہذیب اور گلستاں پڑھانے کو ملیں، یہاں دو سال رہنے کے بعد شوال ۱۳۹۹ھ میں مولانا طاہر حسین گیاوی مطلع العلوم بنارس لے گئے جہاں وہ مدرس تھے، وہاں کے ناظم تعلیمات مولانا عبدالحق صاحب اعظمی تھے جو اس وقت دارالعلوم مئو کے شیخ الحدیث تھے۔ مولانا حضرت شیخ کے خاص شاگرد تھے، وہ ان کی صلاحیتوں سے واقف تھے اس لئے نورالانوار، شرح جامی

بحث فعل، مرقات اور نحو میر وغیرہ پڑھانے کو دی، اگلے سال ہدایہ اولین اور ترجمہ قرآن کریم کا اضافہ ہوا۔ تین چار سال یہاں رہنے کے بعد پھر منبع العلوم میں شعبہ عربی میں مدرس ہو کر آگئے، یہاں جلالین، الفیۃ الحدیث اور اصول الشاشی وغیرہ زیر درس تھیں، مگر تین ماہ کے بعد مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے ہمراہ ۱۹۸۲ء میں مدرسہ دینیہ غازی پور چلے گئے، جہاں ۱۹۸۶ء تک چار سال رہے، کہتے ہیں کہ یہ چار سال میری زندگی کے بہت اہم ہیں، مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، انھوں نے مطالعہ کا طریقہ بتایا اور اس کو صحیح سمت عطا کی، اور حاصل مطالعہ لکھنے پر زور دیا۔ یہاں عربی اول سے عربی پنجم تک کی مختلف کتابیں پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۸۶ء میں جب مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ نے مدرسہ دینیہ کو خیرباد کہا تو آپ بھی وہاں سے جامعہ اسلامیہ بنارس چلے گئے جہاں دس سال رہ کر جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ آگئے، یہاں اس وقت تدریس کا ۲۵/واں سال ہے۔ ابتداء کے ۱۲/سال میں مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں اور اب مسلم شریف کی دونوں جلدیں اور ابوداؤد شریف کتاب الادب اور کتاب الجہاد [بیس برس سے] اور ہدایہ [۲۲/ برس سے] زیر درس ہیں۔ اس طرح اب زیادہ تر خدمت حدیث سے اشتغال ہے۔ اساتذہ دیوبند کے علاوہ مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی علیہ الرحمہ سے بھی آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے۔

اصلاحی تعلق مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی سے ہے، انھیں سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہے، میرے علم کے مطابق بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع نہیں کیا ہے۔

تحریری وتصنیفی خدمات:

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ ابتداء ہی سے تحریر وتقریر دونوں سے دلچسپی تھی، کچھ دنوں کے بعد تقریر کو تو خیرباد کہہ دیا لیکن تحریر سے دلچسپی برقرار رہی۔ فراغت کے بعد اپنے طور پر مضمون نگاری بھی شروع کی، جس کا طرز یہ رکھا کہ عربی عبارت کا اردو میں ترجمہ کرتے پھر اس کا ایک عنوان مقرر کر کے ذیلی عناوین لگاتے، پھر عناوین کو باقی رکھ کر پورا مضمون قلم زد کر دیتے اور عنوانات کی مدد سے مضمون لکھتے اور دوسروں کے نام سے شائع کرا دیتے،

جامعہ اسلامیہ آنے سے پہلے جو کچھ لکھا وہ یا تو دوسروں کے نام سے شائع ہوا یا پھر محفوظ نہ رہا۔ جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے قیام کی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ آپ کی ایک دوسری حیثیت یعنی آپ بطور مصنف مشہور ہوئے ،تمام کتابیں یہیں کے دورانِ قیام لکھی گئیں اور شائع ہوئیں، بعض کتابوں کے ابتدائی خاکے تو پہلے کے تھے لیکن یہیں آکر ان کی موجودہ صورت بنی۔

آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب ورسائل کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عہد نبوی کے غزوات وسرایا [۲ / جلد] اس کا پہلا ایڈیشن ایک جلد میں شائع ہوا، دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن ایک مستقل تصنیف بن گیا اور پہلے کی بہ نسبت ضخامت میں تین گنا زائد ہے۔

(۲) انوار المسلم شرح صحیح مسلم [۳ / جلد]، اس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔

(۳) شرح کتاب الادب [ابوداؤد شریف] (۴) احسن القصص (تفسیر سورہ یوسف)

(۵) امہات المومنین [امہات المومنینؓ کے مفصل حالات زندگی]

(۶) التوضیح الضروری فی حل المسائل القدوری ''قدوری کی مفصل شرح'' [۲ / جلد]

(۷) کشکول اعظمی حصہ اول ودوم

(۸) پندرہ سو سال میں کس نے ہندوستان کو کیا دیا؟ ایک اجمالی جائزہ

(۹) عظمت صحابہ اور دوسرے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں

(۱۰) اسلامی اخلاق وآداب ۱۲۔ سوانح مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی

(۱۲) اسلامی نظام کے چند ابواب (غیر مطبوعہ)

(۱۳) منتخب اشعار کے مجموعے، کشکولِ دل، کشکول حسن وعشق، کشکول محبت، کشکول درد وغم

(۱۴) سفرنامے [مختلف اسفار کی روداد]

(۱۵) کچھ اپنی کچھ جگ بیتی [آخر الذکر تینوں کو فی الحال شائع کرنے کا ارادہ نہیں ہے]

اس کے علاوہ بہت سارے مضامین ومقالات ہیں جو ملک کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں، لکھنے کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد افضل صاحب قاسمی

نام: محمد افضل بن حاجی محمد حسین بن حاجی عبدالکریم بن حاجی شکال

تاریخ ولادت: یکم مئی ۱۹۵۸ء

مولانا محمد افضل صاحب قاسمی (سابق استاذ مدرسہ منبع العلوم وحال استاذ دارالعلوم دیوبند) منبع العلوم خیرآباد کے مقبول ترین اساتذہ میں سے تھے، فراغت کے کچھ ہی عرصہ کے بعد یہاں آگئے اور تقریباً ۲۳؍سال تدریسی خدمات انجام دیں، اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ مولانا کا آبائی وطن یوپی سے متصل صوبہ بہار کا ایک گاؤں ''لے دری'' ہے، جو پہلے ضلع رہتاس میں تھا اور اب اس سے کٹ کر بننے والے ضلع ''کیمور'' کا حصہ ہے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ قرآنیہ، بڑی مسجد جون پور میں قرآن کریم حفظ کیا، اور وہیں مولانا محمد ایوب صاحب (ہنسور، فیض آباد) سے...... جو فارسی زبان میں اختصاص رکھتے تھے..... فارسی اور عربی اول، دوم تک کی تمام کتابیں پڑھیں۔

وہاں سے ۱۹۷۶ء میں جامعہ اسلامیہ بنارس گئے جہاں عربی سوم سے جلالین شریف تک تعلیم حاصل کی، وہاں کے نمایاں اور ممتاز طلبہ میں سے تھے، وہاں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی [مہتمم دارالعلوم دیوبند]، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب جگدیش پوری [استاذ دارالعلوم دیوبند] اور مولانا ڈاکٹر ظفر احمد صاحب صدیقی [پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ] جیسے نامور اہل علم شامل ہیں۔

۱۹۷۹ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں دوسال رہ کر مشکوٰۃ شریف اور دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کی فراغت ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔

تدریس:

تدریس کا آغاز مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں سے کیا، تین سال وہاں رہے، اس کے بعد مدرسہ منبع العلوم خیرآباد آگئے یہ ۱۹۸۳ء کا اخیر وقت تھا، اس کے بعد تقریباً ۲۳ سال یہاں تدریس سے منسلک رہے، آپ کا درس اپنی مثال آپ تھا، تفہیم پر بے پناہ قدرت تھی، منبع العلوم کے مقبول ترین اساتذہ میں سے تھے، کچھ عرصہ کے بعد مولانا کو یہاں کا ماحول اس قدر راس آیا کہ یہیں مکان بنا کر مستقل بود و باش اختیار کر لی، اس وقت ان کو خیال بھی نہ آتا رہا ہوگا کہ کبھی منبع العلوم سے علیٰحدگی کی نوبت بھی آسکتی ہے۔ ۲۰۰۵ء میں کچھ ایسی صورتحال پیش آئی کہ مولانا کو منبع العلوم چھوڑنا پڑا، لیکن اسی کے ساتھ ان کو دارالعلوم دیوبند میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ کی نظامت تعلیمات کا زمانہ تھا، انھوں نے مولانا سے دارالعلوم میں تدریس کی پیشکش کی، اس طرح نہایت اعزاز کے ساتھ مولانا ۲۰۰۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہوگئے اور وہاں بھی ان کا درس انتہائی مقبول ہے، کچھ عرصہ ناظم دارالاقامہ، نائب ناظم تعلیمات و قائم مقام ناظم تعلیمات بھی رہے، تعلیمات سے وابستگی کا کل زمانہ تقریباً پانچ سالوں پر محیط ہے، اس دوران کئی اہم امور انجام پائے، جس میں آپ کا کلیدی رول رہا۔ ☆ جیسے اساتذہ کی ترقی کے نئے ضابطہ کی ترتیب کے لئے شوریٰ نے ایک دستور ساز کمیٹی تشکیل دی، جس کے آپ کنوینر رہے، پھر نیا ضابطۂ ترقی رہنما خطوط کے ساتھ مرتب ہوا، منظور ہوا اور اسی قلیل عرصہ میں نافذ بھی ہوگیا۔ ☆ اسی طرح عربی اول سے ہفتم تک کے تمام درجات کی کتابوں کا ماہانہ نصاب مقرر ہوا۔ ☆ دورۂ حدیث کی تمام کتابوں کی تفصیلی تدریس کے لئے ابواب کا انتخاب ہوا، جس پر مجلس تعلیمی اور شوریٰ نے اپنی مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ بارہا آپ ناظم امتحان بھی رہے، اور اس کو بھی بہتر انداز میں منظّم کیا، کاپیوں کے جانچنے کے لئے اصول وضوابط مقرر کئے، جو مطبوعہ شکل میں ممتحن حضرات کو دئے گئے کہ اسی کی روشنی میں نمبرات دیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا نے اپنی افتاد طبع کے خلاف یہ تمام ذمہ داریاں ایک بڑے کے احترام میں قبول کیں اور اسے احسن

طریقے سے پورا کیا۔ ورنہ خیرآباد کے زمانہ میں مولانا کو جیسا ہم لوگوں نے دیکھا اور پایا کسی کو تصور بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ کبھی کوئی معمولی ذمہ داری بھی قبول کر سکتے ہیں۔

خیرآباد کے زمانے میں صرف درس وتدریس سے واسطہ رہتا تھا، پڑھانے کے بعد کے اوقات میں گھریلو کام میں مصروف رہتے تھے، جلسے اور تقریر وغیرہ سے کبھی کسی طرح کا کوئی ربط نہیں رہا، لیکن دارالعلوم دیوبند جانے کے بعد اس راہ سے بھی دین کی خدمت کا موقع ملا اور مواعظ ودرس قرآن کے لئے ملک کے مختلف علاقوں میں جانے کا سلسلہ رہتا ہے۔

مولانا میرے مشفق ترین اساتذہ میں سے ہیں، میں نے ان سے فارسی کی ڈھیر ساری کتابیں پڑھی ہیں، اور عربی اول میں نحو میر وشرح مائۃ عامل پڑھی ہے۔ مولانا نے میری درخواست پر گلزار دبستاں، کریما، پند نامہ، مامقیماں، مفتاح القواعد، اخلاق محسنی ویوسف زلیخا اور علامہ شبلی نعمانی کی شعر العجم جیسی کتابیں پڑھائیں، مولانا کو پڑھانا نہیں گھول کر پلانا آتا تھا، وہ طالب علم کو اس کے موضوع سے ایسا والہانہ لگاؤ اور تعلق پیدا کر دیتے تھے کہ وہ اس پر مرمٹتا تھا، افہام وتفہیم کا ایسا زبردست ملکہ تھا کہ باتیں خود بخود حافظہ اور وِجدان میں اپنی جگہ بناتی چلی جاتی تھیں، ان سے جو کچھ فارسی پڑھی مدرسہ کے نظام سے ہٹ کر پڑھی، لیکن انھوں نے بغیر کسی گرانی کے جس قدر شفقت ومحبت سے پڑھایا اس پر میرا پورا وجود ان کا شکر گزار ہے، حسن خلق اور تواضع وانکساری مولانا کی طبیعت کا ایک حصہ ہے، اس وقت دارالعلوم دیوبند جیسی مرکزی درسگاہ کے ایک اہم استاذ ہونے اور اہم عہدوں پر رہنے کے باوجود اب بھی ملنے ملانے کا وہی انداز، اور شفقت ومحبت کا وہی معاملہ ہے جو کبھی فارسی پڑھنے کے زمانہ میں تھا۔ دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ ہر طرح کے شر ور وفتن سے انھیں محفوظ رکھیں اور ان پر اپنا فضل خاص فرمائیں۔

اولاد: مولانا نے دو نکاح کئے، پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو دوسرا نکاح کیا، اس سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا محمد ریان سلّمہٗ ہے، اللہ تعالیٰ اسے علم وعمل میں باپ کا جانشین بنائے، یہ سب اولادیں دیوبند جانے کے بعد ہوئی ہیں۔

مولانا محمد اصغر صاحب قاسمی

مولانا محمد اصغر صاحب قاسمی کا آبائی وطن بھبھوا، بہار ہے۔تقریباً چالیس سال سے خیرآباد میں ہیں اور اب تو مستقل یہیں مکان بنا کر سکونت اختیار کرلی ہے، مدرسہ منبع العلوم کی تعلیمی ترقی میں مولانا موصوف کا بنیادی کردار ہے، دیو بند سے فارغ ہونے کے بعد عین عنفوان شباب میں بیس بائیس سال کی عمر میں یہاں آگئے، تدریس کا خاص ذوق ہے، نحو وصرف کی مشق اور عبارت فہمی کا سلیقہ پیدا کرنے میں مجتہدانہ قسم کی مہارت رکھتے ہیں، اب تو عمر کے طبعی تقاضے سے ہر چیز میں اضمحلال آگیا، اور ”یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتش جواں تھا“۔

نام: محمد اصغر بن حبیب احمد بن عبدالکریم

۱۹۵۹ء میں پیدا ہوئے، اپنے گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ایک حافظ صاحب کے یہاں قاعدہ بغدادی شروع کیا، پھر ایک قریبی گاؤں میں مولانا محمد اسلم صاحب دلدارنگر کے صاحبزادے حافظ عبیداللہ صاحب سے ناظرہ قرآن پڑھا، اس کے بعد بنارس کے کوئی حافظ صاحب تھے ان سے حفظ شروع کیا، تیرہ چودہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔ فارسی کی تعلیم کے لئے ۱۹۷۲ء میں مدرسہ قرآنیہ جون پور آگئے، جہاں اس وقت مولانا محمد ایوب صاحب (ہنسور) مدرسہ کے ذمہ دار تھے، اور دیگر اساتذہ میں مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری اور مولانا محمد مسلم صاحب بمہوری وغیرہ تھے، یہاں فارسی پڑھی، فارسی کے خاص استاذ مولانا محمد ایوب صاحب تھے جو اپنے وقت میں فارسی ادبیات کے امام سمجھے جاتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں جامعہ حسینیہ قائم ہوا تو مولانا محمد عثمان صاحب اور مولانا محمد مسلم صاحب وغیرہ اکثر اساتذہ قرآنیہ سے یہاں چلے آئے تو مولانا بھی یہیں آگئے اور عربی اول میں داخلہ ہوا، اسی کے ساتھ فارسی کی کتابیں بھی پڑھیں۔ مولانا کا شمار ابتداء

طالب علمی سے ہی نہایت محنتی طالب علموں میں ہوتا تھا، یہاں کے سبھی اساتذہ کے منظور نظر تھے، مولانا جامعہ حسینیہ کے اولین طالب علموں میں سے ہیں۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۸ء تک مسلسل پانچ سال یہاں رہ کر عربی اول سے عربی پنجم تک پڑھا، یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ اور مولانا محمد مسلم صاحب کے علاوہ مولانا توفیق احمد صاحب اور مولانا محمد رضوان صاحب بمہوری وغیرہ ہیں۔

۱۹۷۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیا، وہاں بھی آپ کے تکرار کی بڑی شہرت تھی، ۱۹۸۰ء میں جس سال دارالعلوم دیوبند کا شہرہ آفاق صد سالہ منعقد ہوا ہے، اسی سال آپ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا سید انظر شاہ کشمیری، مولانا محمد حسین صاحب بہاری، مولانا وحید الزماں صاحب، مولانا محمد سالم صاحب، مولانا ریاست علی صاحب۔ مفتی سعید احمد صاحب وغیرہ۔ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے کے بعد تکمیل ادب میں داخلہ لیا۔

تدریس:

تکمیل ادب میں ابھی چھ ماہ ہی ہوا تھا کہ بھوپال کے قریب قصبہ سرونج میں جو کبھی ریاست ٹونک کا حصہ تھا، ایک مدرس کی طلب پر مولانا وحید الزماں صاحب نے بھیج دیا، لیکن وہاں جس مدرسہ میں گئے وہاں تعلیم بالکل نہ تھی، اس لئے کسی طرح چند ماہ گزار کر شعبان میں واپس آگئے، اور اس کے بعد اپنے خاص استاذ اور مربی مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ مبارکپوری کے ساتھ ۱۹۸۲ء میں مدرسہ منبع العلوم خیرآباد آگئے اور پھر یہیں جم گئے، اس وقت تک کوئی استاذ تعلیمی نگرانی کے لئے مستقل طور پر مدرسہ میں نہیں رہتا تھا، اس لئے مطالعہ وتکرار کی جو پابندی اور جیسا ماحول چاہئے وہ نہیں تھا، مولانا نے یہاں آنے کے بعد بڑی قربانیاں دیں اور اس ماحول کو بدلا، مقامی طلبہ کو بھی مغرب بعد سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک مدرسہ میں رہ کر تکرار ومطالعہ کا پابند کیا، خود اس پورے وقت میں مسلسل نگرانی کرتے رہتے تھے، صبح فجر سے پہلے طلبہ کو جگانا، خالی اوقات میں ان کو نحو وصرف کی مشق اور

عبارت فہمی کے لئے کتابیں پڑھوا کر سننا یہ سب کام کرتے تھے، دیکھتے دیکھتے ہی چند سال میں ایک بہترین ماحول پڑھنے پڑھانے کا بن گیا۔

مولانا کی ایک خاص بات یہ دیکھی کہ ان کو کسی سے استفادے میں کسی قسم کی جھجک نہیں ہوتی تھی، استاذ محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ سے عبارت فہمی اور کسی مسئلے کی تفہیم میں بکثرت رجوع کرتے دیکھا، مولانا جب خیرآباد آتے تو قیام ہمارے گھر ہوتا تھا، مولانا محمد اصغر صاحب کتاب لے کر حاضر ہوجاتے اور اپنے اشکالات پیش کرتے، کہتے تھے کہ مولانا اعجاز احمد صاحب جیسے مستحضر علم رکھنے والے علماء نایاب ہیں۔ مولانا امتیاز احمد صاحب خیرآبادی سے جو آپ کی تدریس کی ابتداء میں منبع العلوم کے صدر مدرس تھے کافی استفادہ کیا، بے تکلف کتاب لے کر ان کے گھر یا ان کی مسجد میں پہنچ جاتے۔

مولانا کو تلاوت قرآن سے خاص شغف ہے، بکثرت زبانی تلاوت کرتے، زمانہ طالب علمی میں دیکھتا تھا کہ چلتے پھرتے دس پانچ پارہ پڑھ لینا معمولی بات تھی، طلبہ کے اندر بھی آپ قرآن سننے سنانے کا ایک جذبہ اور ولولہ پیدا کردیتے تھے، نہ جانے کتنے طلبہ کا قرآن آپ کی توجہ سے یاد ہوگیا، بیسوں دور تو میرا سنا ہوگا، ایک مرتبہ ایک نشست میں میرا پورا قرآن سنا، دس دس پارہ تین نشستوں میں یا پندرہ پندرہ پارہ دو نشست میں تو نہ جانے کتنی سنانے کی نوبت آئی۔ ۱۹۹۳ء میں مولانا محمد عثمان صاحب کی وفات کے بعد آپ منبع العلوم کے صدر مدرس بنائے گئے، ۲۰۰۹ء میں بعض خانگی احوال کی وجہ سے منبع العلوم سے مستعفی ہوکر جونپور اپنے شاگرد مولانا انوار احمد صاحب کے مدرسہ بنات میں چلے گئے جہاں دیگر کتابوں کے ساتھ بخاری شریف بھی پڑھائی، وہاں ۸؍سال رہ کر مارچ ۲۰۱۷ء کو اپنی مادر علمی جامعہ حسینیہ چلے گئے جہاں اس وقت تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اولاد: مولانا کے ۶ لڑکے ہیں: حافظ عبداللہ، مولوی حافظ عبدالرحمٰن قاسمی، مولوی حافظ محمد احمد قاسمی، حافظ محمد طیب، حافظ محمد ارشد، حافظ ابوسامہ، اور چار لڑکیاں ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا احمد حسن قاسمی ندوی

نام: احمد حسن بن حاجی محمد خلیل

تاریخ ولادت: ۱۵/اگست ۱۹۶۰ء

ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، جلالین شریف پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، ان کے دورۂ حدیث کے سال دارالعلوم دیوبند کا جشن صد سالہ کے بعد والا ہنگامہ پیش آیا، جس کی وجہ سے سالانہ امتحان سے پہلے ہی دارالعلوم بند ہوگیا، اس سال کے دورہ کے طلبہ کو بغیر امتحان کے سند دی گئی، ابھی چند ماہ سالانہ امتحان میں باقی تھے تو انھوں نے مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں پڑھا اور وہاں سے بھی سند فضیلت ملی۔ اس طرح یہ قاسمی اور مفتاحی دونوں ہوگئے۔ اس کے بعد مزید دو سال (۱۹۸۱ء/۱۹۸۲ء) ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تخصص فی الادب کیا۔ فراغت کے بعد صرف ایک سال تدریس سے تعلق رہا۔ مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ سے بیعت وارادت کا تعلق تھا۔

☆☆☆☆☆

مولانا حافظ افضال احمد قاسمی

نام: افضال احمد بن اقبال احمد بن عبدالحق بن عبدالرشید

۱۹۶۰ء میں خیرآباد میں پیدا ہوئے، منبع العلوم میں پرائمری، حفظ اور عربی پنجم کی تکمیل کے بعد دیوبند گئے، مولانا احمد حسن صاحب کے درسی ساتھی ہیں، انھوں نے بھی دیوبند کے بعد چند ماہ مفتاح العلوم میں پڑھا۔ فراغت کے بعد کبھی تدریس اور کبھی گھریلو کاموں میں مشغول رہے، اس وقت بھیرہ میں مدرسۃ البنات میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انگریزی زبان سے بھی اچھی واقفیت ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

نام: حبیب الرحمٰن بن مولانا نثار احمد بن عبد الجبار بن عبد الوہاب بن محمد اسماعیل

تاریخ ولادت: ۱۹۶۰ء

مولانا نثار احمد صاحب مرحوم [محلّہ اتراری] کے لڑکے ہیں، جب سے منبع العلوم میں جلالین شریف یعنی عربی پنجم تک تعلیم ہوگئی ہے، عموماً یہاں کے طلباء عربی پنجم پڑھ کر دو سال کسی بڑے مدرسہ میں جاکر سند فضیلت حاصل کرتے ہیں۔ ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم منبع العلوم میں حاصل کی۔ تعلیم حافظ وحید احمد صاحب کے یہاں قاعدہ بغدادی سے ہوئی، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد جب والد محترم مولانا نثار احمد صاحب دھام پور، بجنور چلے گئے تو بال بچوں کے ساتھ وہاں رہنے لگے، تو یہ بھی ۱۹۷۱ء میں کچھ عرصہ وہاں رہے، لیکن ایک دوسال کے جب ان کی والدہ گھر آگئیں تو پھر یہیں منبع العلوم میں پرائمری کی تعلیم مکمل کی۔

۱۹۷۷ء میں فارسی شروع کی، ۱۹۷۸ء میں ان کے والد محترم کا انتقال ہوگیا، ۱۹۸۲ء میں عربی پنجم پڑھنے کے بعد دارالعلوم مئو جاکر موقوف علیہ میں داخلہ لیا، مولانا حکیم آفاق اختر صاحب ان کے درسی ساتھی ہیں۔ دارالعلوم مئو دوسال رہ کر ۱۹۸۴ء میں دورہ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی، مولانا نیاز احمد صاحب جہاناگنجی سے خاص تعلق تھا، لیکن دورہ کے سال ان کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد مولانا محمد عارف صاحب جہاناگنجی شیخ الحدیث ہوئے، بخاری شریف ان سے پڑھی۔

اس وقت محمد آباد کے پاس کسی دیہات میں امامت اور مکتب میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اولاد: آپ کے دو لڑکے جاوید احمد و جمال احمد اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

مولانا کمال اختر صاحب خیرآبادی

مولانا کمال اختر صاحب ایک صاحب ذوق و باصلاحیت عالم اور مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کے ہونہار سپوتوں میں سے ہیں، تدریس کے ساتھ تحریر وتقریر کا بھی ذوق رکھتے ہیں۔

نام: کمال اختر بن محمد نذیر بن حاجی حمید اللہ بن حاجی الٰہی بخش بن محمد ابراہیم رمضان ۱۳۸۴ھ (جنوری ۱۹۶۵ء) میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں تعلیم شروع ہوئی، اور ۱۹۷۷ء میں پرائمری پانچ پاس کرکے فارسی شروع کی۔ پرائمری کے اساتذہ میں مولانا زبیر احمد صاحب، مولانا ڈاکٹر زین الحق صاحب، حافظ امیر احمد صاحب و قاری نذیر احمد صاحب وغیرہ تھے۔ فارسی مولانا زبیر احمد صاحب اور مولانا نظام الدین صاحب سے پڑھی۔ یہ مرحلہ مولانا زبیر احمد صاحب کی سرپرستی وتربیت میں طے کیا۔

۱۹۷۹ء میں عربی درجات کی تعلیم شروع ہوئی۔ ۸۱/۸۰/۱۹۷۹ء تین سال میں عربی اول سے سوم تک منبع العلوم میں پڑھا، عقیدت ومحبت تو سبھی اساتذہ سے تھی لیکن مولانا امتیاز احمد صاحبؒ سے خاص مناسبت تھی، ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے جہاں ایک سال عربی چہارم پڑھ کر پھر منبع العلوم آگئے اور یہاں عربی پنجم پڑھ کر عالمیت کی تکمیل کی، پنجم کے سال دیواری پرچہ المنبع کے نام سے اردو اور عربی میں نکالنا شروع کیا، بعد میں عربی والے کا نام الروضۃ ہوگیا، اس وقت سے برابر یہ دونوں دیواری رسالے نکل رہے ہیں۔ عربی کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب (صدر المدرسین) مولانا حافظ عبدالحی صاحب (ناظم اعلیٰ) مولانا فضل حق صاحب، مولانا قمرالدین صاحب رسولپوری، مولانا محمد اصغر صاحب، مولانا انوار احمد صاحب قاسمی وغیرہ ہیں۔ ندوہ کے اساتذہ میں مولانا برجیس صاحب قاسمی اور مولانا عتیق احمد صاحب بستوی وغیرہ ہیں۔

۱۹۸۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں ہفتم میں داخلہ لیا، اور اگلے سال ۱۹۸۵ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف جلد اول کا ابتدائی حصہ شیخ الحدیث

مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے پڑھا، پھر ان کی آنکھ کے آپریشن کے بعد مفتی سعید احمد صاحب نے جلد اول پڑھائی، جلد ثانی مولانا عبدالحق صاحب اعظمی سے پڑھی۔ دیو بند کے بقیہ اساتذہ میں مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، مولانا قمر الدین صاحب، مولانا سید ارشد مدنی، علامہ محمد حسین بہاری، مولانا زبیر احمد صاحب، مولانا ریاست علی صاحب وغیرہ ہیں، مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی سے خاص تعلق رہا۔ ۱۹۸۶ء میں تکمیل علوم میں داخلہ لیا، اس سال مولانا ریاست علی صاحب اور مولانا نور عالم صاحب سے خاص ربط و تعلق رہا۔

تدریس:

تکمیل علوم سے فراغت کے بعد ۱۹۸۷ء مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خان پور میرٹھ سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، یہاں چھ ماہ رہ کر گھر آ گئے، اور اس سال کے چھ ماہ اور ۱۹۸۸ء پورا سال منبع العلوم خیرآباد میں شعبہ تعمیر و ترقی میں رہ کر فارسی کی کچھ کتابیں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۲ء تک ضیاء العلوم محمد آباد، پھر ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم برئی پور چلے گئے جہاں عربی چہارم تک درجات قائم کئے۔ جہاں بھی رہے درسیات کے ساتھ طلبہ کے اندر تحریری و تقریری ذوق پیدا کرنے کے لئے انجمن کا ایک مضبوط نظام قائم کر کے اچھی محنت کروائی۔ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۵ء والدین کی خدمت کے لئے گھر پر رہے۔ اس کے بعد مئی ۲۰۰۵ء سے دوبارہ تدریسی سلسلہ شروع کیا اور ۲۰۱۲ء تک مدرسہ انوار العلوم کرہاں، مدرسہ مدینۃ العلوم بگی روڈ گونڈہ، مدرسہ مفتاح العلوم کمراواں اور مدرسہ انوار العلوم گونڈہ میں رہے ۲۰۱۳ء میں جامعۃ الزاہدات اتراری خیرآباد میں چھ سال تک رہے جہاں دورہ حدیث تک کی کتابیں زیر درس رہیں ۲۰۱۹ء سے مدرسہ رحمانیہ ولید پور میں ہیں جہاں عربی پنجم تک کی کتابیں زیر درس ہیں۔ اصلاحی تعلق مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی سے ہے، ان کے درس حدیث اور تقریروں کو ضبط کر کے ترتیب و تحشیہ کے ساتھ کئی جلدوں میں شائع کر چکے ہیں اور مفتی صاحب کے افادات کو عام کر رہے ہیں، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

اولاد: آپ کے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب ندوی

نام: عبدالعزیز بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ عبدالغفور بن حافظ عنایت اللہ

ولادت: ۱۵/نومبر ۱۹۶۵ء

مولانا عبدالعزیز صاحب اعظمی ندوی خیرآباد کے سابق امام جمعہ وعیدین حافظ رحمت اللہ صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ خیرآباد کے ذہین وفطین، متحرک وفعال اور باحوصلہ علماء میں سے ہیں، خاندانی احوال کا تفصیلی ذکر ان کے والد ماجد کے تذکرہ میں کیا جاچکا ہے، وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ ان کی ذہانت کا حال یہ تھا کہ جب خیرآباد سے عربی سوم پڑھ کر ندوہ گئے تو وہاں عربی ششم یعنی عالیہ سادسہ میں داخلہ ہوا، وہ بھی کسی سفارش پر نہیں بلکہ داخلہ امتحان میں امتیازی نمبرات کے ساتھ کامیابی کی بناپر۔ قرآن کریم بہت عمدہ خالص عربی لب ولہجہ میں پڑھتے ہیں، اپنے والد ماجد کے اخیر زمانۂ حیات میں جب وہ ضعیف ہوگئے تھے، جمعہ وعیدین کے امام بنائے گئے اور ان کے انتقال کے بعد بھی کئی سال تک اس منصب پر رہے، اس وقت ہم لوگ ان کی قرأت اور خطبے بڑے شوق سے سنتے تھے۔

پرائمری سے عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی، حفظ کی تکمیل تقریباً سوا دو سال میں حافظ محمد ادریس صاحب کے یہاں کی، چند ماہ فارسی پڑھ کر عربی اول کے لئے مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں داخلہ لیا، لیکن کم عمری، ماحول کی اجنبیت اور گھر سے دوری کی بناپر ایک ماہ کے بعد واپس آگئے اور حسب سابق منبع العلوم میں پڑھنے لگے، یہاں کے عربی اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب (مولانا سے نورالایضاح کے چند ہی اسباق پڑھے تھے کہ وہ اسی سال مستعفی ہوگئے۔) مولانا حافظ عبدالحی صاحب (ان سے بطور خاص استفادہ کیا۔) مولانا فضل حق صاحب اور مولانا امتیاز احمد صاحب وغیرہ ہیں۔

یہاں سے عربی سوم پڑھ کر شوال ۱۴۰۱ھ [اگست ۱۹۸۱ء] میں ندوہ گئے جہاں عالیہ سادسہ میں داخلہ ہوا، مولانا کو عربی زبان وادب سے خاص دلچسپی تھی، شوال میں ندوہ جانا تھا اس لئے رمضان میں جب مولانا ابواللیث صاحب سالانہ تعطیل میں مکہ مکرمہ سے وطن آئے تو ان سے خصوصی طور پر عربی انشاء وادب کے سلسلہ میں استفادہ کیا، عربی زبان پر غیر معمولی قدرت کا ہی نتیجہ تھا کہ عربی سوم سے عربی ششم میں داخلہ ہوا، وہاں تین سال رہ کر عالمیت کی تکمیل کی۔ اس کے بعد تخصص میں داخلہ لیا، لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی علی گڑھ چلے گئے اور ایم اے میں داخلہ لیا، وہاں ڈپارٹمنٹ کے عربی رسالہ کے مدیر بھی رہے۔ ابھی ایم اے فائنل کا امتحان دینا باقی تھا کہ قطر کی وزارت داخلہ میں بحیثیت مترجم تقرری ہوگئی، اس لئے قطر چلے گئے، جہاں ۱۹۹۰ء تک قیام رہا، اس کے بعد وطن واپس آ گئے۔

کچھ دن گھر رہ کر کاروبار کیا، اس کے بعد دہلی چلے گئے، وہاں کچھ دن رہ کر انگریزی زبان پر محنت کی، لیکن جلد ہی کویت کی ایک کمپنی میں بحیثیت لائبریرین انتخاب ہوگیا اور کویت چلے گئے، وہاں آپ کی سرگرمیاں متنوع قسم کی تھیں، آفس سے فارغ ہوکر وزارت اوقاف کے ایک ادارہ دارالقرآن الکریم میں چند گھنٹے قرآن کریم اور عربی زبان کا درس دیتے تھے، اس کے علاوہ درس قرآن اور مختلف مساجد میں خطبات جمعہ اور دروس کا سلسلہ بھی جاری رہا، آپ کی صلاحیتوں سے اہل عرب بھی کافی متاثر تھے، عربوں سے گہرے مراسم اور تعلقات قائم ہوگئے۔ وہاں جب آپ نے ساؤتھ انڈین لوگوں کو دیکھا کہ وہ کافی تعلیم یافتہ اور اکثر اونچی پوسٹوں پر فائز ہیں تو اس کے اسباب وعوامل پر غور کرنا شروع کیا، تو معلوم ہوا کہ ان کے یہاں نہایت پختہ، ٹھوس اور مضبوط تعلیمی وتربیتی نظام ہے، جس کی بدولت یہ حضرات ان بلند مناصب پر فائز ہیں۔

یہیں سے آپ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہمارا علاقہ دیگر پس ماندگیوں کے ساتھ تعلیمی پس ماندگی کے اعتبار سے ناقابل بیان ہے، بالخصوص عصری تعلیم میں کافی پیچھے ہے، اس لئے اس سلسلہ میں ایک ایسا معیاری ادارہ قائم کیا جائے جہاں مضبوط دینی بنیاد

کے ساتھ زمانے کے لحاظ سے بہترین عصری تعلیم کا نظم کیا جائے، اس پر وہ وہاں کے اہل علم وماہرین تعلیم سے مشورہ کرتے رہے اور اس کا خاکہ ترتیب دیتے رہے۔ ۲۰۰۰ء میں اپنے خاکہ میں رنگ بھرنے کے لئے کویت کو خیرباد کہا اور وطن عزیز خیرآباد آگئے۔ ''الغزالی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی'' کے نام سے ایک سوسائٹی قائم کی، اور فی الحال مدرسہ ضیاء العلوم سیدواڑہ محمدآباد میں تدریسی خدمات اور اسی کے ساتھ کچھ انتظامی امور بھی انجام دینے لگے، اور ۲۰۰۳ء میں اسی سوسائٹی کے زیر اہتمام ''ہیون گارڈن اسکول'' قائم کیا، جو آج علاقہ کا ایک معیاری اسکول ہے، اسی کے ساتھ خالص دینیات وتحفیظ قرآن کے لئے ایک ادارہ معہد الرحمہ والسلام قائم کیا، ان دونوں کا تعارف کتاب کے حصہ اول میں آچکا ہے۔

اس دوران آپ کو حکومت کویت کی طرف سے تعلیمی اور دعوتی وتبلیغی خدمات کے لئے مبعوث بھی کیا گیا ہے اور آپ اس سلسلہ میں خیرآباد کے آس پاس دیہات وقصبات میں دروس وخطبات کے لئے جاتے رہے۔ مولانا تقی الدین ندوی صاحب کے توسط سے ایک بار شیخ زائدالنہیان (امیر متحدہ عرب امارات) کی دعوت پر امارات بھی تشریف لے گئے اور وہاں ایک ماہ حکومت کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق دروس وخطبات کا سلسلہ جاری رہا، اس سفر میں پوری دنیا کے منتخب اہل علم سے ملاقات رہی۔ شیخ زائدالنہیان سے ملاقات اور ان کی مجلس میں تلاوت قرآن کا شرف بھی حاصل رہا۔ اسی طرح تعلیمی سلسلہ میں تھائی لینڈ اور یورپ کا سفر بھی کیا، یورپ کے سفر میں بلجیم میں طویل قیام رہا۔

تعلیمی اصلاحات وترقی کے لئے آپ کی تگ ودَو مسلسل جاری ہے، مختلف عناوین پر سیمینار وسمپوزیم منعقد کراچکے ہیں، جس میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین طلباء سے خطاب کرتے ہیں، اسی طرح طلبہ وطالبات کے اندر ترغیب وتشویق کے لئے مسابقوں کا انعقاد کیا جاتا ہے، وقتاً فوقتاً خود آپ اور دوسرے اہل علم کے خطابات ہوتے ہیں۔ غرض تعلیمی بیداری اور طلبہ کے اندر ذوق وشوق پیدا کرنے کے لئے ہمہ وقت فکرمند رہتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا حکیم آفاق اختر صاحب قاسمی

آپ مولانا عبدالحکیم صاحب سابق ناظم اعلیٰ مدرسہ منبع العلوم کے صاحبزادے ہیں، دارالعلوم سے فراغت کے بعد باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی اور اس وقت دہلی میں مقیم ہیں، اپنا مطب ہے، مریضوں کو دیکھنے کے ساتھ اپنی دوائیں بھی تیار کراتے ہیں۔

نام: آفاق اختر بن مولانا عبدالحکیم بن بشیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ ۵؍جنوری ۱۹۶۵ء کو خیرآباد میں ایک علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ۱۹۷۱ء میں منبع العلوم میں پرائمری میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۶ء میں پرائمری مکمل کرکے درجہ فارسی میں آئے، پرائمری کے اساتذہ میں قاری نذیر احمد صاحب، مولانا زبیر احمد صاحب، مولانا زین الحق صاحب اور ماسٹر محمد اسحاق صاحب ہیں۔ کچھ دنوں تک مولانا زین الحق صاحب سے فارسی پڑھی، اس کے بعد فارسی کی بقیہ تمام کتابیں مولانا زبیر احمد صاحب سے پڑھیں۔ ۱۹۷۸ء میں شعبۂ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۹۸۲ء میں جلالین شریف کا امتحان دے کر دارالعلوم دیوبند میں مشکوۃ شریف میں داخلہ لیا، عربی درجات کے اساتذہ میں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ، مولانا قمرالدین صاحب، مولانا حافظ عبدالحی صاحب، مولانا انوار احمد صاحب، اوران کے چچا مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب ہیں جو اس وقت اعزازی مدرس تھے۔ ۱۹۸۴ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی، بخاری شریف مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے پڑھی۔

چونکہ والد صاحب ایک مشہور وتجربہ کار حکیم تھے، اس لئے طب سے دلچسپی فطری چیز تھی، اس لئے فراغت کے بعد طبیہ کالج دیوبند میں داخلہ لیا اور ڈی یو ایم ڈپلومہ کورس کیا، مگر اسی سال طبیہ کالج بند ہوگیا، جس کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ گئی۔ لیکن طلباء کے مطالبہ پر

دارالعلوم کی انتظامیہ نے اس بیچ کا داخلہ یونیورسٹی آف راجستھان جے پور میں کرادیا اس طرح ۱۹۸۶ء میں وہاں داخل ہوئے اور ۱۹۹۳ء میں بی یوایم ایس کا کورس مکمل کیا۔

فراغت کے بعد کی مصروفیات:

جے پور سے طب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد خیرآباد ہی میں والد صاحب کے ساتھ مطب پر رہے، نیز اپنے دوست ڈاکٹر ممتاز احمد صاحب کے کلینک پر بھی کچھ وقت دیتے تھے، یہ سلسلہ ۱۹۹۷ء تک قائم رہا، اس کے بعد بغرضِ ملازمت دہلی آگئے۔ ڈھائی سال صبا میڈیکل سینٹر میں ملازمت کے بعد ۲۰۰۰ء سے ۲۰۱۵ء تک نیوشمع لیبارٹیز دہلی میں اپروڈ یونانی مینوفیکچرنگ کیمسٹ کی حیثیت سے رہے، جہاں آپ کی نگرانی میں جملہ ادویات تیار کی جاتی تھیں، نیوشمع کی ملازمت کے بعد سال بھر ایک اور کمپنی میں رہے۔ اس کے بعد سے تقریباً ۲۰/ادویات خود ہی تیار کراتے ہیں اور گھر پر ذاتی مطب میں مریضوں کو دیکھنے کا سلسلہ بھی جاری ہے، اس میں بیرون ممالک سے آنے والے مریضوں کی بھی ایک خاصی تعداد ہوتی ہے۔ وطن خیرآباد بھی آمدورفت رہتی ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۸۲ کا

اسی لئے فراغت کے بعد تدریسی خدمت کے لئے جامعۃ الفلاح کا انتخاب کیا، وہاں پانچ سال اور مدرسۃ الاصلاح سرائمیر میں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ فی الحال ایک سرکاری جونیر ہائی اسکول میں اسسٹنٹ ٹیچر کی حیثیت سے کام کررہے ہیں، اور ایک عرصہ سے مساجد میں عوامی درس قرآن وحدیث کا سلسلہ جاری ہے۔

تصنیفی خدمات میں سے پی ایچ ڈی کا مقالہ ''مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری: حیات وخدمات'' ہے، جو ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ بنیادی دینی تعلیم پر مشتمل ایک رسالہ ''جانو اپنے دین کو'' اور مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہونے والے مضامین ومقالات ہیں جن کی تعداد تقریباً چالیس ہے۔ مستقل قیام وطن خیرآباد میں ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا ڈاکٹر عین الحق قاسمی

نام: عین الحق بن محمد ادریس

تاریخ ولادت: ۵/اگست ۱۹۶۶ء

آپ خیرآباد کے ذہین وفطین صاحب قلم عالم ہیں۔ ابتداء سے متوسطات عربی تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ شعبان ۱۴۰۴ھ [۱۹۸۴ء] میں منبع العلوم سے جلالین شریف پڑھ کر شوال ۱۴۰۴ھ [جولائی ۱۹۸۴ء] میں دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں موقوف علیہ میں داخلہ لیا، اور دوسال رہ کر شعبان ۱۴۰۶ھ [۱۹۸۶ء] میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے درسی ساتھیوں میں مولانا محمد راشد صاحب، مولانا محمد اطہر صاحب اور قاری نسیم اختر صاحب وغیرہ ہیں، چونکہ ان کے تذکرہ میں اساتذہ کرام اور متعلقہ کتابوں کا ذکر موجود ہے اس لئے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اسی درمیان عربی وفارسی بورڈ الہ آباد سے عالم وفاضل کا امتحان دیا۔ اس کے علاوہ درج ذیل امتحانات دے کر کامیابی حاصل کی:

☆ ادیب کامل ومعلم اردو، جامعہ اردو علی گڈھ۔ ☆ ایس۔ ایس۔ ایس۔ سی (انگلش ونلی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ☆ ایم۔ اے (عربی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ ☆ ایم۔ اے (اردو) پروانچل یونیورسٹی جون پور (شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ) ☆ مراسلاتی عربی کورس (مصر) ☆ پی ایچ ڈی (عربی) لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

تدریس: زمانۂ طالب علمی سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عامر عثمانی وغیرہ کی تحریروں سے متاثر تھے، جس کی وجہ سے ذہنی وفکری رجحان جماعت اسلامی کی طرف تھا

بقیہ ص: ۲۸۱ پر

مولانا قاری نسیم اختر صاحب

نام: نسیم اختر بن رشید احمد بن مولانا عبد السمیع بن عبد الکریم

تاریخ ولادت: ۵/اگست ۱۹۶۶ء

آپ خیرآباد کے پہلے باقاعدہ عالم وفاضل مولانا عبد السمیع صاحب مظاہری کے پوتے ہیں، قرآن پاک بہت اچھا پڑھتے ہیں اس لئے قاری کے لقب سے مشہور ہیں۔ درجہ اطفال سے عربی پنجم تک مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل ہوئے، ۱۹۷۸ء میں پرائمری درجہ پانچ پاس کرنے کے بعد فارسی شروع کی، اور شعبان ۱۴۰۴ھ [۱۹۸۴ء] میں عربی پنجم پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں موقوف علیہ میں داخلہ لیا، اور دو سال رہ کر شعبان ۱۴۰۶ھ [۱۹۸۶ء] میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے درسی ساتھیوں میں مولانا محمد راشد صاحب اور مولانا محمد اطہر صاحب وغیرہ ہیں، چونکہ ان کے تذکرہ میں اساتذہ کرام اور متعلقہ کتابوں کا ذکر موجود ہے اس لئے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مولوی کا امتحان سکنڈ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔

تدریس:

فراغت کے معاً بعد مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کے مدرسہ الجامعۃ الحجازیۃ میں تقریباً ۵/ پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے تدریس چھوڑ کر گھریلو کاروبار میں لگ گئے۔ اس دوران اعزازی طور پر مدرسہ ضیاء العلوم محمدآباد اور دارالعلوم برئی پور میں چند گھنٹے پڑھاتے بھی رہے۔ مئی ۲۰۰۹ء سے پانچ سال تک بسلسلہ معاش سعودی عرب رہے، فی الحال گھر پر ہیں اپنے گھریلو کاروبار میں مشغول ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا شمس الدین صاحب ندوی

نام: شمس الدین بن حافظ محمد امین بن حافظ سلامت اللہ، بن حافظ عبدالغفور۔
۱۰؍نومبر ۱۹۶۵ء کو خیرآباد کے ایک معروف خاندان میں آنکھیں کھولیں۔ آپ کے والد حافظ محمد امین صاحب، دادا حافظ سلامت اللہ صاحب، اور پردادا حافظ عبدالرحیم صاحب تینوں حضرات منبع العلوم میں مدرس رہے اور کئی نسلیں ان حضرات سے مستفید ہوئیں۔
۱۹۷۱ء میں منبع العلوم میں پرائمری میں داخلہ لیا۔ ۱۹۷۶ء میں پرائمری مکمل کر کے درجہ فارسی میں آئے، دو سال فارسی پڑھ کر ۱۹۷۸ء میں شعبۂ عربی میں داخل ہوئے اور عربی چہارم تک پڑھ کر ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالیہ اولیٰ (عربی پنجم) میں داخلہ لیا۔ خیرآباد کے اساتذہ میں قاری نذیر احمد صاحب، مولانا زبیر احمد صاحب، مولانا زین الحق صاحب، ماسٹر محمد اسحاق صاحب، مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا حافظ عبدالحی صاحب وغیرہ ہیں۔
ندوہ سے ۱۹۸۵ء میں عالمیت اور ۱۹۸۷ء سند فضیلت حاصل کی، اس کے بعد یہیں سے حدیث میں تخصص کیا، یہاں کے اساتذہ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی، مولانا سید عبداللہ حسنی، مولانا ضیاء الحسن مئوی صاحبان ہیں۔
اپنے مشفق استاذ مولانا عبداللہ حسنی صاحب کی ایما پر جامعہ بحرالعلوم قصبہ بھدرسہ فیض آباد میں تدریسی خدمات انجام دینا شروع کیا۔ تین سال یہاں رہنے کے بعد جامعہ اسلامیہ عربیہ قاضی پور بھدوہی میں تقرری ہوئی، جہاں تاحال تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، حدیث اور ادب کی کتابیں آپ سے متعلق ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا خلیق الزماں قاسمی

نام: خلیق الزماں بن انوار احمد بن عبدالستار بن عبدالوہاب بن محمد اسماعیل

تاریخ ولادت: ۲؍فروری ۱۹۶۶ء

ابتداء سے لے کر فارسی تک تعلیم گجرات میں حاصل کی، جہاں ان کے والد ماجد تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، اس کے بعد عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم وقف گئے جہاں شعبان ۱۴۰۶ھ (مئی ۱۹۸۶ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ فراغت کے کچھ ہی عرصہ بعد دبئی چلے گئے جہاں وہ تدریس سے جڑے ہیں، اور سال بسال کچھ دنوں کے لئے وطن آجاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا عتیق الرحمٰن قاسمی

نام: عتیق الرحمٰن بن حافظ نثار احمد

تاریخ ولادت: یکم جنوری؍جنوری ۱۹۶۷ء

ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں شعبان ۱۴۰۶ھ (مئی ۱۹۸۶ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم محمد آباد، جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ اور دارالعلوم برئی پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، جس کا دورانیہ ۲۷/۲۸؍سال ہے۔

کچھ عرصہ سعودی میں رہے، فی الحال گھر پر ہیں اور گھریلو کام کاج میں مشغول ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد راشد صاحب خیرآبادی

مولانا محمد راشد صاحب خیرآبادی مدرسہ منبع العلوم کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں، ان کی ابتداء سے عالمیت تک مکمل تعلیم یہیں ہوئی، اس کے بعد ۲۱/سال تک مسلسل یہاں تدریسی خدمات انجام دیں، مقبول مدرسین میں ان کا شمار ہوتا تھا، مدرسہ کے کتب خانہ کی ترقی میں ان کا نمایاں کردار ہے۔

نام: محمد راشد بن شبیر احمد بن بشیر احمد بن ولی اللہ

(سرٹیفکیٹ کے مطابق) ۱۰/جنوری ۱۹۶۷ء کو پیدا ہوئے، خیرآباد ایک صنعتی جگہ ہے، یہاں کی آبادی عموماً مزدور طبقہ پر مشتمل ہے، آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تک عام طور سے پڑھنے لکھنے کا ماحول نہ تھا، اس لئے اس وقت تک اکثر گھرانوں میں تعلیم وتعلم کا کوئی چرچا نہ تھا، بچے جب شعور کی عمر کو پہنچتے تو فکرمند حضرات مدرسہ میں داخل کرادیتے جہاں وہ زیادہ سے زیادہ پرائمری پانچ تک پڑھ لیتے، کچھ خوش نصیب فارسی اور حفظ تک پہنچ جاتے اور بیشتر پرائمری ہی سے اپنے گھریلو کام میں لگ جاتے تھے، اس لئے آپ کے یہاں بھی کوئی علمی ماحول نہ تھا، ہاں نانیہال میں کچھ علم کی شمع روشن ہوچکی تھی اور ایک علمی ماحول وجود میں آرہا تھا۔ ماموں مولانا حافظ عبدالحی صاحب پڑھ کر فارغ ہوچکے تھے، اور مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ومولانا حفیظ الرحمٰن صاحب ابھی پڑھ رہے تھے۔

شوال ۱۳۹۱ھ (دسمبر ۱۹۷۱ء) میں مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے، درجہ اطفال مولوی عبدالغفور وحافظ امیر احمد صاحب کے یہاں پڑھا، درجہ ایک مولوی نظام الدین صاحب کے یہاں، درجہ دو اور تین ایک ہی سال میں مولانا زبیر احمد صاحب نے پڑھا کر درجہ چار میں داخل کرادیا، چار اور پانچ ماسٹر محمد اسحاق صاحب سے پڑھ کر ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء)

میں اس کا امتحان الہ آباد بورڈ سے دیا، اس امتحان کے بعد تعلیمی سال ختم ہونے میں ابھی تین ماہ باقی تھے۔ مولانا زبیر صاحب نے خصوصی توجہ دیتے ہوئے اس تین ماہ میں فارسی اول کی تمام کتابیں پڑھا کر نئے تعلیمی سال میں فارسی دوم میں داخلہ کرادیا۔ فارسی دوم میں گلستاں مولانا انوار احمد صاحب سے، بوستاں مولانا نظام الدین صاحب سے اور مالا بدمنہ ومفتاح القواعد مولانا فضل حق صاحب سے پڑھی، اور ان سے خارج میں بھی خصوصی استفادہ کیا، اس وقت یہ حضرات پرائمری میں پڑھاتے تھے۔ اس دوران مولانا زبیر احمد صاحب کے یہاں آمد ورفت زیادہ رہتی تھی، وہ خاص توجہ اور شفقت فرماتے، مفید مشوروں سے نوازتے، انھیں کے تاکیدی حکم سے ہر کتاب کی عبارت پڑھنا اور تکرار کرانے کا التزام کیا، مدینہ منورہ جانے کے بعد جب وہ چھٹیوں میں گھر آتے تو اسی تعلق کی بنیاد پر عربی انشاء کی مشق کراتے۔

شوال ۱۳۹۹ھ (ستمبر ۱۹۷۹ء) میں عربی اول میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۴۰۴ھ (مئی ۱۹۸۴ء) میں جلالین شریف پڑھ کر عالمیت کی تکمیل کی۔ جلالین شریف اول اور ہدایہ ثانی موجودہ ناظم اعلیٰ مولانا حافظ عبدالحی صاحب سے، مولانا محمد اصغر صاحب سے میبذی وحسامی، مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری سے جلالین ثانی، دیوان المتنبی، اور الفوز الکبیر پڑھی۔ عربی درجات کی زیادہ کتابیں ناظم صاحب سے پڑھیں، خصوصاً علم نحو کی تمام کتابیں، ناظم صاحب جب سفر پر جاتے تو مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی جو اس وقت تیندوا رائے بریلی میں پڑھاتے تھے آکر ان کی کتابیں پڑھاتے، ان سے الگ سے بھی عربی انشاء وغیرہ کی مشق کی ہے۔ حل عبارت کے سلسلہ میں مولانا اصغر صاحب سے زیادہ رابطہ رہتا تھا، جن کو اس میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ خالی اوقات میں حضرت شیخ مولانا محمد عثمان صاحب نحو وصرف کی مشق کراتے، عبارت پڑھنے کا سلیقہ سکھاتے، غرض حضرت شیخ کی صحبت میں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، شیخ نے بھی ''القصائد الغالیہ'' کے پیش لفظ میں مولانا راشد، مولانا اطہر اور مولانا عین الحق صاحبان کا خصوصی ذکر کیا ہے جو اس وقت ابھی پڑھ رہے تھے۔

شوال ۱۴۰۴ھ (جولائی ۱۹۸۴ء) میں دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ شریف (موقوف علیہ)

کی جماعت میں داخلہ لیا، اور اگلے سال شعبان ۱۴۰۶ھ (مئی ۱۹۸۶ء) میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

دورۂ حدیث کی کتابیں درج ذیل اساتذۂ کرام سے پڑھیں۔

بخاری شریف جلد اول مولانا نصیر احمد خاں صاحب سے، جلد ثانی مولانا عبدالحق صاحب اعظمی سے۔ مسلم شریف جلد اول مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی سے، جلد ثانی مولانا قمرالدین صاحب سے۔ ترمذی شریف جلد اول وطحاوی مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری سے، ترمذی جلد ثانی مولانا سید ارشد مدنی سے۔ ابوداؤد علامہ محمد حسین بہاری سے۔ نسائی شریف مولانا زبیر احمد صاحب سے۔ ابن ماجہ مولانا ریاست علی صاحب سے، شمائل ترمذی مولانا عبدالخالق مدراسی سے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد عربی فارسی بورڈ سے عالم کا امتحان دیا، اور اس کے بعد فاضل دینیات کا امتحان دیا۔

تدریسی خدمات:

فراغت کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنی مادر علمی مدرسہ منبع العلوم میں اپنے اساتذہ کے زیر سایہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا جو ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ (دسمبر ۲۰۰۷ء) تک مسلسل جاری رہا، یہاں کا کتب خانہ آپ کی دلچسپی کا خاص محور رہا، چند الماریوں پر مشتمل کتب خانہ کو اپنے شوق ودلچسپی سے ایک معیاری کتب خانہ میں تبدیل کردیا۔ یہاں جب تک رہے امتحان کے پرچوں کی تعدیل، کتابت اور طباعت سب آپ کے ذمہ رہی، جس کو نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اصلاحی تعلق مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ سے ہے۔

ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ کے بعد سے اب تک تقریباً ۱۴؍سال سے مدرسہ مطلع العلوم بنارس میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، جہاں دیگر کتابوں کے ساتھ دورۂ حدیث کی کتابیں بھی زیر درس رہتی ہیں۔

اولاد: دو بیٹے حافظ عبداللہ ومولوی سعداللہ اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

مولانا محمد اطہر صاحب خیر آبادی

مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی خیر آباد کے ممتاز علماء و بہترین مدرسین میں سے ہیں، فراغت کے بعد سے مسلسل بلا کسی انقطاع کے درس و تدریس سے منسلک ہیں۔

نام: محمد اطہر بن مولوی اقبال احمد بن حاجی عبد الصمد بن نعمت اللہ بن محمد ابراہیم

۸/اپریل ۱۹۶۷ء کو خیر آباد میں پیدا ہوئے، والد محترم ایک باذوق و علم دوست شخص ہیں، ان کی علم دوستی بیٹے کے لئے حصول علم کا سبب بنی۔ یہ مولانا محمد راشد صاحب کے درسی ساتھی ہیں، یہ بھی شوال ۱۳۹۱ھ (دسمبر ۱۹۷۱ء) میں مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے، ۱۳۹۸ھ (۱۹۷۸ء) میں پرائمری پانچ پاس کرنے کے بعد فارسی پھر عربی شروع کی، اساتذہ بھی دونوں حضرات کے تقریباً ایک ہی رہے۔

شعبان ۱۴۰۴ھ (مئی ۱۹۸۴ء) میں منبع العلوم میں عربی پنجم کا امتحان دے کر عالمیت کی تکمیل کی اور شوال ۱۴۰۴ھ (جولائی ۱۹۸۴ء) میں دار العلوم دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا، شعبان ۱۴۰۶ھ (مئی ۱۹۸۶ء) میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، چونکہ یہ مولانا راشد صاحب کے ہم سبق ساتھی ہیں اس لئے اساتذہ اور کتابوں کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ مولانا کو عربی ادب و انشاء سے خاص دلچسپی تھی اس لئے مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب خیر آبادی جو اس وقت مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے جب وطن آتے تو ان سے عربی انشاء کی مشق کرتے، اسی ذوق کی بنا پر دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تکمیل ادب میں داخلہ لیا اور مولانا وحید الزماں کیرانوی، مولانا نور عالم خلیل امینی، مولانا معراج الحق صاحب، مولانا قاری محمد عثمان صاحب اور مصری فاضل شیخ عبد اللہ جمعہ رضوان سے خصوصی استفادہ کیا۔

دار العلوم دیوبند سے فضیلت و تکمیل ادب کے علاوہ مولانا نے عربی فارسی بورڈ

سے عالم کا امتحان دیا، اس کے بعد فاضل دینیات اور فاضل ادب کا بھی امتحان دیا۔

تدریسی خدمات:

تکمیل ادب سے فراغت کے بعد مختلف مدارس جامعہ رشیدیہ بھور، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، مدرسہ ضیاء العلوم محمد آباد، جامعہ عربیہ احیاء العلوم وغیرہ میں تدریسی خدمات کا سلسلہ جاری رہا، خصوصاً جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور میں ۱۳؍سال تک رہے اور دورۂ حدیث تک کتابیں پڑھائیں، سات سال تک ناظم تعلیمات بھی رہے، یہاں کے قیام کے دوران اگست ۱۹۹۳ء میں جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کی جانب سے اساتذہ ومبلغین کے لئے عربی زبان وادب اور علوم شرعیہ میں ایک اٹھارہ روزہ تربیتی کورس الدورۃ التدریبیۃ الاولیٰ للمدرسین والدعاۃ کے عنوان سے نئی دہلی میں منعقد ہوا، جس میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کے مندوب کی حیثیت سے شرکت کی اور جامعۃ الامام کے اساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ فی الحال مدرسہ مطلع العلوم بنارس میں بحیثیت شیخ الحدیث تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اصلاحی تعلق دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ سے ہے۔ آپ کے حلقۂ تلمذ میں آنے والے اور استفادہ کرنے والے طلبہ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، جس میں سے چند نام یہ ہیں:

مولانا خالد سعید صاحب: استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارن پور
مولانا مفتی محمد صادق صاحب صدر المدرسین مدرسہ نور الاسلام ولید پور
مولانا مفتی محمد یاسر صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور
مولانا عبد الوافی صاحب نائب ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور

اولاد: پانچ لڑکے (عبد اللہ رضوان [بی کام]، مولوی حافظ عبد اللہ ریحان احیائی، حافظ عبد اللہ فرحان، عبد اللہ حسان مرحوم (م: نومبر ۲۰۱۶ء) حافظ عبد اللہ فوزان، حافظ عبد اللہ حِبان، اور دو لڑکیاں ہیں۔

مولانا مفتی اعجاز احمد صاحب قاسمی

آپ مولانا انوار احمد صاحب قاسمی خیرآبادی کے چھوٹے بھائی ہیں، ایک اچھے مدرس اور مفتی ہیں، ایک طویل عرصہ سے تدریس وافتاء سے وابستہ ہیں۔

نام: اعجاز احمد بن حاجی محمد حنیف بن محمد اسحاق بن محمد عمر (شکاری) بن دل محمد

سن ولادت ۱۹۶۸ء ہے۔ مدرسہ منبع العلوم میں پرائمری درجات کی تکمیل کے بعد ۱۹۸۰ء میں فارسی شروع کی، فارسی دوسال پڑھی، فارسی کے استاذ مولانا محمد ہارون صاحب قاسمی تھے۔ اس کے بعد عربی سوم تک پڑھ کر ۱۹۸۴ء میں مدرسہ دینیہ غازیپور گئے جہاں اس وقت ان کے برادر محترم مولانا انوار احمد صاحب اور استاذی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی درسی خدمات انجام دے رہے تھے، وہاں سے ۱۹۸۶ء [۱۴۰۶ھ] میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ ہفتم میں داخلہ لیا، دوسرے سال ۱۹۸۸ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، دورہ کے بعد افتاء کا ارادہ تھا، اوسط بھی ۴۵؍تھا، لیکن امیدواروں کی کثرت کی وجہ سے مطلوبہ اوسط ہوتے ہوئے بھی داخلہ نہ ہوسکا، تو تکمیل ادب میں داخلہ لیا، لیکن خرابی صحت کی وجہ سے درمیان سال میں گھر آگئے اور اس کی تکمیل نہ ہوسکی۔

تدریس:

فراغت کے بعد سب سے پہلے کچھ دن مدرسہ ضیاء العلوم محمد آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ شرقیہ لونیہ ڈیہہ میں، پھر جامعہ رشیدیہ بھور میں، پھر تقریباً ۱۵؍سال مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج میں، یہاں تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے اور تقریباً ۵۰۰؍فتاویٰ تحریر فرمائے۔ اب تقریباً ۱۲؍سال سے مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد اعظم گڈھ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا محمد افتخار شمسی

نام: محمد افتخار شمسی بن علی حسن صاحب مرحوم [محلّہ پچھّم]

تاریخ ولادت: ۵/ جون ۱۹۶۸ء

ناظرہ قرآن اور پرائمری کی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو میں ہوئی۔ پھر درس نظامی کے لیے اپنے بھائی کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی گئے، اور دو سال وہاں رہ کر مشفق و مہربان اساتذہ کی نگرانی میں اعدادیہ اور اولیٰ کی تعلیم حاصل کی۔ ثانیہ اور ثالثہ کی تعلیم دارالعلوم فیض العلوم محمد آباد گوہنہ مئو میں ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۴ء تک دارالعلوم شمس العلوم گھوسی میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور یہیں سے ۲۴/ ستمبر ۱۹۸۴ء [ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ] میں فراغت حاصل ہوئی۔

فراغت کے بعد دارالعلوم غریب نواز ممبئی میں ایک سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد ممبئی ہی میں اجمیری مسجد شیواجی نگر گوونڈی میں ۱۹۸۶ء سے تا حال امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں سے مولانا محمد عمر صاحب، مولانا قمر الدین اشرفی، مولانا مفتی ظہیر حسن مصباحی، مولانا شمس الضحیٰ صاحب شمس ضیائی رحمہم اللہ تعالیٰ، مولانا محمد احمد مصباحی صاحب ناظمِ تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، مولانا مفتی عبد المنان صاحب، مولانا مفتی محمود اختر صاحب قاضیِ شہر ممبئی، مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب [مشہور مصنف وصاحب قلم]، مولانا عبد الستار صاحب مصباحی، مولانا امجد علی اعظمی صاحب دامت برکاتہم وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حافظ ظہیر الحق قاسمی

نام: ظہیر الحق بن مولانا عبدالحی بن حاجی محمد ابراہیم بن نصر اللہ

مدرسہ منبع العلوم کے ناظم اعلیٰ مولانا حافظ عبدالحی صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ سرکاری کاغذات کے اعتبار سے تاریخ ولادت یکم رجنوری ۱۹۶۹ء ہے، پرائمری پانچ تعلیم مکمل کرنے کے بعد حافظ محمد ادریس صاحبؒ کے یہاں حفظ شروع کیا، اور تقریباً تین سال میں اس کی تکمیل کی۔ اس کے بعد عربی کی تعلیم شروع کی اور ۱۹۹۱ء میں جلالین شریف پڑھ کر دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ ہوا، دوسال رہ کر ۱۹۹۳ء میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی۔

فراغت کے بعد گھریلو کاروبار میں اپنے والد کے معاون و دست راست بنے رہے اور اعزازی طور پر مدرسہ منبع العلوم میں ایک دو گھنٹے پڑھانے کا معمول رہا جو اب تک باقی ہے۔ خیرآباد میں بچیوں کی عربی تعلیم کے لئے کوئی درسگاہ نہیں تھی، اور اس کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی، انھوں نے جامعۃ الزاہدات کے نام سے بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے ۳۱ ردسمبر ۲۰۰۹ء میں ایک ادارہ قائم کیا، دارالعلوم کے سابق استاذ حدیث ونائب مہتمم مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ تادم حیات اس کے سرپرست رہے۔ ادارہ دن بدن ترقی کی جانب گامزن ہے، اس وقت یہاں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے، اس کا تعارف کتاب کے حصۂ اول میں خیرآباد کے اداروں کے ضمن میں آچکا ہے۔

مولانا ظہیر الحق صاحب اس ادارہ کے بانی وناظم ہیں، اس وقت ان کی تمام تر توجہات کا مرکز ومحور یہی ادارہ ہے جس کی ترقی کے لئے شب وروز کوشاں رہتے ہیں۔

مولانا مفتی جاوید اختر خیرآبادی

مولانا مفتی جاوید اختر صاحب مدرسہ منبع العلوم کے مدرس، جامع مسجد خیرآباد کے امام وخطیب، نہایت نیک وصالح اور صاحب ورع وتقویٰ انسان ہیں۔

نام: جاوید اختر بن حاجی نعمان احمد بن حاجی سلامت اللہ بن نور محمد سردار

۳/شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۵/اکتوبر ۱۹۷۰ء کو پیدا ہوئے، گھر کے دیندارانہ ماحول کی وجہ سے شروع سے ہی صلاح کے آثار ظاہر ہونے لگے، والدہ محترمہ کی نگرانی وسختی کی وجہ سے بچپن سے ہی نماز کی مکمل پابندی کرنے لگے۔ ۱۹۷۶ء میں مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوئے، ۱۹۸۱ء میں پرائمری درجہ چار پڑھ کر مدرسہ نورالاسلام ولید پور میں حفظ شروع کیا، وہاں جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ قاری وسیم احمد صاحب خیرآبادی اس وقت وہیں مدرس تھے، وہیں ۱۹۸۴ء میں حفظ مکمل کیا، ایک سال دَور کے لئے حافظ محمد خلیل صاحب کے یہاں بھٹنی رہے۔ ۱۹۸۵ء سے لے کر ۱۹۹۱ء تک فارسی سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اسی دوران تجوید وحدر بھی پڑھی۔

۱۹۹۱ء میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ ہوا، دوسال وہاں رہ کر ۱۹۹۳ء میں فارغ ہوئے۔ دیوبند سے فراغت کے بعد افتاء کے لئے باندہ گئے لیکن اس سال وہاں اس جماعت میں طلبہ نہ تھے تو حضرت قاری صدیق احمد صاحب کے مشورہ سے ریاض العلوم گورینی میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۴ء میں افتاء کی تکمیل کی۔

۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۵ء تک منشی، مولوی، عالم، اور فاضل کا امتحان بھی دیا۔

تدریسی خدمات:

۱۹۹۵ء میں دارالعلوم برئی پور محمد آباد میں شعبہ عربی میں تقرر ہوا، یہاں دوسال رہ کر ۱۹۹۷ء سے ۱۹۹۹ء تک مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں شعبہ حفظ میں رہے ۲۰۰۰ء سے

۲۰۰۵ء تک مرکزی دارالعلوم محمدیہ گھوسی میں شعبہ عربی میں پانچ سال خدمات انجام دیں۔ ۲۰۰۶ء سے تاحال مدرسہ منبع العلوم کے شعبہ عربی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۲۰۰۱ء میں جامع مسجد کے امام حافظ رحمت اللہ صاحب کے اپنی ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے امامت سے مستعفی ہونے کے بعد امامت جمعہ وعیدین کی ذمہ داری دی گئی جس کو اب تک بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ اسی سال ۲۰۰۱ء میں مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ ۲؍جولائی ۲۰۰۴ء مطابق ۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ سے مسجد حضرت ابوایوب انصاریؓ محلہ دکھن میں ہفتہ واری درس قرآن کا آغاز کیا، جو بغیر کسی ناغہ کے ہر جمعہ کو بعد نماز عشاء ہوتا ہے، جس میں مقتدیوں کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی ہے۔ اس پابندی کی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ بارہ سال میں ۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۲؍جنوری ۲۰۱۶ء کو بفضلہٖ تعالیٰ قرآن کا درس مکمل ہوا۔ اس وقت دوسرا دور جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ عزیز الرحمٰن قاسمی

نام: عزیز الرحمٰن بن محمد اسماعیل (محلہ اتراری)

تاریخ ولادت: ۲؍جنوری ۱۹۷۰ء

ابتداء سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ یہاں سے جلالین پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے جہاں شعبان ۱۴۱۰ھ [۱۹۹۰ء] میں دورۂ حدیث سے کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد شوال ۱۴۱۰ھ میں حفظ شروع کیا، اس وقت میں بھی حفظ کررہا تھا، یہ میرے حفظ کے ساتھی ہیں، انھوں نے ایک سال میں حفظ مکمل کرلیا۔

تکمیل حفظ کے بعد شعبۂ حفظ میں ان کی تقرری ہوگئی، اس وقت سے اب تک تقریباً ۳۰؍سال سے خدمت قرآن کریم میں مشغول ہیں۔

مولوی فرید الحق قاسمی

نام: فرید الحق بن حاجی اقبال احمد بن حاجی محمد سلیمان

تاریخ ولادت: یکم رجنوری ۱۹۷۴ء (آدھار کے اعتبار سے، جو اصل سے کئی سال کم ہے)

تعلیم ابتداء سے جلالین (عربی پنجم) تمامتر مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ عربی درجات میں مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری سے خصوصی استفادہ کیا۔ شوال ۱۴۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں دو سال میں عربی ہفتم اور دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۴۱۰ھ (مارچ ۱۹۹۰ء) میں سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد چند ماہ مدرسہ ضیاء العلوم محمد آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد مولانا عبدالعزیز ندوی کے اسکول ہیون گارڈن میں اسلامیات کی تدریس کے لئے مامور ہوئے، اس کے بعد ان کے مدرسہ معہد الرحمہ میں کچھ عرصہ رہے، دونوں کی مدت تین سال کے قریب ہے۔ فی الحال گھریلو کاروباری مصروفیت ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی محمد ہاشم

نام: محمد ہاشم بن حاجی محمد یاسین محلّہ اتراری

تاریخ ولادت: یکم رجنوری ۱۹۷۲ء۔ ان کے والد حاجی محمد یاسین صاحب گاؤں کے سر برآوردہ لوگوں میں سے تھے، ان کے بڑے بھائی مولانا صلاح الدین صاحب فاضل دیوبند ہیں، ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ ابتداء سے عالمیت تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔

شوال ۱۴۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں عربی ہفتم اور دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۴۱۱ھ (۱۹۹۱ء) میں فضیلت کی تکمیل کی، تدریس سے وابستگی نہیں رہی۔

مولوی حافظ نوشاد احمد ندوی

نام: نوشاد احمد بن مقصود احمد بن غفور احمد۔

تاریخ ولادت: یکم/جولائی ۱۹۷۲ء (01-07-1972)

ابتدائی تعلیم پرائمری درجہ پانچ تک مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ تعلیم سے کنارہ کش ہو جائیں گے لیکن قاری وسیم احمد صاحب کی کوشش سے حفظ شروع کیا، انھوں نے دارالعلوم، رسول پور، گورکھپور میں جہاں ان کے استاذ حافظ محمد خلیل صاحب اس وقت تھے، داخلہ کرا دیا اور انھوں نے وہیں حفظ کی تکمیل کی اور دَور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں کیا۔ یہ ۱۹۹۰ء کے آس پاس کی بات ہوگی۔ دور کے بعد عربی تعلیم وہیں شروع کی اور ۱۹۹۷ء میں ندوہ سے ہی عالمیت کی تکمیل کی۔ اس کے بعد سے ان کا مستقل قیام لکھنؤ میں ہے، انھوں نے عالمیت کے بعد درج ذیل امتحانات دیئے:

☆ فاضل: اتر پردیش مدرسہ بورڈ (۲۰۰۰ء) ☆ بی۔اے: لکھنؤ یونیورسٹی (۲۰۰۱ء) ☆ ایم۔اے: لکھنؤ یونیورسٹی (۲۰۰۳ء) ☆ معلم: جامعہ اردو علی گڈھ (۲۰۰۶ء) ☆ ایم سی اے (ماسٹر آف کمپیوٹر اپلیکیشن) یو۔پی۔آر۔ٹی۔او۔یو۔ الہ آباد، اتر پردیش (۲۰۱۲ء) ☆ سی۔سی۔(سرٹی فکیٹ ان کمپیوٹنگ): اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی

۲۰۰۱ء میں ''سلیکان کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ'' کے نام سے لکھنؤ میں کمپیوٹر کی تدریس کیلئے ایک ادارہ قائم کیا جو تا حال جاری ہے، اس سے اب تک سیکڑوں طلباء کمپیوٹر سیکھ چکے ہیں۔ فی الحال ۷/سال سے ''کمپیوٹر آپریٹر/میڈیکل ریکارڈ کلرک'' کی حیثیت سے انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ میں خدمات انجام دے رہے۔ اس کے علاوہ مختلف یونیورسٹیوں اور سرکاری اداروں کے شعبۂ کمپیوٹر سے منسلک رہے اور حسن کارکردگی کی وجہ سے نصف درجن سے زائد ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ کمپیوٹر کی فیلڈ میں ۲۵/سالہ تجربہ رکھتے ہیں، میرے خیال میں اس فیلڈ میں خیرآباد کا کوئی شخص ان کے مقابل تو کیا ان کے قریب بھی نہیں ہے۔

مولوی ضیاء الرحمٰن قاسمی

نام: ضیاء الرحمٰن بن مولانا عبدالحی بن مولانا نذیر احمد بن حاجی رحمت اللہ
سرکاری دستاویز کے اعتبار سے تاریخ ولادت ۳۰/ستمبر ۱۹۷۲ء ہے، لیکن ان کی دادی کے بتانے کے اعتبار سے رمضان ۱۳۹۰ھ [نومبر ۱۹۷۰ء] میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی اسی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس میں مولانا نذیر احمد صاحب، مفتی حبیب الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب جیسے اساطین علم ہوئے ہیں، اس کا تفصیلی تعارف گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ قاعدہ بغدادی، ناظرہ قرآن اور ابتدائی اردو اپنے داداجان مولانا نذیر احمد صاحب سے پڑھی جو اس وقت منبع العلوم میں صدر مدرس تھے۔

پھر درجہ دو پرائمری میں باقاعدہ داخلہ لیا اور جلالین شریف یعنی عربی پنجم تک یہیں تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ، مولانا حافظ عبدالحی صاحب، مولانا محمد اصغر صاحب، مولانا محمد افضل صاحب، مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب، مولانا محمد راشد صاحب وغیرہ ہیں، شعبان ۱۴۰۹ھ میں عربی پنجم کا سالانہ امتحان دیا۔

شوال ۱۴۰۹ھ (مئی ۱۹۸۹ء) میں دارالعلوم دیوبند میں ہفتم میں داخلہ لیا اور شعبان ۱۴۱۱ھ (مارچ ۱۹۹۱ء) میں فارغ ہوئے۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا نصیر احمد خاں صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مفتی سعید احمد صاحب، مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولانا قمر الدین صاحب وغیرہ ہیں۔ فراغت کے بعد گھریلو کاروبار میں مصروف ہوگئے۔ اس دوران الہ آباد بورڈ سے عالم اور فاضل کا امتحان بھی دیا۔ ۲۰۰۸ء میں معاشی تنگی کی وجہ سے بیرون ملک کا سفر کیا اور اب تک بسلسلۂ معاش وہیں مقیم ہیں۔ ان کے درسی ساتھیوں میں مولوی محمد ہاشم اتراری و مولوی فرید الحق صاحب وغیرہ ہیں۔

اولاد: ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی مجیب الرحمٰن قاسمی

نام: مجیب الرحمٰن بن زین العابدین

تاریخ ولادت: یکم/جنوری ۱۹۷۲ء (آدھار کارڈ کے اعتبار سے)

ابتدائی تعلیم سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ کے بعد شعبان ۱۴۱۲ھ (۱۹۹۲ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس وقت مسجد ابوایوب انصاریؓ محلّہ دکھن میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اور اپنے گھریلو کاروبار کی مشغولیت ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ نثار احمد صاحب

نام: نثار احمد بن محمد انصاری بن محمد اسحاق

[سرٹیفکیٹ کے مطابق] فروری ۱۹۷۴ء میں محلّہ اتراری خیرآباد میں پیدا ہوئے۔

مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں پرائمری وحفظ قرآن کریم سے لے کر عالمیت تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں دارالعلوم مئو سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد منشی، کامل، عالم اور فاضل کا امتحان دیا، شبلی کالج اعظم گڈھ سے ایم اے بھی کیا۔ فراغت کے بعد ایک سال دارالعلوم برئی پور میں اعزازی طور پر پڑھایا، اس کے بعد ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ (مارچ ۱۹۹۵ء) سے مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں شعبہ پرائمری میں تقرری ہوئی اور اس وقت سے اب تک تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی شاہد کمال قاسمی

نام: شاہد کمال بن محمد عارف بن میاں جی حافظ محمد عثمان (محلّہ پچھّم)

تاریخ ولادت: یکم رمئی ۱۹۷۴ء

ابتداء سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں سے شعبان ۱۴۱۴ھ (۱۹۹۴ء) میں دورہ حدیث پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی۔اس کے بعد ۱۹۹۵ء میں ایک سال دارالعلوم حیدرآباد میں رہ کر تخصص فی الدعوۃ واللغۃ کا کورس کیا۔فراغت کے بعد بسلسلۂ معاش سعودی عرب چلے گئے، جہاں ابھی ایک عرب کمپنی میں کام کررہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ حفظ الرحمٰن قاسمی

نام: حفظ الرحمٰن بن مولوی نثار احمد بن مولانا محمد یعقوب بن حاجی عبدالعزیز

پرائمری، حفظ، فارسی سے عربی پنجم تک تعلیم گاؤں کے دستور کے مطابق مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں سے مشکوٰۃ اور دورہ کی تکمیل کی، سن فراغت شعبان ۱۴۱۴ھ (۱۹۹۴ء) ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں مطالعہ کا ذوق خوب تھا، منبع العلوم کے ممتاز طلباء میں ان کا شمار تھا، اچھے حفاظ میں سے ہیں، ایک عرصہ تک بازاروالی مسجد میں تراویح سنانے کا معمول رہا ہے۔فراغت کے بعد گھریلو کاروبار میں مصروف ہوگئے۔مولوی شاہد کمال، مولوی خورشید احمد وقاری نیاز احمد صاحبان ان کے درسی ساتھی ہیں۔

مولوی خورشید احمد قاسمی

نام: خورشید احمد بن حاجی محمد خلیل بن محمد ایوب (یادن)

تاریخ ولادت: ۲۴رنومبر۱۹۷۳ء

مولانا شبلی شیداؔ خیرآبادی کے نواسے ہیں، اور اپنے خاندان میں پہلے مولوی ہیں، ان کی والدہ شیداؔ صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ اپنے والد صاحب کی وجہ سے ان کے اندر بھی مطالعہ کا ذوق ہے، ان کی بڑی تمنا تھی کہ میرے بیٹوں میں سے بھی کوئی عالم بنے، ان کی توجہ، کوشش اور دعاؤں کے نتیجے میں انھوں نے دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی۔

خیرآباد کے دستور کے مطابق جب پڑھنے کی عمر ہوئی تو مدرسہ منبع العلوم میں داخل کردیئے گئے، یہاں پرائمری، فارسی اور عربی پنجم تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری، مولانا محمد اصغر صاحب، مولانا افضل صاحب، مولانا ضیاء الدین صاحب مولانا فضل حق صاحب، مولانا محمد زاہد صاحب، مولانا محمد ہارون صاحب، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی صاحب، مولانا محمد راشد صاحب وغیرہ ہیں۔

یہاں سے جلالین پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں شوال ۱۴۱۲ھ (اپریل ۱۹۹۲ء) میں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۴۱۴ھ (جنوری ۱۹۹۴ء) میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف مولانا نصیر احمد خاں صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب اعظمی علیہما الرحمہ سے پڑھی۔

فراغت کے بعد والدین کے ضعف اور بھائیوں کی علیٰحدگی کی وجہ سے گھر کا کاروبار سنبھالنا پڑا جس کی وجہ سے تعلیم وتدریس سے وابستگی نہ رہ سکی، باقی کتابیں جمع کرنے اور مطالعہ کا ذوق وشوق اب بھی باقی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ شفیق الزماں قاسمی

نام: شفیق الزماں بن نثار احمد بن حاجی حمید اللہ (محلّہ اتراری)

تاریخ ولادت: ۵/مارچ ۱۹۷۴ء

پرائمری، حفظ قرآن کریم اور فارسی وعربی پنجم تک مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کر کے شوال ۱۴۱۵ھ (مارچ ۱۹۹۵ء) دیوبند گئے، جہاں عربی ہفتم میں داخلہ لیا، اور اگلے سال دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۴۱۷ھ (دسمبر ۱۹۹۶ء) میں فضیلت کی تکمیل کی۔ فضیلت کے بعد شوال ۱۴۱۷ھ (فروری ۱۹۹۷ء) سے اب تک مدرسہ منبع العلوم کے شعبۂ پرائمری میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ صادق عیاض قاسمی

نام: صادق عیاض بن قاری نذیر احمد بن حافظ رحمت اللہ (امام صاحب)

ان کا تعلق خیرآباد کے اس مشہور خانوادے سے ہے جس میں سے امام حافظ رحمت اللہ صاحب، ان کے صاحبزادگان اور دیگر حضرات کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ انھوں نے پرائمری اور حفظ سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے جہاں دوسال ہفتم اور دورۂ حدیث پڑھا۔ سن فراغت شعبان ۱۴۱۷ھ (دسمبر ۱۹۹۶ء) ہے، یہ مولوی حافظ شفیق الزماں کے درسی ساتھی ہیں۔ اس وقت اپنے چچا مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی کے قائم کردہ اسکول ہیون گارڈن میں ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ منظور الحق قاسمی

نام: منظور الحق بن حاجی عبدالرحمٰن بن حاجی محمد ابراہیم بن نصر اللہ

میرے بڑے بھائی ہیں، تاریخ پیدائش صحیح معلوم نہیں، لیکن والدہ کے بتانے کے اعتبار سے وہ مجھ سے چار سال بڑے ہیں، اس لئے ان کا سن پیدائش یقینی طور پر ۱۹۷۱ء ہوگا، اس لئے کہ میری تاریخ پیدائش ۴/اکتوبر ۱۹۷۵ء ہے، اور مجھ سے دو سال بڑی ایک بہن ہے۔ ان کے آدھار اور پاسپورٹ کے مطابق تاریخ پیدائش یکم/جنوری ۱۹۷۵ء ہے۔

گھریلو حالات کے لئے تینوں چچا پر لکھے گئے مضامین کافی ہیں۔ تعلیم از ابتدا تا عربی پنجم مع حفظ قرآن کریم مادر علمی مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ پرائمری کے ابتدائی اساتذہ میں حافظ محمد شریفؒ و حافظ محمد امینؒ صاحبان ہیں۔ درجہ ایک میں کچھ دن مولانا انوار احمد صاحب خیرآبادی سے بھی پڑھا۔ پرائمری چہارم پنجم میں ماسٹر محمد صابر صاحب ولید پوری استاذ تھے جن کا طریقہ تعلیم بیحد عمدہ تھا، حساب کے پیچیدہ مسائل انتہائی سہل انداز میں سمجھا دیتے تھے۔ مطالعہ کا ذوق ابتداء ہی سے تھا، اسی زمانے سے باقاعدہ لائبریری آنا جانا شروع ہوگیا تھا جس نے لکھنے پڑھنے کے شوق کو جلا بخشی۔

حفظ کے استاذ حضرت قاری وسیم احمد صاحب ادام اللہ فیوضہم ہیں، جن کی قرآن کریم کی خدمت کا سلسلہ ایک طویل عرصہ سے جاری ہے۔ ۱۹۸۴ء میں حفظ شروع کیا، اس وقت حضرت قاری صاحب پرائمری درجہ دوم کے استاذ تھے، بھائی جان کے ساتھ تین چار لڑکے اور تھے، پہلے سال میں ان لوگوں نے پرائمری والوں کے ساتھ ہی پڑھا، پھر دوسرے سال قاری صاحب باقاعدہ حفظ کے استاذ مقرر ہوئے۔ حفظ کی تکمیل ۱۹۸۷ء میں ہوئی۔

عربی اول سے پنجم تک کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری علیہ الرحمہ اس وقت صدر مدرس تھے، جن سے تقریباً ہر سال ایک کتاب وابستہ رہی۔ پنجم میں دیوان متنبّی پڑھاتے ہوئے زیادہ بیمار ہوئے اور تعلیمی سلسلہ درمیان میں ہی منقطع ہوگیا تو ششماہی امتحان سے کچھ پہلے حضرت مولانا افضل حسین صاحب [موجودہ استاذ دارالعلوم دیوبند] نے متنبّی کے اسباق مکمل کرائے، عربی کے دیگر اساتذہ میں مولانا فضل حق صاحب عارف، مولانا محمد اصغر صاحب، مولانا ضیاء الدین صاحب، عم محترم مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی، مولانا محمد راشد صاحب اور مولانا محمد ہارون صاحب ادام اللہ فیوضھم ہیں، جن کے علمی فیوض وبرکات سے ایک دنیا سیراب ہورہی ہے۔

۹۳/۱۹۹۲ء میں جلالین شریف پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں دوسال رہ کر مشکوٰۃ ودورۂ حدیث پڑھ کر ۱۹۹۴ء میں فراغت حاصل کی۔

دارلعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد گھر کی معاشی حالت کو دیکھتے ہوئے تعلیم و تدریس کے بجائے گھر کے کاروبار کو ترجیح دی، لیکن بارگاہ خداوندی سے قرآن کریم کی کچھ خدمت کے لئے ان کا انتخاب ہوگیا۔ ایک روز اچانک عم محترم مولانا عبدالحی صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد نے ان سے کہا کہ تمہیں درجہ حفظ میں عارضی طور پر پڑھانا ہے، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ ایک استاذ درمیان میں ہی چلے گئے، اس لئے سالانہ امتحان تک کسی استاذ کی ضرورت تھی۔ سالانہ امتحان کے بعد اساتذہ کرام کے حکم سے باضابطہ پڑھانے کے لئے درخواست دے دی جو منظور کرلی گئی اور یوں ۲۰۰۵ء تک یہ تدریسی سلسلہ چلتا رہا، اس دوران اپنے فطری ادبی ذوق کی وجہ سے انجمن اصلاح اللسان کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے رہے اور طلبہ کی رہنمائی کرتے رہے، بلکہ اساتذہ نے اس کا صدر بھی بنادیا تھا۔

۲۰۰۵ء کے اخیر میں بسلسلۂ معاش سعودی عرب کا سفر ہوا، جہاں ۲۰۱۸ء تک قیام رہا، اس کے بعد سے اب تک گھر ہی پر ہیں اور اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔

اولاد: دولڑکے مولوی محمد احمد وحافظ محمد ثانی اور ایک لڑکی ہے۔

مولوی محمد مہدی خیرآبادی

نام: محمد مہدی بن فیاض حسین بن علی حسین مرحوم
تاریخ ولادت: یکم/جنوری ۱۹۷۵ء

ابتدائی تعلیم اپنے مکتب امامیہ (امام باڑہ خیرآباد) میں حاصل کی، اس کے بعد فارسی کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں مولانا محمد ہارون صاحب سے، گلستاں و بوستاں مولانا فضل حق صاحب سے پڑھی۔ عربی تعلیم میں مرقات اور دیوان متنبّی مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی سے پڑھی، اس کے علاوہ بھی مزید کچھ کتابیں مولانا سے پڑھیں۔

اس کے بعد مدرسہ باب العلم مبارکپور چلے گئے اور شرائع الاسلام (فقہ امامیہ) و دیگر کتابیں پڑھ کر لکھنؤ مدرسہ نظامیہ (نخاس) سے ۱۹۹۷ء میں فراغت حاصل کر کے ممتاز الافاضل کی سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد جامعہ حیدریہ خیرآباد میں تدریس سے منسلک ہو گئے، پڑھنے کے زمانہ سے تقریر و خطابت کا شوق اور اس سے دلچسپی ہے، مجالس میں تقریر کرتے رہتے ہیں، بڑے خلیق انسان ہیں، اپنے اساتذہ کی بڑی قدر کرتے ہیں، خاص کر مولانا ضیاء الدین صاحب کا بے حد ادب اور احترام کرتے ہیں۔ خرابیٔ صحت کی وجہ سے عربی تدریس سے خود کو الگ کر لیا، فی الوقت امام باڑہ حیدریہ میں خیرآباد میں ابتدائی درجات کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں۔

مولانا منہال رضا خیرآبادی

نام: منہال رضا ابن ناظم علی بن الحاج کاظم حسین بن الحاج ہدایت اللہ
تاریخ ولادت: ۱۹/اگست ۱۹۷۵ء 1975-08-19)

خیرآباد کے مشہور شیعہ عالم مولانا ناظم علی صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں، ابتدائی تعلیم مکتب امامیہ خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ امامیہ تنظیم المکاتب لکھنؤ میں ۸/سال تعلیم حاصل کی، وہاں سے نہائی تعلیم کے لئے حوزہ علمیہ، قم، ایران گئے جہاں ۸/سال تعلیم حاصل کی، فراغت یہیں سے ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔ اس کے علاوہ الہ آباد عربی بورڈ کے تمام امتحانات دئے اور اس کی سندیں حاصل کیں۔ مزید کمپیوٹر ڈپلوما، اور عربی واردو ڈپلوما کیا۔

۲۰۰۱ء سے مدرسہ مدینۃ العلوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ نے فقہ واصول فقہ میں تخصص کیا ہے اور عموماً اسی موضوع کی کتابیں زیر درس رہتی ہیں۔ تدریس کے ساتھ تبلیغ اور تصنیف تالیف کا سلسلہ بھی رہتا ہے۔ آپ کی تصنیفات میں ''علم حدیث ودرایۃ''، ''بہارِ زندگی'' اور آداب زیارت ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۱/کتابوں کا ترجمہ اور ۸/کتابوں کی تصحیح کر چکے ہیں، ۲۰۰/ سے زائد مقالات مختلف رسائل ومجلّات میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولوی فیض احمد خیرآبادی

نام: فیض احمد بن حاجی ارشاد احمد بن حاجی بشیر احمد لیڈر (محلّہ دکھن)

تاریخ ولادت: ۱۸/اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ ابتدائی تعلیم مکتب سے لے کر درجہ عربی پنجم تک مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ شوال ۱۴۱۷ھ (۱۹۹۷ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، لیکن فضیلت کی تکمیل ۱۹۹۸ء میں دارالعلوم مئو سے کی۔ فی الحال پندرہ سال سے اقراء پبلک اسکول خیرآباد میں تدریس سے منسلک ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی نعیم ارشد قاسمی

نام: نعیم ارشد بن ڈاکٹر حفظ الرحمٰن بابو بن مشتاق احمد بن حاجی عبدالجبار

مکتب سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ اس کے بعد دو سال دارالعلوم دیوبند میں رہ کر مشکوٰۃ شریف اور دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی، میرے درسی ساتھی ہیں، فراغت شعبان ۱۴۱۹ھ (دسمبر ۱۹۹۸ء) میں دارالعلوم دیوبند سے ہوئی۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ طاہر ظفر قاسمی

نام: طاہر ظفر بن حافظ زین العابدین بن حافظ امیر احمد

میرے درسی ساتھی ہیں، ان کی بھی ابتداء سے عربی پنجم تک مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ شوال ۱۴۱۷ھ (فروری ۱۹۹۷ء) میں فضیلت کے لئے دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف اور دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۴۱۹ھ (دسمبر ۱۹۹۸ء) میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ اس وقت سعودی عرب میں ہیں۔

مولانا حافظ فیضان الحق قاسمی

نام: فیضان الحق بن حاجی اقبال احمد بن حاجی محمد سلیمان

تاریخ ولادت: ۱۰/مارچ ۱۹۷۶ء [سرکاری کاغذات کے اعتبار سے]

میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں، ان کی والدہ کی بڑی آرزو اور تمنا تھی کہ میرے متعدد بھائی اور بھتیجے حافظ ہیں، کاش کہ میری بھی کوئی اولاد حافظ ہوتی، ان کی دعا اور توجہ رنگ لائی اور یہ نہ صرف بہترین حافظ قرآن ہوئے بلکہ حفظ کے نہایت لائق وفائق استاذ ہوئے، نہ جانے کتنے طلبہ ان کے فیضانِ توجہ سے بہترین حافظ اور عربی لہجہ میں قرآن پڑھنے والے بنے۔

ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ ۱۹۸۷ء میں پرائمری کی تعلیم مکمل کر کے استاذ محترم قاری وسیم احمد صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا، حفظ اور دور کی تکمیل کے بعد ۱۹۹۱ء میں فارسی مولانا محمد ہارون صاحب سے پڑھی۔ شعبان ۱۴۱۸ھ [دسمبر ۱۹۹۷ء] میں عربی پنجم کا امتحان دیا، اور شوال ۱۴۱۸ھ [فروری ۱۹۹۸ء] میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ ہوا۔ شعبان ۱۴۲۰ھ [نومبر ۱۹۹۹ء] میں دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی، اور الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم اور فاضل کا امتحان بھی دیا۔

چونکہ قرآن کریم سے ان کو خاص شغف تھا، اس لئے فراغت کے بعد شوال ۱۴۲۰ھ [جنوری ۲۰۰۰ء] میں مدرسہ منبع العلوم کے ارباب انتظام نے شعبۂ حفظ میں ان کو استاذ رکھ لیا، اور یہ اپنی محنت اور حسن کارکردگی کی وجہ سے ان کے معیار پر پورے اترے۔ ۹/ سال خدمت قرآن کے بعد اپنے معاشی مسائل کی وجہ سے جولائی ۲۰۰۹ء میں مستعفی ہو کر سعودی عرب چلے جہاں تا حال اپنی ملازمت پر ہیں، مجھ سے خاص ربط وتعلق ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا قاری نیاز احمد قاسمی

قاری نیاز احمد صاحب خیرآباد کے ایک متحرک وفعال شخص ہیں، آپ کے دادا حکیم ہدایت اللہ صاحب (وفات: ۲۰؍فروری ۱۹۷۰ء/۱۳؍ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ، جمعہ) خیرآباد کے ایک معروف شخص اور حاذق حکیم تھے، گاؤں میں ان کی ایک حیثیت اور اہمیت تھی، مریضوں کا بکثرت رجوع ان کی طرف تھا۔ قاری صاحب ۲۵؍سال سے جامعہ حسینیہ جون پور میں مدرس ہیں، تجوید وقرأت کی تدریس سے قرآن کریم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ سماجی ورفاہی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، جون پور میں ان کی سرپرستی ونگرانی میں سیرت النبی وسیرت صحابہ کے جلسے منعقد ہوتے ہیں۔

۲۰۰۴ء میں خیرآباد میں ''انجمن تقویۃ الایمان'' کے نام سے ایک کمیٹی کی تشکیل کی، جس کے زیر اہتمام کئی عظیم الشان اجلاس اور سالانہ حج تربیتی کیمپ منعقد ہوتا ہے، جس میں اطراف وجوانب کے حجاج کی اچھی خاصی تعداد شریک ہوکر مستفید ہوتی ہے۔

نام: نیاز احمد بن حاجی محمد احمد بن حکیم ہدایت اللہ بن نعمت اللہ

۲۴؍جون ۱۹۷۶ء کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم عم پارہ تک گھر پر ہی حاصل کی، اس کے بعد درجۂ اطفال وپرائمری پانچ، اور فارسی سے عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ حسینیہ جون پور میں عربی چہارم وپنجم پڑھ کر دارالعلوم دیوبند موقوف علیہ میں داخلہ لیا۔ جہاں سے شعبان ۱۴۱۴ھ (جنوری ۱۹۹۴ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد سے تاحال جامعہ حسینیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کے فیوض وبرکات خیرآباد سے جون پور تک عام ہیں۔

مولوی قاری محمد طاہر قاسمی

نام: طاہر ظفر بن مولانا امتیاز احمد بن حاجی محمد یاسین ۔محلّہ اٹھوریا

تاریخ پیدائش: یکم رجنوری ۱۹۷۷ء ۔ان کے والد مولانا امتیاز احمد صاحب خیرآباد کے ممتاز علماء میں سے تھے، گزشتہ صفحات میں ان کا مفصل تذکرہ موجود ہے ۔ابتداء سے عربی پنجم تک مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کی ،اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں عربی ہفتم میں داخلہ لیا،اور دوسرے سال دورۂ حدیث سے شعبان ۱۴۱۶ھ (جنوری ۱۹۹۶ء) میں فراغت حاصل کی ۔اس کے بعد ممبئی، محمد پور اعظم گڈھ اور ضیاء العلوم محمد آباد میں تدریسی خدمات انجام دی،اس وقت دبئی میں برسر روزگار ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی سرور محمود قاسمی

نام: سرور محمود بن حافظ محمد مبین بن عبدالحق بن عبدالرشید

مولوی محمد طاہر قاسمی کے درسی ساتھی ہیں، خیرآباد کے عمومی دستور کے مطابق جب سن شعور کو پہنچے تو مدرسہ منبع العلوم میں داخل کئے گئے، پرائمری سے لے کر عربی پنجم تک کی تعلیم یہیں حاصل کی ۔شوال ۱۴۱۴ھ (مارچ ۱۹۹۴ء) میں دارالعلوم دیوبند میں عربی ہفتم میں داخلہ لیا، اور وہاں دوسال رہے، شعبان ۱۴۱۶ھ (جنوری ۱۹۹۶ء) میں دورہ سے فراغت حاصل کی ۔فراغت کے بعد تدریس سے وابستگی نہ رہی، گھریلو کاروبار میں مصروف رہے اور پھر بسلسلۂ معاش ایک عرصہ سعودی عرب میں رہے، فی الحال گھر پر ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا مفتی ظہیر احسن قاسمی

نام: ظہیر احسن بن عبید الرحمٰن بن بشیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ بن معین الدین

مولانا ظہیر احسن صاحب میرے درسی ساتھی اور بے تکلف دوستوں میں سے ہیں، دیوبند میں ہم دونوں کا کمرہ کا بھی بالکل متصل تھا، میں رواق خالد ۵۵ نمبر میں اور وہ ۵۶ نمبر کمرہ میں رہتے تھے، اس لئے ہر وقت کا ساتھ تھا، صلاحیت اور صالحیت دونوں کے جامع، خیرآباد کے اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو مولانا نذیر احمد صاحب اور ان کے عالی قدر صاحبزادگان و بھتیجوں کی وجہ سے علمی دنیا میں اپنی ایک شناخت اور پہچان رکھتا ہے، ان کے والد ماجد خود ایک بڑے عالم تھے، ان کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

موصوف کی ولادت ۲۱/ ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۲/ دسمبر ۱۹۷۷ء جمعہ و سنیچر کی درمیانی شب میں سوا چھ بجے بعد نماز مغرب ہوئی، یہ تاریخ ان کے والد ماجد کی ڈائری میں لکھی ہوئی ہے، سرکاری کاغذات میں یکم/جنوری ۱۹۸۱ء ہے، ویسے اکثر سرکاری کاغذات میں لوگ یکم جنوری کو ہی پیدا ہوتے نظر آئے ہیں۔ قاعدہ بغدادی گھر پر چچا جان اور بہنوں سے پڑھا، پھر کچھ دنوں والد صاحب نے غیر رسمی طور پر قاری وسیم احمد صاحب کے حوالہ کر دیا پھر وہاں سے باقاعدہ طور پر درجہ ایک پرائمری میں داخل ہوئے، درجہ پانچ پاس کرنے کے بعد فارسی میں داخل ہوئے اور مولانا محمد ہارون صاحب سے فارسی پڑھی۔ نوعمری کا دور تھا، بے توجہی کی وجہ سے نمبرات کم آئے تو ناظم مدرسہ مولانا حافظ عبدالحی صاحب نے تنبیہ کی اور کہا کہ اپنے خاندان کے علماء کو دیکھو، ان کی نسبت کا لحاظ کرو اور یہ نمبرات دیکھو، کہتے ہیں کہ ''ناظم صاحب کی یہ نصیحت کان کے راستے دل میں اتر گئی اور اس کے بعد ایک نئی لگن،

دُھن اور جذبے کے ساتھ حصول علم میں لگ گیا۔'' تمام کتابوں کا مطالعہ و مذاکرہ معمول سا بن گیا، ہر درجہ میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، عربی پنجم تک تعلیم اسی نیک نامی کے ساتھ پوری کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد عثمان صاحب ساحرؔ، مولانا حافظ عبدالحی صاحب، مولانا محمد اصغر صاحب، مولانا فضل حق صاحب، مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی، مولانا محمد راشد صاحب اور مولانا محمد زاہد صاحب وغیرہ ہیں۔

دوران طالب علمی تقریر وغیرہ سے کم دلچسپی رہی، مولانا ضیاء الدین صاحب کی توجہ سے تحریر سے قدرے لگاؤ رہا، ''الروضہ'' عربی کے ایڈیٹر بھی رہے، قاری وسیم احمد صاحب کے فیض توجہ سے رمضان کی تعطیل میں تبلیغی جماعت میں بھی جانا ہوتا رہا۔

عربی پنجم کے بعد ۴؍شوال ۱۴۱۷ھ کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ امتحان کے لئے صاحب تذکرہ سمیت ہم ۸؍طلبہ کا قافلہ بنارس سے ہمگری ایکسپریس بنارس سے سہارنپور اور وہاں سے دیوبند پہنچا، الحمدللہ ایک کے سوا سب کا داخلہ دیوبند میں ہوگیا۔ دیوبند میں مفتی حبیب الرحمٰن صاحب کی نسبت کی وجہ سے مولانا ظہیر احسن کو سبھی اساتذہ کی خصوصی توجہ حاصل تھی، ہفتم کے سال وہ قاری صدیق احمد صاحبؒ کی زیارت کے لئے باندہ بھی گئے جہاں ان کے والد اس وقت مدرس تھے، حضرت قاری صاحب کی دعائیں حاصل کیں۔ دیوبند میں بھی پوری یکسوئی کے ساتھ تعلیم میں منہمک رہے۔ دورے کے سال اکثر بخاری شریف جلد ثانی کی عبارت بھی پڑھتے تھے، دورہ کے ساتھیوں میں مفتی مزمل بدایونی، مفتی فہیم الدین بجنوری و مفتی عمران اللہ غازی آبادی وغیرہ اس وقت دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہیں۔

۱۹۹۸ء میں دورہ سے فراغت کے بعد ایک سال تکمیل تفسیر اور ایک سال شعبۂ افتاء میں رہے ۲۰۰۱ء میں مفتی حبیب الرحمٰن صاحب نے قضاء کے طریقۂ کار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے دہلی دارالقضاء میں قاضی محمد کامل صاحب کے پاس بھیج دیا، جہاں ان کی نگرانی میں رہ کر چند ماہ مقدمات اور اس کے فیصلے کو بغور دیکھتے رہے، پھر دیوبند واپس آگئے اور سال کا بقیہ مفتی صاحب کے پاس گزارا۔

تدریس:

۲۰۰۲ء میں مفتی صاحب نے تدریس کے لئے مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ گیا بھیج دیا، یہ وہی مدرسہ ہے جہاں کسی زمانے میں مولانا ارشد مدنی صاحب اور قاری محمد عثمان صاحب تدریسی خدمات انجام دے چکے تھے۔ یہاں نہایت نیک نامی کے ساتھ تین سال رہے، ابتدائی درجات سے لےکر عربی چہارم تک کی کتابیں زیر درس رہیں۔ انجمن کے پلیٹ فارم سے طلبہ کے اندر تحریری وتقریری ذوق پیدا کیا، خود بھی یہیں سے تقریر سے دلچسپی پیدا ہوئی، یہاں کے مہتمم قاری معین الدین صاحب ان کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اپنے ہمراہ جلسوں میں لے جاکر تقریر کراتے تھے جس کی وجہ سے یہ بھی ایک اچھے مقرر بن گئے۔

۲۰۰۴ء میں مفتی صاحب کی ایماء پر میرٹھ کے تاریخی قصبہ اَجراڑہ کے مدرسہ گلزار حسینیہ میں آگئے، اس کے مہتمم اس علاقہ کے معروف عالم مولانا عبداللہ مغیثی صاحب ہیں۔ یہاں القرأۃ الواضحہ اور ہدایۃ النحو سے لےکر دورہ حدیث تک کی کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی، ۲۰۱۲ء سے بخاری شریف جلد ثانی پڑھا رہے ہیں، اسی کے ساتھ صدر مفتی اور فتویٰ نویسی کی خدمت بھی آپ کے ذمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا خاص فضل آپ کے ساتھ ہے، علاقہ کے اصلاحی جلسوں اور تقریبات میں بھی حصہ لیتے ہیں اور کسی نہ کسی حد تک تحریری مشغلہ بھی رہتا ہے، اس وقت مدرسہ کے نائب ناظم تعلیمات، نائب شیخ الحدیث اور صدر مفتی ہیں۔

تالیفات:

راہ نجات [یہ ایک عربی رسالہ ’’کیف نربی اولادنا‘‘ کا ترجمہ ہے۔] جو مولانا ضیاء الدین صاحب کی ایما پر کیا گیا۔ خطب شہید مع فضائل ومسائل [اس میں جمعہ وعیدین کے خطبات مع ان کے فضائل ومسائل جمع کئے گئے ہیں] **الفوائد الظهيرية شرح القواعد الفقهية**، فتاویٰ حبیبیہ [مجموعہ فتاویٰ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب] کے مسائل کی تخریج۔

ماشاءاللہ اس طرح ان کا علمی فیضان اور خاندانی روایات کی پاسداری جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا مفتی ابوذر خیرآبادی

حافظ زین العابدین صاحب [محلّہ پچھّم خیرآباد] کے لڑکے ہیں، ان کے دادا، والد اور سبھی بھائی ماشاءاللہ حافظ قرآن ہیں، اس خاندان میں حفظ قرآن سے خاص شغف ہے۔

نام: ابوذر بن حافظ زین العابدین بن حافظ امیر احمد

تاریخ ولادت: ۱۵/اگست ۱۹۷۸ء (سٹیفکیٹ کے مطابق)

ابتداء سے جلالین شریف تک مکمل تعلیم منبع العلوم میں حاصل کی۔ ۱۹۸۸ء میں پرائمری کی تعلیم مکمل کر کے حافظ محمد ادریس صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا۔ حفظ کی تکمیل کے بعد ۱۹۹۲ء میں فارسی شروع کی، شعبان ۱۴۱۸ھ [۱۹۹۸ء] میں عربی پنجم مکمل کر کے شوال ۱۴۱۸ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ شریف میں داخلہ لیا اور ۱۹۹۹ء میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد ۲۰۰۰ء و ۲۰۰۱ء میں تکمیل ادب عربی اور تکمیل افتاء کیا۔

تدریس:

فراغت کے بعد تقریباً ۷/ ماہ مدرسہ دعوۃ الحق دوست پور ضلع سلطان پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۲۰۰۳/۴ء میں دو سال جامعہ رشیدیہ بھور میں رہے۔ ۲۰۰۴ء کے اخیر میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور آ گئے، جہاں اکتوبر ۲۰۱۸ء تک تقریباً ۱۴/سال تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد یکم نومبر ۲۰۱۸ء سے تا حال مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں مدرس ہیں۔ فلسفہ کے علاوہ تمام فنون کی کتابیں زیر درس رہی ہیں۔ تحریر کا بھی ذوق ہے، لیکن تدریسی مصروفیات کے باعث اس جانب زیادہ توجہ نہ ہو سکی۔

مدرسہ منبع العلوم کی مسجد کے امام وخطیب ہیں، خطبہ سے پہلے بیان کا معمول ہے۔

☆☆☆☆☆

مولانا صادق اختر قاسمی

نام: صادق اختر بن حافظ شمشیر احمد بن عبداللہ مرحوم عرف بیچو۔

۲۸/نومبر ۱۹۷۸ء کو محلہ پچھّم خیرآباد میں حافظ شمشیر صاحب کے یہاں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم از مکتب تا پرائمری پنجم و فارسی و عربی پنجم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی، یہاں سے جلالین شریف پڑھ کر دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

تعلیم کا آغاز یعنی بسم اللہ حافظ شریف احمد صاحبؒ کے پاس ہوئی۔ شعبان ۱۴۰۹ھ (مارچ ۱۹۸۹ء) میں پرائمری کی تکمیل کی۔ درجات پرائمری کے اساتذہ یہ ہیں:

ماسٹر شفیع احمد صاحب بھیرویؒ، ماسٹر محمد اختر صاحب بھیرویؒ، مولانا بدرالدین صاحب خیرآبادی ماسٹر مجیب الحق صاحب مدھے پوری، مولانا نظام الدین صاحب کرہائیؒ، مولانا مشتاق صاحب کوپا گنجیؒ وغیرہ ہیں۔

خاندان میں اب تک کوئی عالم نہیں ہوا تھا، والد محترم جو حافظ قرآن تھے، ان کو شوق تھا کہ بیٹے کو عالم دین بنائیں گے، چنانچہ پرائمری کے بعد شوال ۱۴۰۹ھ (مئی ۱۹۸۹ء) درجہ فارسی میں داخلہ کرایا۔ فارسی اول کی مکمل تعلیم مولانا محمد ہارون صاحب قاسمی نئی بازار کرہاں سے حاصل کی، اور فارسی دوم کی کتابیں مولانا ضیاء الدین صاحب ندوی قاسمی، مولانا فضل حق صاحب عارف خیرآبادی اور مولانا ہارون صاحب قاسمی سے پڑھیں۔ تقریر وتحریر کے میدان میں مولانا ضیاء الدین صاحب کی توجہ سے کچھ لکھنے اور بولنے کا سلیقہ آیا۔

دیگر اساتذہ میں مولانا زاہد صاحبؒ، مولانا اصغر صاحب قاسمی، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عثمان صاحب ساحر مبارکپوری، مولانا راشد صاحب قاسمی خیرابادی، مولانا محمد افضل صاحب قاسمی اور مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی ہیں۔

منبع العلوم کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتا تھا، فارسی سے لے کر پنجم تک ہر جماعت میں اول دوم سوم میں سے کوئی نہ کوئی پوزیشن ضرور آتی تھی، انجمن اصلاح اللسان کے تحریری وتقریری پروگرام اور مسابقۂ بیت بازی وغیرہ میں شرکت کے ساتھ طلبہ کے جداری رسالہ میں اردو عربی زبان میں مضامین لکھنے کا سلسلہ بھی رہتا تھا، اسی ابتدائی وبنیادی محنت کا ثمرہ ہے کہ آج بھی کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ جاری ہے جن میں سے اکثر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور میں شائع ہوئے ہیں۔

عربی پنجم سے فراغت کے بعد ۱۹۹۶ء میں اپنے رفقاء درس مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرابادی۔ مولانا ضیاء الرحمٰن ولید پوری مولانا معین اختر ولید پوری مولا عبداللہ حسامی بھیروی اور مولانا ارشد کرہانی وغیرہ کی معیت میں دارالعلوم دیوبند کے لئے سفر کیا اور دوسال ہفتم اور دورہ کر کے وہاں سے ۱۹۹۷ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

تدریس:

۱۹۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ مخزن العلوم دلدارنگر غازیپور میں شعبہ عربی میں تقرر ہوگیا جہاں دوسال تک گلستاں، بوستاں، نحومیر سے لے کر قدوری، نفحۃ العرب اور شرح وقایہ وغیرہ کتابیں زیر درس رہیں، اس کے بعد جامعہ قاسم العلوم الاسلامیہ کچہری والی مسجد محمد علی روڈ مرادآباد میں دوسال رہے، جہاں جلالین ومشکوٰۃ وغیرہ بھی زیر درس رہیں، کچھ عرصہ جامعہ قاسمیہ جامع الہدیٰ قصبہ کھاری ضلع بجنور میں بحیثیت عربی استاذ تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر وہاں سے مفتی راشد صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند کے مشورے اور مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے حکم پر جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور ضلع سورت گجرات منتقل ہوگئے، جہاں تقریباً ۱۷ سال سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھا رہے ہیں، فی الحال مسلم شریف ثانی، ترمذی شریف اول، نسائی شریف، مشکوٰۃ شریف نصف اول، جلالین شریف ثلث ثالث اور سراجی۔ زیر درس ہیں، اس کے علاوہ ششم سے دورہ تک کی اکثر کتابیں پڑھا چکے ہیں۔

ایک اچھے مقرر بھی ہیں۔ جلسہ وغیرہ میں شرکت بھی ہوتی ہے گاؤں میں بھی بیان ہوتے رہتے ہیں، محلّہ پچھّم خیر آباد کی نئی عیدگاہ میں انہیں کا بیان ہوتا ہے۔ اپنی محنت اور شوق سے دوران تدریس رفتہ رفتہ قرآن کا کچھ حصہ یاد کر کے بعض شاگردوں کو سناتے رہے، اس طرح حفظ قرآن مکمل ہوگیا، باری تعالیٰ اس میں پختگی اور کمال ودوام عطا فرمائیں۔

تصنیف وتالیف کا بھی ذوق رکھتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ایک کتاب ''عظمت علم وعلماء'' ہے جو منصۂ شہود پر آچکی ہے۔ ابن حمزہ دمشقی کی البیان والتعریف فی اسباب ورود الاحادیث کا ترجمہ بھی کیا ہے، لیکن ابھی شائع نہیں ہوا ہے اس کا مسودہ تیار ہے۔ الانسان الکامل جو سید محمد مالکی کی تالیف کردہ ہے اس کا بھی ترجمہ جاری ہے لیکن ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کو آسان فرمائیں اور تمام خدمات کو قبول فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ نظر عالم قاسمی

نام: نظر عالم بن شمس الحسن (محلّہ اتراری)

تاریخ ولادت: یکم/جنوری ۱۹۷۸ء

خیر آباد کے دستور کے مطابق پرائمری، حفظ، اور فارسی سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیر آباد میں حاصل کی۔ یہاں سے جلالین پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے جہاں ۲۰۰۲ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ درس نظامی کے علاوہ منشی، کامل، مولوی، عالم، فاضل وغیرہ کے امتحانات دیئے۔

فراغت کے بعد چار سال تک مدرسہ عبیدیہ، کوٹواری، رسڑا ضلع بلیا اور چھ سال مدرسہ ضیاء العلوم پورہ معروف میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد فی الحال گھر پر ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا اظہر محمود قاسمی

نام: اظہر محمود بن حاجی عبدالمتین بن عبدالحق بن عبدالرشید

تاریخ ولادت: ۱۵/ جولائی ۱۹۷۸ء۔ ۱۹۸۹ء میں پرائمری تعلیم کی تکمیل کے بعد درجہ حفظ میں داخلہ لیا، حفظ کے استاذ حافظ محمد ادریس صاحب تھے۔ حفظ کی تکمیل کے بعد عربی تعلیم شروع کی اور ۲۰۰۰ء میں جلالین پڑھ کر دیو بند اور وہاں دو سال مشکوٰۃ شریف اور دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی، سن فراغت ۲۰۰۲ء ہے۔

فراغت کے بعد صوبۂ جھارکھنڈ کے ضلع چترا میں جامعہ رشید العلوم سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، جہاں شرح عقائد، کافیہ، قدوری اور اصول الشاشی جیسی کتابیں زیر درس رہیں۔ اس کے بعد ۲۰۰۵ء میں ایک سال مدرسہ تعلیم الاسلام جیراج پور، اعظم گڑھ میں رہے۔ ۲۰۰۶ء میں صوبۂ گجرات احمد آباد سے جانب شمال ہمت نگر ضلع گڈھا کی ایک تعلیم گاہ جامعۃ العلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ یہاں ۱۱/ سال رہنے کے بعد ۲۰۱۷ء میں جامعہ نور العلوم پالن پور، گھٹامن آگئے اور فی الحال یہیں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دوران جلالین، ہدایہ اولی واخیرین، مشکوٰۃ، طحاوی، ابن ماجہ، سنن نسائی اور مؤطا امام مالک وموطا امام محمد جیسی اہم کتابوں کو پڑھانے کا موقع ملا۔

مولوی ناصر الدین قاسمی

نام: ناصر الدین بن قاری نذیر احمد بن حافظ رحمت اللہ (امام صاحب)

۱۹۸۰ء میں خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر عربی سوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد عربی چہارم وپنجم دار العلوم مئو میں پڑھ کر دار العلوم دیو بند گئے جہاں ۲۰۰۱ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

مولوی عزیز الرحمٰن قاسمی

نام: عزیز الرحمٰن بن عبدالجلیل (کیپٹن) بن محمد (محلّہ دکھن)

تاریخ ولادت: ۱۵/نومبر ۱۹۷۹ء

قاعدہ بغدادی سے جلالین شریف تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا، اور دو سال رہ کر شعبان ۱۴۱۹ھ (دسمبر ۱۹۹۸ء) میں فارغ ہوئے، یہ میرے درسی ساتھی ہیں۔ فراغت کے بعد چار سال تک منبع العلوم کے شعبہ پرائمری میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد سے اب تک یعنی تقریباً سولہ سال سے دارالفلاح مورکی، جونپور میں شعبہ عربی میں برسر تدریس ہیں، تحریر سے بھی شغف ہے لیکن کوئی چیز شائع نہیں ہوئی ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی محفوظ الحق قاسمی

نام: محفوظ الحق بن مولانا حافظ عبدالحی بن حاجی محمد ابراہیم درگاہی، محلّہ اتراری

تاریخ ولادت: یکم/جنوری ۱۹۸۰ء، تعلیم از ابتداء تا عربی پنجم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد دو سال دارالعلوم دیوبند میں رہے۔ ۱۹۹۸ء (شعبان ۱۴۱۹ھ) میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، میرے دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ کچھ عرصہ منبع العلوم کے شعبہ پرائمری میں تدریسی خدمات انجام دی ہے، اس وقت اپنے گھریلو کاروبار سے منسلک ہیں۔

مولانا شاہنواز اختر خیرآبادی

محلّہ اٹھوریا میں سات گھرّوا مشہور ہے، ایک گھر کے صحن میں ایک خاندان کے سات افراد کی اولادیں رہتی تھیں، جو سات گھرّوا سے مشہور ہوئیں، اس خاندان میں متعدد علماء کرام پیدا ہوئے، جس میں مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی، مولانا عبدالحق صاحب سابق ناظم اور مولانا محمد زاہد صاحب مشہور ہیں۔ موصوف کا تعلق اسی گھرانے سے ہے۔

تاریخ ولادت: ۱۷ر ستمبر ۱۹۸۰ء

گاؤں کے رواج کے مطابق ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد دیوبند گئے اور دو سال رہ کر دسمبر ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، میرے درسی ساتھی ہیں۔ فراغت کے بعد مولانا آزاد یونیورسٹی حیدرآباد سے بی اے اور ایم اے کیا، اور اچاریہ ناگرچنا یونیورسٹی گنٹور سے بی ایڈ کیا۔

حیدرآباد کے مشہور ادارہ مسلم ایجوکیشنل اینڈ کلچرل آرگنائزیشن (میسکو) سے ۲۰۰۵ء سے ۲۰۱۶ء تک وابستہ رہے، جہاں پرائمری ٹیچر سے ترقی کر کے لیکچرار اور نیشنل ٹریز کے عہدہ تک پہنچے، بحیثیت نیشنل ٹریز مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، کیرلا یونیورسٹی، اور جامعہ ملیہ جیسے اداروں کے اساتذہ کو عربی مضمون میں ٹرینڈ کیا، بعض خانگی احوال کی وجہ سے حیدرآباد کے قیام کو ترک کر کے گھر پر قیام کرنا پڑا، اس وقت قیام خیرآباد میں ہے، لیکن ٹریننگ کا سلسلہ جاری ہے۔ فی الحال معهد الرحمه للتعلم والتدريب خیرآباد میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میسکو کے تحت نصاب میں داخل معلم اللغة العربية اور سيرة النبی کی تحقیق وترتیب میں موصوف کا بھی بڑا حصہ ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ انصارالحق قاسمی

نام: انصارالحق بن شمیم احمد بن حاجی محمد سلیمان

پرائمری، حفظ اور عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، اس کے بعد شوال ۱۴۱۸ھ (فروری ۱۹۹۸ء) میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں عربی ہفتم میں داخلہ ہوا۔ اس کے بعد شعبان ۱۴۲۰ھ (نومبر ۱۹۹۹ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد سے مدرسہ منبع العلوم کے شعبۂ پرائمری میں مدرس ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی شمیم احمد قاسمی

مولوی شمیم احمد بن مختار احمد (نیاپورہ، محلّہ پچھّم)

تاریخ ولادت: ۲/دسمبر ۱۹۸۱ء

ابتداء سے عالمیت تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد دیوبند گئے جہاں شعبان ۱۴۲۰ھ (نومبر ۱۹۹۹ء) میں دارالعلوم وقف سے فضیلت کی تکمیل کی۔ فضیلت کے بعد ابتدائی بارہ تیرہ سال تک منبع العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، اسی دوران الہ آباد بورڈ سے مولوی وعالم کا امتحان بھی دیا۔ اس کے بعد معاش کے سلسلہ میں سعودی عرب چلے گئے اور تاحال وہیں مقیم ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا حافظ ابوطلحہ خیرآبادی

محلّہ پچھّم خیرآباد میں حافظ امیر احمد صاحب کا خاندان حفاظ کی کثرت کے لئے مشہور ہے، مولانا ابوطلحہ انھیں حافظ امیر احمد صاحب کے پوتے اور حافظ زین العابدین صاحب کے لڑکے ہیں۔ منبع العلوم کے نہایت ذہین و فطین اور ہونہار طالب علم!

نام: ابوطلحہ بن حافظ زین العابدین بن حافظ امیر احمد

۲۲؍فروری ۱۹۸۰ء میں پیدا ہوئے، اس دن پورے ملک میں مکمل سورج گرہن تھا، ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، پرائمری کی تکمیل کے بعد ۱۹۹۱ء میں حفظ میں داخلہ لیا، اور قاری وسیم احمد صاحب کے یہاں ایک سال میں حفظ مکمل کرلیا، ایک سال دور میں گزارنے کے بعد ۹۳؍۱۹۹۲ء میں فارسی پڑھی، ۱۹۹۸ء میں عربی پنجم پڑھ کر دیوبند گئے، جہاں امتیازی نمبرات سے داخلہ ہوا، ۲۰۰۰ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، ۲۰۰۱ء میں تکمیل ادب کیا، اس کے بعد دو سال تخصص فی الحدیث، اس شعبہ میں سال کے اختتام پر عربی زبان میں سو صفحات پر مشتمل مقالہ لکھنا لازم ہوتا ہے، آپ نے ''**طرق تحمل الحديث وأدائه عند المحدثين**'' کے عنوان پر ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل مقالہ لکھا۔

۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۱ء تک ۸؍سال جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ کے مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی للبحوث والدراسات الاسلامیہ'' سے منسلک رہ کر حدیث کی مختلف کتابوں پر تصحیح و تعلیق کی خدمات انجام دیں، اس دوران کچھ کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔

حدیث کی جن کتابوں پر کام کیا، ان میں ''صحیح بخاری بحاشیۃ السہارنفوری''، بذل المجہود اور ''الکوکب الدری'' ہیں، یہ سب شائع ہو چکی ہیں۔ دسمبر ۲۰۱۱ء میں جامعہ کو خیرباد کہہ کر تلاش معاش میں سعودی عرب کی راہ لی اور تا حال وہیں مقیم ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی شریف احمد قاسمی

نام: شریف احمد بن ظہیر الحسنؒ بن عبدالستار (چیرمین) (محلّہ اتراری)

تاریخ ولادت: ۱۶/ مارچ ۱۹۸۰ء

ابتداء سے عالمیت تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کرکے دیوبند گئے، دارالعلوم دیوبند سے شعبان ۱۴۲۱ھ (نومبر ۲۰۰۰ء) میں فضیلت کی تکمیل کی۔ فضیلت کے بعد ابتدائی دس سال تک منبع العلوم کی شاخ اتراری میں تدریسی خدمات انجام دیں، اسی دوران الہ آباد بورڈ سے مولوی، عالم اور فاضل کا امتحان بھی دیا۔ اس کے بعد حصول معاش کے سلسلہ میں سعودی عرب چلے گئے اور تاحال وہیں مقیم ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی عاصم اختر قاسمی

نام: عاصم اختر بن مولانا عبدالحکیم بن بشیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ

سال ولادت ۱۹۸۴ء ہے، خیرآباد کے اسی علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس سے صدر صاحب جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ ابتداء سے جلالین شریف تک مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں تعلیم حاصل کی ۲۰۰۲ء میں دارالعلوم وقف میں داخلہ لیا، اور وہیں سے ۲۰۰۳ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔ الہ آباد بورڈ سے منشی کا امتحان بھی دیا۔

فراغت کے بعد تلاش معاش میں کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہے، اب اس وقت گھر پر رہ کر اپنے علاقائی صنعتی پیشہ سے منسلک ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا حافظ نفیس احمد قاسمی

نام: نفیس احمد بن نذیر الحسن بن عبدالستار (چیرمین)

۸؍اپریل ۱۹۸۲ء کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم ابتداء سے عربی پنجم تک تمام تر مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ حافظ محمد شریف صاحب کے یہاں پرائمری تعلیم شروع کی، درجہ پانچ تک پڑھنے کے بعد اپنے ماموں مولانا حافظ عزیز الرحمٰن صاحب کے یہاں حفظ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد گھر کے معاشی حالات ایسے تھے کہ مزید تعلیم جاری رکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے گھریلو کام میں لگ گئے، لیکن دل میں حصول علم کی تڑپ تھی اس لئے تین سال کے بعد جب کچھ گنجائش ملی تو عربی تعلیم شروع کردی۔ شعبان ۱۴۲۵ھ (۲۰۰۴ء) میں جلالین شریف پڑھ کر عالمیت کی تکمیل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند جاکر ہفتم اور دورہ پڑھا، اور شعبان ۱۴۲۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی سند حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ قاسم العلوم، کنجا ضلع پرتاب گڈھ، جامعہ شرقیہ لونیہ ڈیہہ اور مدرسہ ابوبکر صدیق ضلع مہراج گنج میں تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد مدرسہ عین الاسلام نوادہ آگئے، یہاں ۶؍سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد فی الحال گھر پر ہیں، اس دوران ابتدائی کتابوں سے لے کر جلالین ومشکوٰۃ شریف تک کتابیں زیر تدریس رہیں۔

خطابت اور تحریر سے بھی دلچسپی ہے، نورانی مسجد اتراری میں جمعہ کو بعد نماز مغرب درس قرآن اور کلنڈر خیرآباد کی مسجد بلال میں قبل جمعہ بیان کا معمول ہے۔ دو کتابیں بھی آپ کے قلم کی یادگار ہیں، اول الذکر مطبوعہ ہے اور ثانی عنقریب شائع ہونے والی ہے:

۱۔ ورق ورق درخشاں ۲۔ جانشین شیخ الہندؒ [مولانا حسین احمد مدنی] کا سیاسی کردار

☆☆☆☆☆

مولوی ابواسامہ خیرآبادی

نام: ابواسامہ بن حاجی امتیاز احمد بن حاجی عبدالرشید

تاریخ ولادت: ۱۰/اگست ۱۹۸۶ء

پرائمری سے لے کر عربی پنجم تک مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، ان کا شمار یہاں کے نیک اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا، مولانا محمد اصغر صاحب کی خاص تربیت میں رہے۔ عربی پنجم پڑھ کر ۲۰۰۳ء میں دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں سے ۲۰۰۵ء (شعبان ۱۴۲۶ھ) میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم محمد آباد میں ایک سال اعزازی طور پر تدریسی خدمات انجام دیں۔

اسی کے ساتھ یوپی مدرسہ بورڈ سے مولوی و عالم کا امتحان دیا اور سی بی ایس سی بورڈ لکھنؤ سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ کمپیوٹر ڈپلومہ سلیکان کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ اور آدرش کمپیوٹر محمد آباد گوہنہ سے کیا۔ موبائل ڈپلومہ سلیکان کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ لکھنؤ سے کیا۔

آج سے دس پندرہ سال پہلے ان کے ساتھ ایک سخت ابتلاء پیش آیا، ایک ایکسڈنٹ میں ان کا ایک پیر کاٹنا پڑا، معمولی معذوری بھی انسان کے حوصلوں کو توڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی ہمت اور حوصلہ کا انسان بنایا ہے، اس معذوری کے بعد بھی ان کے حوصلوں اور عزائم میں کسی طرح کی کوئی کمزوری اور پستی نہیں آئی، اس وقت نہایت کامیابی کے ساتھ اپنی موبائل ریپئرنگ اور موبائل ''ہارڈ ویرو سافٹ ویر'' کی دوکان چلا رہے ہیں۔

نیک و صالح اور صابر و شاکر نوجوان ہیں، مجھ سے بے حد مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں شاد و آباد رکھے اور ان کا حامی و ناصر ہو۔

☆☆☆☆☆

مولوی رئیس الحق قاسمی

نام: رئیس الحق بن مولانا عزیز الرحمٰن بن حاجی محمد ابراہیم درگاہی

تاریخ پیدائش: یکم/اکتوبر ۱۹۸۵ء۔ پرائمری سے لے کر عربی پنجم تک تعلیم منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی، یہاں سے عالمیت کی تکمیل کے بعد دیوبند گئے، جہاں دارالعلوم وقف سے ۲۰۰۵ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی، اس وقت اپنے والد صاحب کے ساتھ گھریلو کاروبار کو دیکھ رہے ہیں۔

مولوی مفید ہاشمی قاسمی

نام: مولوی مفید ہاشمی بن مولانا زین الحق بن محمد اسحاق بن شیخ احمد۔

تاریخ پیدائش: یکم/جنوری ۱۹۸۶ء۔ مولوی رئیس الحق کے درسی ساتھی ہیں، انھوں نے بھی عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اور اس کے بعد دارالعلوم وقف سے ۲۰۰۵ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔ کچھ دنوں موبائل ریپئرنگ کا کام کیا، سعودی عرب میں بھی کچھ وقت گزرا ہے، فی الحال گھر پر ہیں۔

مولوی حافظ ابوحذیفہ مظہری

نام: ابوحذیفہ بن جمال اختر بن حاجی محمد شفیع پردھان بن محمد ایوب بن حاجی عبداللہ

تاریخ پیدائش: ۹/ستمبر ۱۹۹۰ء۔ ابتدائی تعلیم اقراء پبلک اسکول اور مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، منبع العلوم سے حفظ اور عالمیت کی تکمیل کی، ۲۰۰۹ء میں جامعہ مظہر العلوم بنارس سے فضیلت کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ منشی، مولوی، کامل، انٹر، بی اے، ایم اے، معلم اردو علی گڈھ اور کمپیوٹر کورس کی تکمیل کی۔ کچھ عرصہ مولانا آزاد تعلیمی مرکز شاہ گنج میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس وقت مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں شعبۂ حفظ میں مدرس ہیں۔

مولوی حافظ افروز احمد خیرآبادی

نام: مولوی حافظ افروز احمد بن مشتاق احمد محلّہ دکھن

تاریخ پیدائش: ۲؍جون ۱۹۸۷ء۔ ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ پرائمری پانچ پڑھنے کے بعد قاری وسیم احمد صاحب کے یہاں حفظ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد جلالین پڑھ کر دارالعلوم مئو گئے جہاں سے جون ۲۰۱۳ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اسی سال ۲؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۹؍ستمبر ۲۰۱۳ء سے تاحال مدرسہ منبع العلوم کے شعبۂ پرائمری میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی انیس احمد ندوی

نام: انیس احمد بن مختار احمد بن فضل الرحمٰن بن محمد سلیمان بن حاجی محمد حسن

تاریخ ولادت: ۱۰؍اکتوبر ۱۹۸۸ء

تعلیم کا آغاز مدرسہ منبع العلوم سے کیا، پرائمری درجہ پانچ تک مکمل کرنے کے بعد ۱۴۱۹ھ [۱۹۹۹ء] میں حفظ شروع کیا، جس کی تکمیل ۱۴۲۲ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد فارسی پڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء چلے گئے جہاں سے ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء میں عالمیت کی تکمیل کی۔ ندوہ سے فراغت کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے ۲۰۱۵ء میں بی اے کیا۔ ۲۰۰۹ء میں یوپی مدرسہ بورڈ سے مولوی، ۲۰۱۴ء میں عالم اور ۲۰۱۹ء میں کامل کا امتحان پاس کیا۔

۲۰۱۲ء سے **معھد الرحمۃ للتعلیم والتدریب** انصارنگر خیرآباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، فی الحال صدارت تدریس کے منصب پر ہیں۔

مولانا محمد عمران مصباحی

نام: محمد عمران بن حافظ انوار احمد بن الحاج محمد یٰسین

تاریخ ولادت: ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۸ء

محلّہ پچھّم کے رہنے والے ہیں، ابتدائی تعلیم سے لے کر درجہ سادسہ تک کی تعلیم مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ یہاں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک سال تک جامعہ امجدیہ گھوسی میں زانوئے ادب تہہ کیا اور وہاں سے ملک کی ممتاز ومشہور سنی درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۸ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ پھر تقریباً ایک سال تک لکھنؤ میں رہ کر DTP. DCA اور Tally کا کورس کیا۔

ان کے والدین کی ہمیشہ یہ تمنا اور آرزو رہی کہ یہ علوم دینیہ کی تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے پیش نظر پہلی بار ۲۰۱۰ء میں شعبہ عالیہ میں تدریسی خدمات کے لیے جامعہ فیض الرسول رچھا بریلی شریف گئے اور وہاں ایک سال تک قیام رہا، وہاں سے جامعہ نوریہ رضویہ کھاجو والا راجستھان آگئے، یہاں حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے چار ماہ میں واپس گھر آگئے اور اپنے استاذ گرامی قدر جناب مولانا نذیر احمد صاحب قبلہ منانی کے حکم پر دار العلوم قادریہ چریا کوٹ مئو پہنچے، جہاں ساڑھے تین سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۰۱۵ء میں اپنی مادر علمی دار العلوم اہل سنت عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں تقرری ہوئی اور تا حال یہاں سلسلۂ تعلیم وتدریس جاری ہے۔

دوران تدریس طلبہ کے اصرار پر منہاج العربیہ اول ودوم، النحو الواضح اور مصباح الانشاء دوم کا ترجمہ کیا، لیکن ابھی تک یہ ترجمے زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکے۔

☆☆☆☆☆

مولانا حافظ محمد ارشد ندوی ازہری

نام: محمد ارشد بن عبدالغفور بن عبدالمجید بن محمد سلیم بن محمد ابراہیم

کنیت: ابواروٰی   تاریخ ولادت: ۱۵؍محرم ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۶؍اگست ۱۹۸۹ء

محلّہ پچھّم خیرآباد میں حاجی محمد سلیم صاحب (۱۸۸۰ء۔۱۹۸۳ء) کا خانوادہ اپنی ممتاز حیثیت و وجاہت کی بنا پر گاؤں کے معزز و ممتاز گھرانوں میں شمار کیا جاتا تھا، حاجی صاحب مرحوم ایک بڑے زمیندار، نیک طبیعت اور بلند اخلاق و کردار کے حامل انسان تھے۔ موصوف کا تعلق اسی خانوادے سے ہے، ان لوگوں کا اصل پیشہ کاشتکاری تھا۔

ان کے والد ماجد نے اس خاندانی کاشتکاری کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی نگہداشت کی طرف خصوصی توجہ دی، جس کے نتیجہ میں آج ان کی اولاد اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور ہے۔ موصوف اپنے تین بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے والد ماجد کی توجہات بطور خاص انھیں حاصل رہیں۔ ۱۹۹۳ء میں مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد میں حافظ نثار احمد صاحبؒ کے یہاں درجہ اطفال سے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا۔

۲۰۰۰ء میں مولانا حافظ عزیز الرحمٰن صاحب قاسمی کے پاس حفظ شروع کیا، ۲۰۰۱ء کے وسط میں حفظ قرآن مکمل کرنے کے بعد ایک سال دور کیا، اور ۲۰۰۳ء میں شعبۂ فارسی میں داخلہ لیا، اور ۲۰۰۸ء میں یہاں سے عربی پنجم یعنی عالمیت کی تکمیل کی۔

دوران تعلیم منبع العلوم کے ممتاز و ذہین طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا، اساتذۂ کرام کی خاص توجہ و رہنمائی انھیں حاصل تھی، مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی مدظلہ سے انھوں نے بطور خاص استفادہ کیا۔ اردو و عربی تقریروں میں حصہ لے کر شہریہ و سالانہ مسابقہ میں متعدد

بار انعامات حاصل کیئے۔ ان کی لیاقت وصلاحیت کی بنا پر عربی پنجم کے سال انجمن اصلاح اللسان کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ اس طرح ایک طویل عرصہ تک اس گہوارۂ علم وفن میں دینی، علمی، فکری، تاریخی، تربیتی اور ادبی مراحل طے کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے ۲۰۰۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء پہنچے اور عالیہ ثالثہ شریعہ میں داخلہ لیا۔ اور ۲۰۱۰ء میں یہاں سے عالمیت اور ۲۰۱۲ء میں تخصص ادب عربی کی تکمیل کی۔ ان کی ذہانت وفطانت کی وجہ سے یہاں بھی تمام اساتذہ کرام کا اعتماد حاصل رہا۔ خصوصاً حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ، اور مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی رحمہ اللہ وغیرہم۔ اسی اعتماد کا اثر تھا کہ طلبۂ دارالعلوم کی النادی العربی کے الامین العام جیسا اہم منصب انھیں تفویض کیا گیا۔

ندوہ سے تخصص کرنے کے بعد قسمت نے یاوری کی اور ایک تعلیمی وظیفہ پر یکم نومبر ۲۰۱۲ء کو عالم اسلام کی قدیم ترین اور مشہور درسگاہ جامعہ ازہر قاہرہ (مصر) پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر انھوں نے حصول علم میں اپنی پوری توانائی صرف کردی اور عربی زبان وادب، نحو و صرف اور بلاغت وعروض وقوافی میں وہاں کے ماہر اہل زبان اساتذہ سے ان فنون میں رسوخ حاصل کیا۔ یہیں عربی شعر وشاعری کی طرف بھی ان کی توجہ ہوئی اور انھوں نے تھوڑی بہت مشق وتمرین اور اپنے محسن ومشفق استاذ، علم عروض وقوافی کے بادشاہ، عربی شعر وشاعری کے شہنشاہ، ڈاکٹر محمد احمد المعصرانی کی خاص توجہ کی بنا پر جلد ہی اس میدان میں بھی رسوخ حاصل کرلیا، اور قاہرہ میں منعقد ہونے والی چوٹی کی شعری نشستوں میں شریک ہونے لگے اس طرح عالم عربی کے کہنہ مشق شعراء سے ملنے اور استفادہ کا موقع ہاتھ لگتا رہا، جس سے ان کی شاعری میں دن بدن نکھار آتا گیا۔ اس وقت ان کا عربی شعری مجموعہ ''اریج الشوق'' کے نام سے زیر طبع ہے۔ اس طرح میرے علم کے مطابق یہ خیرآباد کی تاریخ کے عربی زبان کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہوگئے۔

۲۰۲۰ء میں ازہر میں زیر تعلیم غیر ملکی طلبہ کے مابین ایک بین الاقوامی مسابقۂ شعر

وشاعری میں ان کو اللہ تعالی کے فضل وکرم سے دوسری پوزیشن حاصل ہوئی۔اس کے علاوہ دیگر مسابقۂ قرآن کریم اور انعامی شعری مسابقہ میں شریک ہوئے اور انعامات کے مستحق قرار پائے۔

ندوہ کی عالمیت کی سند پر اسلامک وعربک اسٹڈیز فیکلٹی کلیة الدراسات الاسلامية والعربية للبنين القاهره میں دراسات علیا، ماجستیر (ایم اے) کے لئے رسالہ (تھیسس) لکھنے کی منظوری ملی۔ ماجستیر کے رسالہ (تھیسس) کا عنوان ہے:

المنحى الرثائى فى شعر حسن كامل الصيرفى:

دراسة في أبعاد الرؤية وفنيات التشكيل ۔

اس کے دونگراں متعین کئے گئے ہیں۔ڈاکٹر عیسیٰ عفیفی مصری پروفیسر جامعہ ازہر۔ڈاکٹر محمود ابوسمرہ مصری ازہری۔باری تعالی بخیر وخوبی اس رسالہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشے اور بقیہ تعلیمی مراحل کو آسان فرمائے۔

ان کے چند عربی اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں، یہ مسجد اقصیٰ سے متعلق ہیں:

اَلْقُدْسُ يَسْتَنْجِدُ الْفُرْسَانَ مِنْ عَرَبٍ يَحْمُونَ نَخْوَتَهُمْ مِنْ كُلِّ مُجْتَلَبِ
تَارِيخُ آبَائِنَا يُتْلىٰ عَلىٰ زَمَنٍ حَيَاتُهُمْ سُطِّرَتْ بِالنُّورِ وَالذَّهَبِ
مِنْ أَيْنَ يَأْتِي صَلَاحُ الدِّينِ ثَانِيَةً وَقَدْ شَرِبْنَا كُؤُوسَ الْغَرْبِ فِي طَرَبِ
مِنْ أَيْنَ يَأْتِي صَلَاحُ الدِّينِ مُنْتَصِرًا يُحَرِّرُ الْمَسْجِدَ الْأَقْصىٰ مِنَ الْكُرَبِ
أَنّٰى لَنَا النَّصْرُ وَالْأَعْمَالُ مُذْنِبَةٌ وَالْحُكْمُ قَدْ فَقَدَ الإِنْصَافَ مِنْ حِقَبِ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی رحلت پر کہے گئے چند اشعار!

إِنَّ السَّمَاءَ بَكَتْ وَالْأَرْضَ قَدْ صَرَخَتْ كَأَنَّمَا زُلْزِلَتْ بِالْمَوْتِ دُنْيَانَا
كَأْسُ الْمَنِيَّةِ قَدْ زَادَتْ مَرَارَتُهَا وَأَغْدَقَ الْغَمُّ وَالْأَحْزَانُ وُدْيَانَا
لَمَّا سَرىٰ نَعْيُهُ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ فَاضَتْ عُيُونُ جَمِيعِ النَّاسِ طُوفَانَا
شَيْخُ الْمَشَايِخِ فِي عِلْمِ الْحَدِيثِ لَهُ أَسْفَارُهُ شَيَّدَتْ لِلْعِلْمِ بُنْيَانَا

مولانا مفتی محمد مزمل اختر مصباحی

نام: محمد مزمل اختر بن حافظ نثار احمد بن شمس الدین بن حاجی محمد خلیل بن حاجی عبدالکریم

تاریخ ولادت: یکم رجب المرجب ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۱۹۹۰ء

مفتی مزمل صاحب ایک دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے پردادا حاجی محمد خلیل صاحب کو ان کے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے باوجود عالم نہ ہونے کے جامع مسجد اہل سنت وعیدگاہ کا امام بنایا گیا اور ایک عرصہ تک انھوں نے جمعہ وعیدین کی امامت کی۔ مفتی صاحب ایک ذی استعداد وباصلاحیت عالم ومفتی ہیں، ابتداء سے لے کر درجہ خامسہ تک تعلیم مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں ہوئی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا مفتی ظہیر حسن صاحب مصباحیؒ، مولانا عبدالغفار اعظمی مصباحیؒ، مولانا بدرالدجیٰ مصباحی (موجودہ پرنسپل) مولانا اظہار احمد مصباحی، مولانا محبوب احمد مصباحی، مولانا نذیر احمد منانی اور قاری انجم حسن صاحب ضیائی وغیرہم ہیں۔

۲۰۰۷ء کے اواخر میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں درجہ سادسہ میں داخلہ لیا، اور تین سال کے بعد ۱۶؍مئی ۲۰۱۰ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے، فضیلت کے بعد درجۂ تحقیق وافتاء میں داخلہ لیا اور دو سال میں ۲۲؍اپریل ۲۰۱۲ء کو اس کی تکمیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد احمد صاحب مصباحی (سابق پرنسپل)۔ مولانا مفتی نظام الدین رضوی (صدر شعبہ افتاء)۔ مولانا عبدالشکور مصباحی (سابق شیخ الحدیث)۔ مولانا نصیر الدین صاحب مصباحی، مولانا اسرار احمد صاحب اور مولانا نفیس احمد (شیخ الادب) وغیرہم ہیں۔

تدریس: موصوف ابھی جامعہ اشرفیہ میں افتاء کے دوسرے سال میں تھے کہ ان کی لیاقت وصلاحیت کو دیکھتے ہوئے جامعہ کے پرنسپل مولانا محمد احمد صاحب نے درجۂ اولیٰ

کے طلبہ کو منہاج العربیہ ثالث کی تدریس پر مامور کیا، اساتذہ کا اعتماد اپنے کسی طالب علم پر اس کی صلاحیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ انھوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ تدریسی خدمت انجام دی اور طلبہ ان کے درس سے مطمئن رہے، اس طرح طالب علمی کے اختتام کے ساتھ ہی اپنے اساتذہ کے زیر سایہ تدریس کا آغاز بھی ہوگیا۔

فراغت کے بعد اپنے ایک استاذ مولانا ساجد علی صاحب کے حکم پر شوال ۱۴۳۳ھ (اگست ۲۰۱۲ء) میں دار العلوم محبوبیہ اہل سنت شمع اسلام ڈھلمئو، امبیڈکر نگر بحیثیت مفتی تشریف لے گئے، اور چند ہی ماہ میں حسن کارکردگی کی بنا پر تمام تعلیمی امور کے ذمہ دار بنا دئے گئے۔ اگلے سال مولانا نعیم الدین صاحب استاذ جامعہ اشرفیہ کے حکم پر بلرام پور کی مرکزی درسگاہ جامعہ انوار القرآن بلرام پور میں تدریس عالیہ کے لئے انٹرویو میں شریک ہوئے اور اور تدریس کے لئے منتخب کر لئے گئے، یہ ستمبر ۲۰۱۳ء (ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ) کی بات ہے۔ اس وقت سے اب تک تدریس وافتاء کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں ان کے قلم سے لکھے ہوئے فتاویٰ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔

تدریس وفتویٰ نویسی کے ساتھ قلم وقرطاس سے بھی شغف ہے، اب تک متعدد مقالات لکھ چکے ہیں، جن میں درجۂ تحقیق کا مقالہ ''صدر الشریعۃ علیہ الرحمہ کی فقہی بصیرت بہار شریعت کی روشنی میں'' فل اسکیپ کے ۱۰۵؍صفحات پر مشتمل ہے۔

شرف بیعت مولانا سید محمد امین صاحب سجادہ نشین مارہرہ شریف سے ہے، ۲۰۱۱ء میں ان سے بیعت ہوئے۔

☆☆☆☆☆

مولوی محمد سالم قاسمی

نام: محمد سالم بن حاجی اقبال احمد گھڑی ساز بن رحمت اللہ مہاجن، محلّہ اتراری

تاریخ ولادت: ۲؍فروری ۱۹۹۲ء۔ منبع العلوم سے عالمیت کے بعد دیوبند گئے، جہاں دار العلوم وقف سے ۲۰۱۶ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

مولوی حافظ شمیم اختر ازہری

نام: شمیم بن عبدالغفور بن عبدالمجید بن محمد سلیم بن محمد ابراہیم
تاریخ ولادت: ۵؍فروری ۱۹۹۰ء

یہ مولانا محمد ارشد ازہری کے حقیقی بھائی ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں تعلیم کا آغاز اقرأ پبلک اسکول خیرآباد سے کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ۲۰۰۰ء میں مدرسہ عربیہ منبع العلوم کے شعبہ پرائمری میں داخلہ لیا، اور ۲۰۰۵ء میں پرائمری کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شعبۂ حفظ میں داخل ہوئے، اور ۲۰۰۸ء میں ڈھائی سال کی مدت میں مولانا حافظ فیضان الحق صاحب قاسمی کے پاس حفظ کی تکمیل کی۔ دور کے بعد ۲۰۱۰ء میں درجہ فارسی میں داخلہ لیا اور ۲۰۱۳ء میں عربی سوم مکمل کرنے کے بعد اپنے برادر مکرم کی ایماء پر ۲؍ستمبر ۲۰۱۴ء میں جامعہ ازہر مصر چلے گئے۔

اور یہاں جامعہ ازہر کے معہد (معهد البعوث الاسلامیه للطلاب الوافدین) میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوا، اور ۲۰۱۵ء کے آخر تک ثانویہ (سکینڈری) تعلیم مکمل ہوئی، پھر اس کے بعد اجازہ عالیہ (لیسانس) کا مرحلہ شروع ہوا، جو (بی اے) کے مساوی شمار ہوتا ہے، چار سال کے بعد مئی ۲۰۲۰ء میں كلية الدراسات الاسلامية والعربية للبنين بالقاهرة (اسلامک اور عربک بوائز اسٹڈیز قاہرہ فیکلٹی) میں مکمل ہوا، اور لیسانس کی ڈگری حاصل کی۔ مختلف قسم کے مسابقتی پروگرام میں بھی شرکت ہوتی رہتی ہے۔

۲۰۱۹ء میں جامعہ ازہر کے ہاسٹل مدینۃ البعوث الاسلامیہ میں ربع قرآن کریم کے مسابقہ میں شرکت ہوئی، جس میں مشارکین کی کل تعداد تقریباً ۶۰ سے ۷۰ تھی اور بفضل اللہ تعالیٰ چھٹی پوزیشن حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ترقیات سے نوازے۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ زاہد جمال خیرآبادی

نام: زاہد جمال بن حاجی عبدالحنان بن حاجی قمرالدین بن حاجی خدابخش بن نصراللہ یکم رجنوری ۱۹۹۱ء کو خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ راقم الحروف کا آبائی وطن جہانا گنج ہے، ہمارے دادا حاجی محمد ابراہیم صاحبؒ جب ۱۹۳۳ء کے قریب خیرآباد منتقل ہوئے، تو اپنے دو چھوٹے بھائی حاجی خدابخش اور حاجی عباداللہ کو ساتھ لے کر آئے، اور وہ دونوں بھی یہیں آباد ہو گئے، اس طرح ہمارے خاندان کی تین شاخیں یہاں موجود ہیں۔ حافظ زاہد جمال حاجی خدابخش دادا کے بڑے لڑکے حاجی قمرالدین صاحبؒ کے پوتے ہیں، اس طرح خاندانی اعتبار سے وہ میرے بھتیجے ہوتے ہیں۔

خاندانی ذریعہ معاش ساڑیوں کی تجارت ہے، حاجی خدابخش دادا کی شاخ میں درسِ نظامی کی تکمیل کرنے والے پہلے فرد ہیں۔ ابتدائی تعلیم پرائمری درجہ تین تک اقرأ پبلک اسکول خیرآباد میں ہوئی، اس کے بعد ۲۰۰۲ء میں درجۂ حفظ میں داخل ہوئے، اور منبع العلوم خیرآباد کے لائق وفائق استاذ حفظ مولانا حافظ فیضان الحق قاسمی کے یہاں حفظ ۴ رسال میں پڑھ کر ۲۰۰۵ء میں حفظ کی تکمیل کی۔ دور کرنے کے بعد مولانا محمد ہارون صاحب سے فارسی پڑھی، اور عربی اول سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، یہاں کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبدالحی صاحب، مولانا فضل حق صاحب، مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب، مولانا ابرار احمد صاحب، مولانا مفتی جاوید احمد صاحب اور مولانا نوشاد احمد صاحب وغیرہ ہیں۔

دارالعلوم مئو سے ۲۰۱۳ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا مفتی انور علی صاحب، مولانا احمد اللہ صاحب اور مولانا اشتیاق احمد صاحب وغیرہ ہیں۔ اس وقت اپنے گھریلو کاروبار میں اپنے والد ماجد کی معاونت کرتے ہیں۔

مولوی حافظ وصی اللہ قاسمی

مولوی حافظ محمد وصی اللہ بن محمد عزیر بن حاجی محمد یاسین۔محلّہ اٹھوریا

تاریخ ولادت: ۳؍جنوری ۱۹۹۱ء، ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد ۲۰۱۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔اس کے بعد مظاہرعلوم سہارن پور سے تکمیل ادب اور ریاض العلوم گورینی سے افتاء کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ تجویدالقرآن قنوج اور مدرسہ انوارالعلوم بلگرام ہردوئی میں تدریس کے بعد فی الحال مدرسہ مظہرالعلوم ابراہیم پور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ان کے دادا حاجی محمد یاسین صاحب گاؤں کے ایک بااثر شخص تھے اور ایک عرصہ تک مدرسہ منبع العلوم کے نائب ناظم تھے۔

مولوی سرفراز احمد قاسمی

نام: سرفراز احمد بن انوار احمد بن منشی نثار احمد بن عبدالصمد بن کریم بخش

یکم؍جنوری ۱۹۹۲ء کو پیدا ہوئے۔

مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں پرائمری درجہ پانچ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مظفر پور چلے گئے جہاں حفظ قرآن کریم کی تکمیل مولانا حافظ تنویر احمد مہراج گنجی کے یہاں کی۔پھر فارسی سے عربی پنجم تک مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد دیوبند گئے جہاں دارالعلوم وقف میں عربی ہفتم و دورہ حدیث پڑھ کر ۲۰۱۹ء میں فراغت حاصل کی۔فراغت کے بعد بطور معاش ''انوارالکتب'' کے نام سے ایک تجارتی کتب خانہ شروع کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیں۔

مولوی حافظ شمشاد احمد قاسمی ندوی

نام: حافظ شمشاد احمد بن محفوظ الرحمٰن۔ محلّہ اتراری

سن ولادت: یکم رجنوری ۱۹۸۷ء۔ (یہ آدھار کارڈ کے اعتبار سے ہے، ورنہ درست ۱۹۹۲ء یا اس کے قریب ہے) از ابتداء تا عربی پنجم مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۵ء میں دارالعلوم وقف سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عربی ادب میں تخصص کیا۔ لکھنؤ میں جامعہ سید امیر علی شہید سے تدریس کا آغاز کیا، اس وقت معہد الرحمہ للتعلیم والتدریب انصارنگر (خیرآباد) میں مدرس ہیں۔

مولوی محمد احمد بن مولانا منظور الحق قاسمی

نام: محمد احمد بن مولانا منظور الحق بن حاجی عبدالرحمٰن (محلّہ اتراری)

تاریخ ولادت: ۲رجنوری ۱۹۹۲ء

ابتدائی تعلیم مکتب سے لے کر درجہ عربی چہارم تک مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم مئو میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۲۰۱۴ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔ اس وقت سعودی عرب میں ملازمت کر رہے ہیں۔

مولوی محمد جمشید قاسمی

نام: محمد جمشید بن وکیل احمد بن عبدالمجید۔ محلّہ اتراری

تاریخ ولادت: یکم رجنوری ۱۹۹۲ء، عربی پنجم تک منبع العلوم سے پڑھنے کے بعد مشکوٰۃ شریف جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں پڑھی اور ۲۰۱۶ء میں دارالعلوم وقف سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔

مولوی محمد معظم قرنی قاسمی

نام: محمد معظم قرنی بن ارشاد احمد بن عبدالکریم۔ محلّہ اترا ری

تاریخ پیدائش: یکم رجنوری ۱۹۹۲ء۔ ابتداء سے عالمیت تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ ۲۰۱۳ء میں دارالعلوم وقف سے فراغت حاصل کی۔ اس وقت بسلسلۂ معاش سعودی عرب میں ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ محمود کلیم قاسمی

نام: محمود کلیم بن حافظ حفیظ الرحمٰن بن محمد حنیف۔ محلّہ اترا ری

تاریخ ولادت: ۱۵رمئی ۱۹۹۲ء۔ پرائمری، حفظ اور عربی پنجم تک مکمل تعلیم منبع العلوم میں حاصل کی، یہاں سے عالمیت کی تکمیل کے بعد ۲۰۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں عربی ہفتم میں داخلہ لیا، اور ۲۰۱۱ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا اسعد قاسم سنبھلی صاحب کے یہاں جامعہ شاہ ولی اللہ مرادآباد سے ۲۰۱۲ء میں تکمیل ادب کیا، پھر ۲۰۱۳ء میں ریاض العلوم گورینی سے افتاء کیا۔

فراغت کے بعد ڈیڑھ سال یمنا نگر ہریانہ کے پاس ایک نارائن گڑھ میں پڑھایا۔ ۲۰۱۶ء سے ضلع کشی نگر میں کسیا کے قریب مدرسہ اسلامیہ اصلاح العلوم میں پڑھاتے ہیں اور امامت وخطابت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں، اور وہاں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا حافظ شفیع شہزاد قاسمی

مولوی حافظ شفیع شہزاد بن شفیق الرحمٰن۔ محلہ اترا ری
تاریخ پیدائش: یکم رجولائی ۱۹۹۲ء۔

ایک باصلاحیت وذی استعداد عالم وحافظ اور بہترین مدرس ہیں۔ پرائمری، حفظ اور عربی دوم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، پرائمری درجہ دو، تین اور چار مولانا معاذ احمد صاحب سے پڑھا جو تعلیم وتربیت اور تدریس میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

۲۰۰۲ء میں حافظ فیضان الحق صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا اور دو سال میں اس کی تکمیل کی اور دو سال تک دور کیا، اس کے بعد فارسی سے عربی دوم تک پڑھنے کے بعد تعلیم سے دوری وبیزاری کی کیفیت دیکھ کران کے والد جو میرے دوست ہیں مجھ سے مشورہ کیا، میں نے ان کا داخلہ اپنے عزیز دوست مفتی ذیشان احمد صاحب کے یہاں مدرسہ شیخ الہندانجان شہید میں کرادیا، جہاں عربی دوم سے عربی پنجم تک تعلیم حاصل کی، اور ہمیشہ نیک نام رہے۔ یہاں سے شوال ۱۴۳۴ھ [۲۰۱۳ء] میں دارالعلوم دیو بند گئے اور درجہ ہفتم (مشکوٰۃ شریف) میں داخلہ لیا، اوراگلے سال دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۴۳۶ھ [جون ۲۰۱۵ء] میں فضیلت کی تکمیل کی، اس کے بعد مزید ایک سال رہ کر ۲۰۱۶ء میں عربی ادب کی تکمیل کی، تکمیل ادب کی وجہ سے عربی زبان وادب پر اچھی دسترس حاصل ہوگئی۔

اساتذہ کا اعتماد کسی طالب علم کی لیاقت وصلاحیت کی سب سے بڑی سند ہے، فراغت کے معاً بعد ان کے استاذ مفتی ذیشان احمد صاحب نے اپنے مدرسہ جامعہ عزیزیہ سہریا نظام آباد میں تدریس کے لئے رکھ لیا، جہاں عربی اول سے درجہ ہفتم تک کتابیں زیر درس رہتی ہیں، عربی زبان وادب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس وقت تدریس کا پانچواں سال ہے اور یہ ایک مقبول استاذ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

مولوی حافظ عبداللہ عدنان خیرآبادی

نام: عبداللہ عدنان بن مولانا کمال اختر بن محمد نذیر [سکریٹری] بن حاجی حمید اللہ مولانا کمال اختر صاحب کے لڑکے ہیں۔ تاریخ ولادت ۷/ جولائی ۱۹۹۲ء ہے۔ ابتداء سے لے کر عربی پنجم تک کی مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی ہے۔ پرائمری پانچ پڑھنے کے بعد مولانا حافظ فیضان الحق صاحب کے یہاں حفظ قرآن کریم کی تکمیل کی، اس کے بعد فارسی مولانا محمد ہارون صاحب قاسمی سے پڑھی۔

شوال ۱۴۲۷ھ (نومبر ۲۰۰۶ء) میں عربی اول میں داخل ہوئے۔ درسیات کے ساتھ مطالعہ وتحریر سے بھی دلچسپی رہی، انجمن اصلاح اللسان کے پروگرام میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، المنبع میں مضمون نگاری کے ساتھ کبھی کبھار عربی مجلّہ الروضہ میں مضمون لکھتے رہے، یہ دلچسپی دیوبند میں بھی باقی رہی، وہاں بھی ضلع مئو کی انجمن میں حصہ لیتے رہے۔ اسی تحریری دلچسپی کے نتیجہ میں فراغت کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے سیمینار "حضرت محدث الاعظمیؒ" اور فقہ اکیڈمی کے ایک سیمینار میں بحیثیت مقالہ نگار شریک رہے۔

شعبان ۱۴۳۲ھ (جولائی ۲۰۱۱ء) میں جلالین شریف (عربی پنجم) کا امتحان دیا، اور شوال میں دیوبند جاکر مشکوٰۃ شریف (ہفتم) میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۴۳۴ھ (جون ۲۰۱۳ء) میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری ومولانا عبدالحق اعظمی علیہما الرحمہ سے پڑھی۔ دورہ کے بعد مزید ایک سال تکمیل علوم میں رہے۔

فراغت کے بعد مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ کی ایما پر مدرسہ عربیہ بحرالعلوم نذیریہ، منیر، ضلع بلیا میں تدریس کے لئے گئے، جہاں تاحال تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، یکم جولائی ۲۰۱۸ء سے صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ راشد عمار قاسمی

نام: راشد عمار بن مولانا ضیاء الدین بن محمد حسن
تاریخ ولادت: ۱۵ر جولائی ۱۹۹۲ء (سرکاری کاغذات کی رُو سے)

پرائمری سے عالمیت تک کی مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ پرائمری درجہ چہارم تک پڑھ کر ۲۰۰۱ء میں حافظ فیضان الحق صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا، ۲۰۰۴ء میں حفظ کی تکمیل کی۔ ۲۰۰۵ء میں فارسی میں داخلہ لیا، فارسی مولانا محمد ہارون صاحب سے پڑھی جو یہاں ۳۰ر سال سے زائد عرصہ سے فارسی کے استاذ ہیں۔ عربی اول سے پنجم تک مکمل کر کے ۲۰۱۱ء میں دارالعلوم وقف میں داخلہ لیا۔ خیرآباد کے اساتذہ میں مولانا حافظ عبدالحی صاحب، مولانا محمد اصغر صاحب، مولانا فضل حق صاحب، مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی، مولانا محمد راشد صاحب اور مولانا ابرار احمد صاحب وغیرہ ہیں۔

دو سال دارالعلوم وقف میں رہ کر مشکوٰۃ اور دورۂ حدیث پڑھا، ۲۰۱۳ء میں فارغ ہوئے۔ بخاری شریف مولانا محمد سالم صاحب، مولانا محمد اسلم صاحب اور مولانا احمد خضر صاحب سے پڑھی، دیگر اساتذہ میں مولانا محمد اسلام صاحب، مولانا غلام نبی صاحب، مولانا محمد حسن صاحب اور مولانا محمد سفیان صاحب وغیرہ ہیں۔

فراغت کے بعد چند ماہ جامعۃ الشیخ اسعد مدنی جون پور میں تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد اب مستقل گھر پر رہ کر گھریلو کام کی دیکھ ریکھ میں رہتے ہیں، لکھنے پڑھنے کا ذوق اچھا ہے، اپنے والد ماجد کی کئی کتابوں کی ترتیب واشاعت میں شریک رہے ہیں، جیسے ضیاء اللسان، ضیاء البیان، ضیاء الخطاب وغیرہ، اس بات کی فکر میں رہتے ہیں کہ والد صاحب کے مضامین جو مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں ان کو یکجا کر دیا جائے، ان کی کوششوں سے ابھی ایک مجموعہ مضامین ''نمونے کی زندگی'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اچھے حافظ قرآن ہیں، لکھنے کا ذوق بھی ہے لیکن اس جانب توجہ کم ہے۔

مولوی حافظ محمد احمد قاسمی

نام: محمد احمد بن قاری وسیم احمد بن مولوی نثار احمد بن حاجی برکت اللہ
تاریخ ولادت: ۱۲؍دسمبر ۱۹۹۲ء

استاذ محترم قاری وسیم احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں، والد صاحب ایک بہترین حافظ اور قاری ہیں، اس لئے کم عمری میں ہی قرآن کریم سے ایک لگاؤ پیدا ہو گیا، اور پرائمری درجات سے ہی محنت و کوشش اور مشق کر کے قرآن تجوید کے ساتھ پڑھنے لگے، پرائمری درجہ چہارم مکمل کرنے کے بعد مولانا حافظ فیضان الحق صاحب کے پاس حفظ شروع کیا، استاذ کی نگرانی اور توجہ نے قرأت میں مزید نکھار پیدا کیا، ۲۰۱۰ء میں حفظ کی تکمیل کی۔

درجہ فارسی اور عربی درجات کے لئے مدرسہ شیخ الہند انجان شہید میں داخلہ لیا، اور وہاں چھ سال رہ کر جلالین تک تعلیم حاصل کی، اور ۲۰۱۵ء میں ایشیا کی معروف دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا اور ۲۰۱۷ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فضیلت حاصل کی۔

زمانۂ طالب علمی میں عربی زبان و ادب سے مناسبت کی وجہ سے جب فراغت کے بعد مزید ایک سال پڑھنے کا موقع ملا تو افتاء کے بجائے عربی ادب کو ترجیح دی اور ۲۰۱۷ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں عربی ادب میں داخلہ لیا اور اس کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد ۲۰۱۸ء میں ہندوستان کی مشہور درسگاہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ میں تدریس کے لئے تقرری ہوئی، اور مکمل تین سال کے بعد چوتھے سال والد صاحب کی علالت و کمزوری کی بنا پر گھر رہنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ماہ اگست ۲۰۲۱ء میں مستعفی ہو کر گھر آ گئے اور کچھ تجارت کا سلسلہ شروع کیا جو فی الحال جاری ہے۔

مولوی ہشام راشد بن مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی

نام: ہشام راشد بن مولانا حفیظ الرحمٰن بن حاجی محمد ابراہیم بن نصر اللہ
سن ولادت: ۲/دسمبر ۱۹۹۱ء۔ از ابتداء تا عربی پنجم مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۲ء میں دارالعلوم وقف میں ہفتم میں داخلہ لیا، شعبان ۱۴۳۵ھ (۲۰۱۴ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر یہیں سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد سے مستقل گھر پر ہیں۔

مولوی ابوہریرہ قاسمی

نام: ابوہریرہ بن مولانا احمد حسن بن حاجی محمد خلیل (محلّہ پچھّم)
تاریخ ولادت: یکم/جنوری ۱۹۹۳ء
ابتداء سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، مشکوٰۃ شریف جامعہ اسلامیہ بنارس میں پڑھی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے، اور ۲۰۱۹ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی۔ فی الحال گھریلو کام کے ساتھ انگلش وکمپیوٹر کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔

مولوی عبداللہ ندوی خیرآبادی

نام: عبداللہ بن حافظ محمد یوسف بن بن حاجی محمد حنیف بن محمد اسحاق
تاریخ پیدائش: ۵/فروری ۱۹۹۳ء۔ پرائمری درجہ تین تک مدرسہ منبع العلوم میں پڑھا، اس کے بعد اپنے چچا مولانا انوار احمد صاحب کے ساتھ جامعہ اسلامیہ مظفرپور چلے گئے اور وہاں مولانا کی سرپرستی میں اعدادیہ سے لے کر عالمیت تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۴۳۴ھ میں عالمیت کی تکمیل کے بعد ندوہ گئے جہاں دوسال میں تکمیل ادب کیا، تکمیل ادب سے فراغت ۱۴۳۶ھ میں ہوئی۔ فراغت کے بعد ایک سال پڑھایا اور اب گھر پر ہیں۔

مولانا حافظ عبدالقادر قاسمی

نام: عبدالقادر بن ماسٹر عزیز الرحمٰن بن حاجی محمد حسین بن حاجی عبدالکریم
تاریخ ولادت: ۱۷/ جولائی ۱۹۹۳ء

استاذی مولانا محمد افضل صاحب کے بھتیجے ہیں، ذہین وفطین اور بہترین صلاحیت کے مالک ہیں۔ آبائی وطن صوبہ بہار کے ضلع کیمور کا ایک گاؤں لیدری ہے، اب مستقل سکونت خیرآباد میں ہے۔ ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن تک اپنے آبائی وطن میں حاصل کی، اس کے بعد خیرآباد آگئے، یہاں مدرسہ منبع العلوم میں ان کے والد ماسٹر عزیز الرحمٰن اور بڑے والد مولانا محمد افضل صاحب تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہاں ۱۹۹۹ء میں پرائمری درجہ دوم میں داخلہ ہوا، پرائمری کی تکمیل کے بعد ۲۰۰۳ء میں حافظ فیضان الحق صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا جو اپنے فن کے ایک ماہر استاذ تھے۔ حفظ کی تکمیل کے بعد ۲۰۰۷ء میں فارسی میں داخلہ لیا، اور عربی اول نصف سال یعنی ششماہی تک مدرسہ منبع العلوم میں پڑھا، اس وقت مولانا محمد افضل صاحب کے کہنے پر منشعب کے کچھ اسباق میں نے بھی پڑھائے تھے۔

ششماہی کے بعد ربیع الاول ۱۴۳۰ھ (۲۰۰۹ء) میں مفتی ذیشان احمد صاحب کے یہاں انجان شہید مدرسہ شیخ الہند چلے گئے، وہاں عربی چہارم تک تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مولانا محمد افضل صاحب نے ان کو دیوبند بلالیا۔ جہاں شوال ۱۴۳۳ھ (۲۰۱۲ء) میں دوم پوزیشن کے ساتھ عربی پنجم میں داخلہ ہوا۔ چار سال یہاں رہ کر شعبان ۱۴۳۷ھ (مئی ۲۰۱۶ء) میں دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ایک سال مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کے یہاں تخصص فی الفقہ میں رہے، یہ ان کے تعلیمی سفر کا آخری سال ثابت ہوا۔

تدریس: شوال ۱۴۳۸ھ (جولائی ۲۰۱۷ء) میں تدریس کے لئے مفتی حبیب اللہ

صاحب چمپارنی کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ مہذب پور پہنچے، وہاں ''اونچی دوکان پھیکا پکوان'' والا معاملہ تھا، بقرعید تک صرف فارسی وعربی اول کے چند بچے آئے جس کی وجہ سے بقرعید بعد مولانا محمد افضل صاحب نے وجے واڑہ آندھرا پردیش بھیج دیا، تین ماہ کے بعد والد کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے گھر آ گئے۔ اس کے بعد میرٹھ کے ایک قصبہ ''سٹھلہ'' میں سوا سال تک رہے، جہاں تدریس کے ساتھ امامت وخطابت اور درس قرآن کی مشغولیت بھی رہی۔ وہاں سے دارالعلوم زکریا ٹرانسپورٹ نگر مرادآباد میں ایک سال رہے، وہاں ''چندہ'' کے لزوم نے اس درجہ متوحش کیا کہ مستعفی ہوکر گھر آ گئے اور کچھ عرصہ گھریلو کام میں مصروف رہے، اس دوران عارضی طور پر چھ ماہ مدرسہ منبع العلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ یکم ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۷/نومبر ۲۰۲۱ء یکشنبہ سے مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کے شعبۂ عربی میں مستقل تقرری ہوگئی اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولانا مفتی محمد مفیض خیرآبادی

نام: محمد مفیض بن محمد ابوذر

۱۵/مئی ۱۹۹۳ء بروز سنیچر محلّہ باغ خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ پرائمری اور حفظ کی تعلیم مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ حفظ کی تکمیل ۲۰۱۰ء میں قاری وسیم احمد صاحب کے یہاں کی۔ اس کے بعد فارسی سے عربی سوم تک تعلیم انجان شہید مدرسہ شیخ الہند میں حاصل کی۔ پھر عربی چہارم وپنجم منبع العلوم میں پڑھ کر ۲۰۱۵ء میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں عربی ہفتم ودورۂ حدیث شریف پڑھ کر ۲۰۱۷ء میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ۲۰۱۸ء میں دیوبند سے ہی تکمیل ادب کیا، پھر ۲۰۱۹ء میں تکمیل افتاء ریاض العلوم گورینی سے کیا۔ ۲۰۱۹ء سے تا حال مدرسہ عربیہ رحمانیہ ولید پور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ باصلاحیت اور ذہین وفطین نوجوان ہیں۔

مولوی حافظ محمد انس احیائی

نام: محمد انس بن مولانا اعجاز احمد بن حاجی محمد حنیف بن محمد اسحاق

سال ولادت ۱۹۹۴ء ہے۔ پرائمری کی تعلیم از اول تا پنجم مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج میں حاصل کی، جہاں ان کے والد محترم مولانا مفتی اعجاز احمد صاحب اعظمی مدرس اور مفتی تھے، پرائمری کے بعد حفظ کا آغاز بھی وہیں کیا، تکمیل مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی۔ اس کے بعد درجہ فارسی سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔

شعبان ۱۴۳۷ھ (مئی ۲۰۱۶ء) میں جلالین شریف (عربی پنجم) کا امتحان دیا، شوال ۱۴۳۷ھ میں جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں مشکوٰۃ شریف (ہفتم) کی تعلیم حاصل کی اور دورۂ حدیث مشرقی یوپی کی بافیض وممتاز درسگاہ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور سے پڑھ کر شعبان ۱۴۳۹ھ (اپریل ۲۰۱۸ء) میں فراغت حاصل کی۔ بخاری شریف مولانا محمد امین صاحب اور مولانا مفتی محمد یاسر صاحب سے پڑھی۔

مطالعہ اور مضمون نگاری کا ذوق ابتداء ہی سے ہے، دوران طالب علمی اساتذہ کی نگرانی میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ عربی پنجم کے سال ''المنبع'' کی ادارت کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ فراغت کے بعد ہاتھیہ ضلع متھرا کے ایک مدرسہ میں مدرس ہوکر گئے، جہاں قاعدہ بغدادی سے عربی دوم تک کی کتابیں پڑھائیں۔ تقریباً دوسال پڑھانے کے بعد لاک ڈاؤن کی وجہ سے گھر آگئے، اس کے بعد ۲۸/ اکتوبر ۲۰۲۰ء سے رام گڈھ ضلع الور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، خاندانی احوال کے لئے ان کے بڑے والد مولانا انوار احمد صاحب کا تذکرہ دیکھا جائے۔ استاذی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے سب سے بڑے نواسے ہیں۔

مولانا مفتی شاہد مغنی قاسمی

نام: شاہد مغنی بن ڈاکٹر زین الحق بن محمد اسحاق بن شیخ احمد

تاریخ ولادت: ۴/اپریل ۱۹۹۴ء (مدرسہ کے سرٹیفکیٹ کے اعتبار سے)

نیک، صالح، کم گو، سنجیدہ اور متین نوجوان ہیں۔ پرائمری، حفظ وقرأت سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ عربیہ منبع العلوم میں حاصل کی، یہاں سے جلالین شریف پڑھ کر ۲۰۱۳ء میں دیوبند گئے، اور دارالعلوم وقف میں دوسال پڑھ کر ۲۰۱۵ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد عربی ادب کے لئے دارالعلوم زکریا مرادآباد میں داخلہ لیا، لیکن آب وہوا کے راس نہ آنے کی وجہ سے چند ماہ کے بعد وطن واپس آ گئے، ۲۰۱۶ء میں دوبارہ عربی ادب کی تکمیل کے لئے مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور یہاں سے تکمیل ادب کیا۔ ۲۰۱۷ء میں مشرقی یوپی کی ممتاز درسگاہ جامعہ احیاء العلوم سے مولانا مفتی محمد امین صاحب، مولانا مفتی محمد یاسر صاحب وغیرہم کی سرپرستی میں افتاء کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی کے مشورہ پر دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ دورۂ حدیث پڑھنے کے لئے امتحان دیا، اور ۲۰۱۸ء میں دوبارہ دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ اس طرح وقف اور دارالعلوم دیوبند دونوں اداروں کی سند حاصل کر لی۔

فراغت کے بعد جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کے ارباب انتظام اور ان کے اساتذہ نے اعزازی طور پر تدریسی خدمات کے لئے اپنے ادارہ میں رکھ لیا، جہاں میزان ومنشعب، پنج گنج، نورالایضاح، قدوری اور شرح وقایہ جیسی کتابیں زیر درس ہیں۔ تاحال تدریسی خدمات کا سلسلہ جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ دانش سہیل قاسمی

نام: دانش سہیل بن اشتیاق احمد بن حاجی غفران احمدؒ محلّہ اٹھوریا

تاریخ پیدائش: ۲؍جولائی ۱۹۹۴ء۔ پرائمری سے عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ ۲۰۰۳ء میں حافظ فیضان الحق صاحب کے یہاں حفظ شروع کیا اور ۲۰۰۷ء میں مکمل کیا۔ ۲۰۱۳ء میں جلالین پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے جہاں دوسال مشکوٰۃ اور دورہ حدیث پڑھ کر ۲۰۱۵ء میں فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ۲۰۱۶ء میں دارالعلوم زکریا مرادآباد میں عربی ادب کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد سراج العلوم چھپرہ چریاکوٹ میں تین سال تک درجہ حفظ کے استاذ رہے، گزشتہ سال وہاں سے مستعفی ہوگئے، اور اس وقت مدرسہ فیض القرآن ٹھیکما ضلع اعظم میں شعبۂ حفظ اور تصحیح قرآن کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی عامر سہیل قاسمی

نام: عامر سہیل بن اختر الاسلام بن مشتاق شیدائی

تاریخ ولادت: ۲۵؍جولائی ۱۹۹۵ء۔ ابتداء سے عالمیت تک تعلیم منبع العلوم میں حاصل کی۔ ۲۰۱۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی۔ اس کے بعد دوسال میں مولانا متین الحق اسامہ صاحب کے ادارہ حق ایجوکیشن کانپور سے انگریزی زبان کا کورس کیا۔

اس وقت مدرسہ منبع العلوم میں انگلش ٹیچر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف خیرآباد کے معروف شاعر مشتاق شیدائیؔ صاحب کے پوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ عامر کلیم قاسمی

نام: عامر کلیم بن حافظ حفیظ الرحمٰن بن محمد حنیف۔ محلّہ اتراری
تاریخ ولادت: ۱۳؍اگست ۱۹۹۵ء۔ منبع العلوم سے عالمیت کی تکمیل کے بعد ہفتم جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب میں پڑھ کر دیوبند گئے، فراغت ۲۰۱۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے ہوئی۔ اس وقت مدرسہ دینیات کوہنڈہ اعظم گڈھ میں استاذ ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ وصی الحق قاسمی

نام: وصی الحق بن مولانا ظہیر الحق بن مولانا عبدالحی۔ محلّہ اتراری
سن ولادت: ۲۱؍ستمبر ۱۹۹۵ء۔ از ابتداء تا عربی پنجم مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۸ء میں دارالعلوم وقف سے دورہ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے، اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عربی ادب کیا، اسی دوران لکھنؤ یونیورسٹی سے ماڈرن عربی ایم اے اور کمپیوٹر کورس کیا۔ اس وقت دبئی میں ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ رضوان دانش قاسمی

نام: رضوان دانش بن مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی بن حاجی محمد ابراہیم درگاہی
تاریخ پیدائش: ۲؍فروری ۱۹۹۶ء۔ پرائمری، حفظ اور عربی پنجم تک مدرسہ منبع العلوم میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں سے ۲۰۱۸ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔

مولوی محمد حذیفہ قاسمی

یہ مولانا مفتی اعجاز احمد صاحب قاسمی خیرآبادی کے بیٹے اور استاذی مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے نواسے ہیں، نیک، صالح اور باصلاحیت نوجوان ہیں۔

نام: محمد حذیفہ بن مولانا اعجاز احمد بن حاجی محمد حنیف بن محمد اسحاق

یکم رجنوری ۱۹۹۵ء کو پیدا ہوئے، والد، بڑے والد دونوں اچھے عالم اور مدرس ہیں، اور نانا تو ہمارے دیار کے مشہور ومعروف عالم دین ہیں، اس لئے کہنا چاہئے کہ ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں جہاں علم دین اور قال اللہ وقال الرسول کا چرچا ہر آن تھا۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج میں جہاں والد ماجد پڑھاتے تھے، اور نانیہال بھیرہ (مدرسہ رحیمیہ) میں ہوئی۔ اس کے بعد فارسی وعربی کی تعلیم اپنے وطن خیرآباد میں مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی، یہاں عربی چہارم پڑھ کر نانا کے ایما پر شوال ۱۴۳۴ھ [اگست ۲۰۱۳ء] میں مدرسہ سراج العلوم چھپرہ آگئے، جہاں عربی پنجم پڑھ کر دیوبند گئے، مجھ سے جلالین شریف اور دیوان متنبّی وحماسہ باب الادب پڑھا ہے۔

شوال ۱۴۳۵ھ میں دیوبند میں موقوف علیہ میں داخلہ لیا اور دوسال رہ کر شعبان ۱۴۳۷ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔ اور اس وقت مدرسہ اسلامیہ امداد العلوم مغلوشاہ، نجیب آباد ضلع بجنور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شعروشاعری سے بھی شغف ہے، خضر تخلص ہے، گزشتہ دنوں میں نے ان کا کلام دیکھا ہے جو اُن کے روشن مستقبل کی نوید ہے۔ حالات سے مزید واقفیت کے لئے ان کے والد ماجد اور بڑے والد مولانا انوار احمد صاحب [صاحب تصانیف کثیرہ] کے حالات دیکھ لئے جائیں، وہاں خاندانی حالات کسی قدر تفصیل سے موجود ہیں۔

مولوی شفیق الرحمٰن قاسمی

نام: شفیق الرحمٰن بن اسرار الحق بن حاجی اقبال احمد بن حاجی محمد سلیمان۔
یکم رفروری ۱۹۹۶ء کو محلہ اتراری میں پیدا ہوئے۔ ابتداء سے عربی پنجم تک مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۹ء میں دارالعلوم وقف سے فضیلت کی تکمیل کی، اس کے بعد انگلش کورس کیا، اس وقت گھر پر ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ شاہد اختر مظاہری

نام: شاہد اختر بن محمد فاروق بن محمد یاسین۔ محلہ اتراری
سن ولادت: ۱۸ر مارچ ۱۹۹۶ء۔ از ابتداء تا عربی پنجم مدرسہ منبع العلوم میں تعلیم حاصل کی۔ مظاہر علوم سہارن پور سے ۲۰۱۸ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ابی بن کعب حیدرآباد سے تدریس کا آغاز کیا، فی الحال مدینۃ العلوم گجرولی (ہاتھرس) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی حافظ محمد عارف خیرآبادی

نام: حافظ محمد عارف بن حاجی اشتیاق احمد بن حافظ نیاز احمد، محلہ اٹھوریا
تاریخ ولادت: ۲ر جولائی ۱۹۹۷ء، پرائمری، حفظ اور عربی پنجم تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ ۲۰۱۸ء میں جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب سے فراغت حاصل کی۔

مولوی حافظ محمد تابش قاسمی ندوی

نام: محمد تابش بن امتیاز احمد بن عبدالکریم بن محمد اسحاق

تاریخ ولادت: ۱۵/ مارچ ۱۹۹۶ء

مولوی حافظ محمد تابش سلّمہٗ میرے پڑوسی، ایک سنجیدہ، صالح اور مطالعہ کا ذوق رکھنے والے نوجوان ہیں، قرآن پاک نہایت عمدہ پڑھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم سے عربی پنجم تک سب کچھ مدرسہ منبع العلوم میں پڑھا۔ پرائمری کے بعد درجہ حفظ میں داخلہ لیا، اور اپنے ماموں استاذی قاری وسیم احمد صاحب کے یہاں ۲۰۱۱ء میں حفظ مکمل کیا، ان کی تعلیم وتربیت اور دینی ذوق ومزاج کی آبیاری میں قاری صاحب کا بہت دخل ہے۔

فارسی وعربی کی تعلیم کی تکمیل ۲۰۱۷ء میں ہوئی، اس کے دارالعلوم دیوبند گئے، جہاں دوسال ہفتم اور دورہ حدیث پڑھ کر ۲۰۱۹ء میں فارغ ہوئے۔ بخاری شریف مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری سے پڑھی۔ دیگر اساتذہ میں مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب، مولانا نعمت اللہ صاحب، مولانا قمرالدین صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، وغیرہ ہیں۔

فراغت کے بعد عربی زبان وادب میں رسوخ وپختگی کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، اور **الدراسات العلیا فی الادب** سے عربی ادب میں اختصاص کیا۔ وہاں کے اساتذہ میں مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی، مولانا نذر الحفیظ صاحب ازہری ندوی، مولانا خالد صاحب غازی پوری اور مولانا علاء الدین ندوی وغیرہ۔

لکھنے پڑھنے کا ذوق خوب ہے، اس سلسلہ میں استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب کی رہنمائی حاصل کی، جس کی وجہ سے روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

☆☆☆☆☆

مولوی طارق جمال قاسمی

نام: طارق جمال بن حاجی حفظ الرحمٰن بن حاجی عباد اللہ بن نصر اللہ
تاریخ ولادت: ۲؍مئی ۱۹۹۶ء (سرٹیفکیٹ کے مطابق)

یہ میرے چچازاد بھائی ہیں، یہ ہمارے دادا کے سب سے چھوٹے بھائی حاجی عباد اللہ صاحب کے پوتے ہیں، خاندان کی اس شاخ میں یہ تنہا عالم ہیں۔

پرائمری سے عربی پنجم تک تعلیم تمام تر مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ شوال ۱۴۳۳ھ/ اگست ۲۰۱۲ء میں دیوبند گئے اور دار العلوم وقف میں داخلہ لے کر دو سال میں مشکوٰۃ شریف اور دورۂ حدیث پڑھ کر شعبان ۱۴۳۵ھ (جون ۲۰۱۴ء) میں فراغت حاصل کی۔ یہاں قیام کے دوران مولانا محمد سالم صاحب سے تبرکاً میزان پڑھی، اس لئے کہ انھوں نے میزان حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ سے پڑھی تھی۔ اس طرح ایک واسطہ سے حضرت تھانوی کے شاگرد ہو گئے۔ دارالعلوم وقف میں انھوں نے مولانا سالم صاحب سے بخاری شریف کا کچھ حصہ اور مسلسلات پڑھی۔ مکمل بخاری جلد اول مولانا احمد خضر صاحب سے اور جلد ثانی مولانا محمد اسلم صاحب سے پڑھی۔ اس کے علاوہ مولانا محمد اسلام صاحب سے مسلم شریف، مولانا غلام نبی کشمیری سے ترمذی شریف، مولانا عبد اللطیف صاحب سے شمائل ترمذی، مولانا محمد فاروق سے ترمذی کا کچھ حصہ۔ مولانا محمد حسن باندوی سے ابوداؤد شریف جلد اول، مفتی محمد احسان صاحب سے ابوداؤد جلد دوم۔ مولانا فرید الدین صاحب سے نسائی، مولانا محمد قمر صاحب سے ابن ماجہ، مفتی محمد عارف صاحب سے طحاوی، قاری محمد واصف عثمانی سے مؤطا امام محمد اور مولانا محمد سفیان صاحب (مہتمم دار العلوم وقف) سے مؤطا امام مالک پڑھی۔

اس وقت تک اپنے گھریلو کاروبار میں مصروف ہیں، کبھی تدریس سے وابستگی نہیں رہی۔

مفتی اشرف نہال مصباحی

نام: اشرف نہال بن کلیم احمد بن مولانا محمد عمر اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

موصوف گاؤں کے باصلاحیت نوجوان علماء میں سے ہیں۔ ان کے جدامجد مولانا محمد عمر صاحب اشرفی علیہ الرحمہ قصبۂ خیرآباد کے ممتاز اور جید عالم دین تھے۔ جو ایک زمانے تک مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم میں منصب صدارت پر متمکن رہ کر تشنگان علوم نبویہ کو سیراب کرتے رہے، اس ادارہ کو دارالعلوم کی شکل وہیئت میں لانے اور اسے بام عروج تک لے جانے میں آپ کا مرکزی وکلیدی رول رہا ہے۔ آپ کے بلند علمی مقام ومنصب کا اندازہ آپ کے ان شاگردوں سے لگایا جاسکتا ہے جو خود اپنی اپنی جگہ ایک مستقل حیثیت کے مالک ہیں، جیسے مولانا محمد احمد صاحب مصباحی، مولانا یٰسین اختر صاحب مصباحی، مولانا احمد القادری اور مولانا شمس الضحیٰ ضیائی وغیرہم۔ مجھے افسوس ہے کہ قصبہ کی اس بلند پایہ شخصیت کے حالات اس تذکرہ میں شامل نہیں ہیں، خدا کرے کہ طبع دوم میں یہ کمی دور ہو جائے۔

۳/ جون ۱۹۹۶ء کو محلّہ پرانا بازار میں ایک علمی ودینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اور اس وقت محلّہ نیا پورہ خیرآباد میں سکونت پذیر ہیں۔

قرآن مجید ناظرہ، پرائمری سے عربی سادسہ تک تعلیم دارالعلوم عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد میں حاصل کی، یہ مفتی ذیشان ضیاء کے درسی ساتھی ہیں، دونوں حضرات کے اساتذہ تقریباً ایک ہی ہیں، اس لئے حضرات اساتذہ کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ ۲۰۱۵ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جماعت سابعہ میں داخلہ لیا اور دو سال رہ کر وہاں جید وممتاز اساتذہ سے اکتساب علم وفیض کے بعد ۱/ مارچ ۲۰۱۷ء میں جامعہ سے سند فراغت اور دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ کے شعبہ تحقیق وافتا میں داخلہ لیا اور ۲۰۱۹ء میں دستارِ

تحقیق و افتا سے سرفراز ہوئے۔ اس کے علاوہ مدرسہ بورڈ کے سارے امتحانات (منشی، مولوی عالم، کامل فاضل) پاس کئے، نیز فروغ اردو زبان قومی کونسل دہلی کے زیر اہتمام چلنے والا عربی سے اردو دو سالہ ڈپلومہ کورس کیا۔

تدریس: فراغت کے بعد اپنے شفیق و کرم فرما استاذ مولانا صدر الوریٰ قادری صاحب نائب شیخ الحدیث کے حکم پر صوبہ راجستھان کی مشہور و معروف دینی و علمی درس گاہ دار العلوم فیضانِ اشرف باسنی ناگور گئے اور وہاں ایک سال خدمت تدریس انجام دی۔ سال کے اخیر میں لاک ڈاؤن لگا تو کچھ دنوں کے بعد گھر آ گئے، پھر اپریل ۲۰۲۱ میں شہر ناگور کی مشہور و معروف و قدیم علمی درسگاہ دار العلوم صوفیہ حمیدیہ ناگور، راجستھان میں پرنسپل و ناظم تعلیمات کے عہدے پر تقرری ہوئی، فی الحال یہیں پر درس و تدریس میں مصروف ہیں۔

تصنیف و تالیف: اصلاح اعتقاد و اعمال مطبوعہ (مشترک) ۲۔تعلیمات نبوی کے دس تابندہ نقوش (زیر تالیف) ۳۔اصلاح اعتقاد و عمل مع اضافہ مسائل مہمہ زیر ترتیب ہے۔اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر متعدد مقالے لکھے۔جن میں سے چند یہ ہیں:

رسائل ابن عابدین شامی: ایک تعارف (جامعہ اشرفیہ کے ایک تحریری مسابقے میں اس مقالے کے سبب اعزازی انعام سے نوازا گیا)۔ مدارک التنزیل: ایک تجزیاتی مطالعہ۔صحابۂ کرام کا عشق رسول۔ جنگ آزادی میں علمائے اہل سنت کی خدمات وغیرہ

تقریر و خطابت: دورِ طالب علمی سے ہی تقریر سے کافی شغف رہا ہے۔اور مبارک پور کے زمانۂ تعلیم سے لے کر اب تک اگر علاقے میں ہوتے ہیں تو محلّہ انصار نگر کلینڈر کی نوری مسجد میں جمعہ کی خطابت و امامت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔فی الحال شہر ناگور کی رضا جامع مسجد میں خطابت و امامت کے منصب پر فائز ہیں۔

فتویٰ نویسی: فقہ سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے فراغت کے بعد افتاء کی تکمیل کی، اور اس کے بعد سے فقہی سوالات کے جواب دینے کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا مفتی ابوحذیفہ قاسمی ازہری

نام:ابوحذیفہ بن حاجی ارشاد احمد بن حاجی خلیل احمد

تاریخ ولادت:۶/جولائی ۱۹۹۶ء

موصوف خیرآباد کے نوجوان، ہونہار ذہین وفطین عالم ہیں، یہاں کے عام دستور کے مطابق ابتداء سے عربی پنجم تک تمام تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ یہاں سے ۲۰۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا،اس کے بعد اگلے سال ۲۰۱۴ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔دورہ کے بعد انھوں نے ۲۰۱۵ء میں تکمیل ادب کیا، ۲۰۱۶ء میں تخصص فی الادب کیا، ۲۰۱۷ء و۲۰۱۸ء دوسال میں تخصص فی الحدیث کی تکمیل کی،اس کے بعد ۲۰۱۹ء میں افتاء کیا۔میرے علم میں خیرآباد میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے دارالعلوم سے دورہ کے بعد اتنی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔دارالعلوم دیوبند میں انھوں نے عربی ادب میں بطور خاص مولانا نورعالم صاحب خلیل امینی اور مولانا عارف جمیل صاحب سے استفادہ کیا اور عربی زبان وادب میں مہارت بہم پہنچائی۔اسی طرح علم حدیث میں مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی اور مولانا عبداللہ صاحب معروفی سے خصوصی طور پر استفادہ کیا۔اسی طرح افتاء کے سال مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی کی خدمت میں رہ کر فقہ وفتاویٰ کے اندر رسوخ حاصل کیا۔

انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا، ان کی تشنگیٔ علم نے ان کو بین الاقوامی تعلیمی ادارہ جامعۃ الازہر مصر تک پہنچادیا، جہاں انھوں نے گزشتہ سال ۲۰۲۰ء میں کلیۃ الشریعۃ و القانون، وشعبہ اصول الفقہ میں داخلہ لیا اور تا حال وہیں زیر تعلیم ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں خوب برکت دیں،ان جیسے نوجوانوں کو دیکھ کر قلبی مسرت ہوتی ہے۔

مولوی محمد حسان قاسمی

نام: محمد حسان بن مولانا عبدالحی بن مولانا نذیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ ۱۹/اگست ۱۹۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ صدر صاحب (مولانا نذیر احمد صاحب) کے پوتے اور مولانا عبدالحی صاحب کے لڑکے ہیں۔ مدرسہ چشمہ فیض ادری میں جہاں آپ کے والد مولانا عبدالحی صاحب مدرس تھے ناظرہ اور پرائمری سات تک کی تعلیم حاصل کی۔ ادری کے بعد مولانا عبدالحی صاحب مدرسہ مدنی دارالتربیت کرمالی بھروچ گجرات شیخ الحدیث بن کر تشریف لے گئے، وہیں انھوں نے عربی اول سے پنجم تک حاصل کی۔

اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں عربی ششم میں داخلہ لیا، اور وہاں سے ۲۰۱۵ء میں دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی۔ فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں ۲۰۱۶ء میں تکمیل علوم اور ۲۰۱۷ء میں تکمیل ادب بھی کیا، اس کی وجہ سے عربی زبان پر اچھی دسترس ہوگئی۔

دارالعلوم دیوبند کے بعد اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انگریزی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور گجرات میں داخلہ لیا اور دو سال تک زیر تعلیم رہ کر انگلش میں بھی پختگی پیدا کی، وہاں سے ۲۰۱۹ء میں فراغت کے فوراً بعد ہی گجرات کے ضلع سابر کانٹھا کے ایک گاؤں مانگڈھ (اسلامپورہ) میں واقع جامعہ تحفیظ القرآن میں بطور مدرس کے تقرری ہوئی، جس میں عربی زبان، انگریزی زبان اور دیگر علوم شرعیہ کی کتابیں زیر تدریس ہیں، تین سال سے یہیں تدریسی خدمت انجام دے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ترقیات سے نوازیں۔

ان لوگوں کا مستقل قیام والدہ کے ساتھ گجرات میں ہے، گاہے بگاہے وطن خیرآباد آمد ہوتی ہے۔

مولوی محمد ارشد بن قاری وسیم احمد صاحب

نام: محمد ارشد بن قاری وسیم احمد بن نثار احمد بن برکت اللہ

تاریخ ولادت: یکم/جنوری سن ۱۹۹۶ء

موصوف خیرآباد کی معروف ومتحرک اور رجال ساز شخصیت استاذی حافظ وقاری وسیم احمد صاحب کے فرزند ہیں، قاری صاحب کے تفصیلی حالات گزشتہ صفحات میں آچکے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اور علم دین سے ان کو کس قدر لگاؤ ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے فرزندوں کے لئے بھی دینی تعلیم کا انتخاب کیا۔ چنانچہ انھوں نے ابتداء تعلیم سے عربی پنجم تک سب کچھ گاؤں کے ہی ادارہ مدرسہ منبع العلوم میں ہی پڑھا، اور ۲۰۱۸ء میں دارالعلوم مئو سے دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی سند حاصل کی۔

اس کے معاً بعد ہی بسلسلۂ معاش ابوظبی چلے گئے، دوسال وہاں گزار کر ۲۰۲۰ء میں وطن لوٹ آئے، اس وقت ہندوستان کی تجارتی راجدھانی ممبئی میں پیشۂ تجارت سے منسلک ہیں، تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مولوی سعد اللہ راشد بن مولانا محمد راشد صاحب

نام: سعد اللہ راشد بن مولانا محمد راشد بن شبیر احمد۔ محلہ اترای

تاریخ پیدائش: یکم/اکتوبر ۱۹۹۷ء۔ ابتداء سے عالمیت تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی اس کے بعد دیوبند گئے، جہاں دارالعلوم وقف سے ۲۰۱۸ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔ فی الوقت گھر پر اپنے گھریلو کاروبار کی مشغولیت ہے۔

☆☆☆☆☆

مفتی محمد ذیشان ضیاؔ مصباحی

نام: محمد ذیشان بن بدرالدجی بن حاجی محمد یٰسین بن محمد نذیر بن حاجی عبدالرحمٰن بن حاجی نورالله بن محمد اسماعیل تخلص: ضیاء

خیرآباد کے ایک متحرک وفعال اور باصلاحیت نوجوان عالم ہیں، تدریس، تقریر اور تحریر تینوں میں درک رکھتے ہیں، شعروشاعری سے بھی گہراؤ ہے۔ ۴/ جون ۱۹۹۷ء کو محلّہ پچھم باغ، خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ موجودہ سکونت: ۲۰۱۷ء سے محلّہ نیاپورہ خیرآباد میں ہے۔

ابتدا سے لے کر سادسہ تک کی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد میں ہوئی، یہاں کے اساتذہ میں مولانا بدرالدجی رضوی صاحب (پرنسپل)، مولانا عبدالغفار اعظمی صاحب، مولانا اظہار احمد مصباحی صاحب، مولانا نذیر احمد منانی صاحب، مولانا محبوب احمد عزیزی صاحب اور، مولانا عبدالعلی صاحب عزیزی وغیرہم ہیں۔ ۲۰۱۵ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا جہاں دوسال تعلیم حاصل کرنے کے بعد یکم/ مارچ ۲۰۱۷ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اس کے بعد شعبۂ تحقیق فی الفقہ میں داخلہ لیا اور دوسال میں ۲۰۱۹ء میں اس کورس کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ مدرسہ بورڈ کے سارے امتحانات منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل وغیرہ پاس کرکے سندیں حاصل کیں نیز عربی ڈپلومہ کیا۔ سند اجازت احادیث نبویہ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب (ناظم تعلیمات) سے اور سند اجازت قرآن مجید وفقہ حنفی مفتی نظام الدین رضوی صاحب (صدر شعبہ افتاء) سے حاصل ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے دیگر اساتذہ میں مفتی محمد نسیم مصباحی صاحب، مفتی محمد معراج القادری صاحب (رحمہ الله)، مفتی بدر عالم مصباحی صاحب (پرنسپل جامعہ اشرفیہ)، مولانا صدرالوریٰ قادری صاحب اور مولانا ناظم علی مصباحی صاحب وغیرہم ہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد مرکز اہل سنت دارالعلوم فیض رضا حیدرآباد دکن گئے، وہاں ایک سال رہے، اور مشکوٰۃ، جلالین اور نورالانوار جیسی کتابیں زیرِ درس رہیں۔ سال کے اخیر میں لاک ڈاؤن لگا تو کچھ ایام وہاں رہنے کے بعد گھر آ گئے، پھر ۳/اگست ۲۰۲۱ء کو مدرسہ ضیاءالعلوم خیرآباد میں تقرری ہوئی اور تاحال یہیں پر درس وتدریس میں مصروف ہیں۔

تصنیف وتالیف: (۱) اصلاحِ اعتقاد واعمال مطبوعہ۔ (۲) متونِ مذہب حنفی اور ان کے مصنفین (غیر مطبوعہ) یہ درجۂ تحقیق کا مقالہ ہے جو فل اسکیپ کے سوصفحات پر مشتمل ہے۔ (۳) بہارِ حدیث (پانچ سو منتخب احادیث کا مجموعہ) غیر مطبوعہ (۴) عقیدوں کی روشنی۔ (زیرِ ترتیب) (۵) **الأدعیة الماثورة** (چالیس مسنون دعائیں مع ترجمہ) غیر مطبوعہ۔ (۶) **اربعون حدیثاً فی فضائلِ قل ھو اللہ** جمال الدین یوسف الارمیونی، ترجمہ غیر مطبوعہ (۷) نغماتِ ضیاء (مجموعہ نعت ومنقبت) غیر مطبوعہ (۸) برکاتِ عیدین زیرِ ترتیب۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر متعدد مضامین لکھے۔ جن میں سے چند یہ ہیں: **دراسة تحليلية لرسائل ابن عابدين الشامي** (عربی) [اس مضمون پر جامعہ اشرفیہ میں ایک تحریری مسابقہ میں دوسری پوزیشن حاصل ہوئی]۔ کورونا کے متعدی ہونے کی شرعی حیثیت۔ اسلام اتحاد کا مذہب تو مسلمانوں میں اختلاف کیوں؟

تقریر وخطابت: دورِ طالب علمی سے ہی تقریر سے کافی شغف رہا ہے، اس وقت سے لے کر اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ پاس پڑوس کی محافلِ میلاد اور جلسوں میں مدعو کئے جاتے ہیں۔ تقریباً چار پانچ سالوں سے مدرسہ ضیاءالعلوم خیرآباد سے متصل جامع مسجد اہل سنت بھلئی گرہست میں گاہے بگاہے جمعہ سے پہلے تقریر کرتے ہیں۔

فتویٰ نویسی: زمانۂ طالب علمی سے ہی علم فقہ خاص دلچسپی کا موضوع تھا، افتاء کے بعد یہ ذوق اور بڑھا، جس کے نتیجہ میں وقتاً فوقتاً سوشل میڈیا اور دیگر ذرائع سے کئے گئے سوالات کا مدلل اور تشفی بخش جوابات دیتے ہیں۔

شعروشاعری: چند نمونۂ کلام ملاحظہ فرمائیں:

تضمین برکلام مولانا ڈاکٹر منصور فریدی صاحب

ہر سورتِ کلامِ خدا جانِ نعت ہے　　کیا ہو رقم ثنائے امامِ پیمبراں
ہر آیت مقدسہ گلدانِ نعت ہے　　ہے ماورائے عقل مقامِ شہِ جناں
قرآن پڑھ کے دیکھئے کیا شانِ نعت ہے　　ہر صاحبِ شعور و خرد پر یہ ہے عیاں
ہر حرف تازہ پھول بہ عنوان نعت ہے　　مرغِ خیال آج بھی پہونچا نہیں وہاں
قرآن اک شگفتہ گلستانِ نعت ہے　　تعمیر جس بلندی پہ ایوانِ نعت ہے

ذیشان و پُر ضیا ہے درِ عظمتِ حضور
ان کی گلی کا حسن ہے رشکِ جمالِ طور
اپنی سخنوری پہ نہ کرنا کبھی غرور
ہرگز نہ کر سکے گا فریدی کوئی عبور
وسعت بہت لئے ہوئے میدانِ نعت ہے

مظہرِ جلوۂ رحمٰن مدینے میں رہے　　مہبطِ آیتِ قرآن مدینے میں رہے
اللہ اللہ مرے گل کی وہ عطر افشانی　　خار رشکِ گلِ ریحان مدینے میں رہے
زندگی بخش ہے پر لطف ہے طیبہ کی فضا　　"زندہ رہنا ہے تو انسان مدینے میں رہے"
ظلمتِ بخت چھٹے اور ضیاء ہوجائے　　ایک لمحہ جو یہ ذیشان مدینے میں رہے
ہے تمنائے ضیاء زیست میں اے شاہِ امم　　کم سے کم ایک ہی رمضان مدینے میں رہے

☆☆☆☆☆

چمکے مری زباں پہ صداقت کا آئینہ　　مجھ کو اگر ملے تری مدحت کا آئینہ
صورت کی اک جھلک تو دو عالم کا نور ہے　　قرآن ہے رسول کی سیرت کا آئینہ
پھوٹی عرب کے چاند کے عارض سے وہ کرن　　نورانیت میں ڈھل گیا ظلمت کا آئینہ
مجھ کو نہیں ہے خوفِ نکیرین اے ضیاءؔ　　چمکے گا میری قبر میں رحمت کا آئینہ

مولوی حافظ ابوالقاسم قاسمی

نام: ابوالقاسم بن ماسٹر عزیز الرحمٰن بن حاجی محمد حسین بن حاجی عبدالکریم
تاریخ ولادت: ۱۷؍جولائی ۱۹۹۷ء

مدرسہ منبع العلوم خیرآباد کے نہایت ذہین وہونہار طالب علم تھے، ان کے بڑے والد مولانا محمد افضل صاحب اور ان کے بھائی مولانا عبدالقادر صاحب کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، خاندانی حالات وہاں ذکر کئے گئے ہیں۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر درجہ عربی پنجم عالمیت تک کی مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی۔

۲۰۰۴ء میں درجہ پرائمری ایک میں داخلہ ہوا۔ ۲۰۰۸ء میں درجہ پنجم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد حافظ وقاری مظفر مسعود ولید پوری کے پاس حفظ شروع کیا، جس کی تکمیل مولانا حافظ جاوید احمد قاسمی خیرآبادی کے یہاں ۲۰۱۲ء میں ہوئی۔ اس کے بعد ایک سال فارسی پڑھی۔ ۲۰۱۳ء میں عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور ۲۰۱۷ء میں جلالین پڑھ کر عالمیت کی تکمیل کی، عربی اول سے عربی پنجم تک سوائے ایک بار دوم پوزیشن لانے کے ہمیشہ اپنی جماعت میں پہلی پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ عربی پنجم میں 98.83 فیصد نمبر حاصل کیا۔

۲۰۱۸ء میں فضیلت کے لئے دارالعلوم دیوبند گئے۔ وہاں عربی ہفتم میں داخلہ کے لئے امتحان دیا اور 93.65 اوسط لاکر ''پہلی پوزیشن'' حاصل کی۔ ۲۰۲۰ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فضیلت کی تکمیل کی، اور دورۂ حدیث شریف میں ۱۷۰۰؍طلبہ میں 93.25 اوسط کے ساتھ اول پوزیشن حاصل کی جو ایک اعزاز کی بات ہے۔ اس وقت تکمیل افتاء دارالعلوم دیوبند کے طالب علم ہیں۔ ششماہی امتحان میں 94.00 اوسط کے ساتھ دوسری پوزیشن حاصل کی، سلسلۂ تعلیم جاری ہے، اللہ تعالیٰ ترقیات سے نوازے۔

مولوی حافظ عبداللہ فرحان خیرآبادی

نام: عبداللہ فرحان بن مولانا کمال اختر بن محمد نذیر [سکریٹری] بن حاجی حمید اللہ
تاریخ ولادت: ۸ر مئی ۱۹۹۸ء

ابتداء سے لے کر عربی پنجم تک بیشتر تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی ہے، درمیان میں کچھ عرصہ مدرسہ مدینۃ العلوم بگی روڈ گونڈہ میں رہے جہاں ان کے والد مدرس تھے۔ حفظ کے استاذ مولانا حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، دیگر اساتذہ میں مولانا حافظ عبدالحئ صاحب مفتاحی، مولانا فضل حق صاحب، مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب مدنی، مولانا ابرار احمد صاحب، مفتی جاوید اختر صاحب اور مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی وغیرہ ہیں۔

مشکوٰۃ شریف [عربی ہفتم] جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں پڑھ کر دورۂ حدیث کے لئے دارالعلوم وقف میں داخلہ لیا، اور ۲۰۱۹ء میں دارالعلوم وقف سے فراغت حاصل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں مولانا محمد سفیان صاحب، مولانا احمد خضر صاحب کشمیری شیخ الحدیث، مولانا محمد اسلام صاحب، اور مولانا مفتی محمد احسان صاحب وغیرہ ہیں۔

نومبر ۲۰۱۹ء سے نومبر ۲۰۲۰ء تک سال بھر العین ابوظہبی میں ملازمت کی۔ اس وقت جامعہ عربیہ مفتاح العلوم بڑی مسجد گدڑی بازار بلیا میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، یہ وہاں کا قدیم ادارہ ہے، جس کی بنیاد علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی وشیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے رکھی تھی۔

اس وقت تدریسی مصروفیات کے ساتھ مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے بیانات کو ترتیب دے رہے ہیں۔

مولوی محمد عفان بن مولانا عبدالحی صاحب

نام: محمد عفان بن مولانا عبدالحی بن مولانا نذیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ
تاریخ ولادت: ۱۹؍جون ۲۰۰۰ء۔ یہ مولانا عبدالحی صاحب کے چھوٹے فرزند ہیں، ان کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کی نگرانی میں مدرسہ عربیہ چشمہ فیض، ادری میں درجہ ناظرہ سے درجہ چار پرائمری تک ہوئی۔ اس کے بعد ۲۰۰۸ء میں دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، ضلع بھروچ، گجرات میں درجہ حفظ میں داخلہ لیا۔ تکمیل حفظ کے بعد درجہ اردو، فارسی سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم اسی ادارہ میں حاصل کی۔ بخاری شریف اپنے والد ماجد سے پڑھ کر ۲۰۱۹ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔ فضیلت کے بعد قرأت سبعہ وثلاثہ بھی اسی ادارہ میں پڑھا۔ اس کے بعد قرأت عشرہ کبیرہ کے لئے ۲۰۱۹ء میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، سملک، گجرات میں داخلہ لیا اور ۲۰۲۰ء میں اس فن کی تکمیل کر کے سند حاصل کی۔ اس وقت جامعہ تحفیظ القرآن، اسلامپورہ، گجرات میں فن تجوید وقرأت کی تدریس کے لئے تقرری ہوئی ہے۔

مولوی محمد ساجد قاسمی

مولوی محمد ساجد بن امتیاز احمد بن حاجی غفران احمد۔ محلّہ اٹھوریا
تاریخ ولادت: ۵؍ مارچ ۱۹۹۸ء۔ از ابتداء تا عربی پنجم مکمل تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ مشکوٰۃ شریف دارالعلوم زکریا مرادآباد میں پڑھ کر ۲۰۱۸ء میں دارالعلوم دیوبند گئے جہاں سے ۲۰۱۹ء میں فضیلت کی تکمیل کی، اس کے بعد انگلش کورس کیا، اس کے بعد دارالعلوم زکریا مرادآباد سے تکمیل ادب کیا۔

مولوی ثاقب ضیاء خیرآبادی

نام: ثاقب ضیاء بن ارشاد احمد بن عبدالکریم۔ محلّہ اتراری
تاریخ پیدائش: یکم؍اکتوبر ۱۹۹۹ء۔ ابتداء سے عالمیت تک تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی۔ ۲۰۲۱ء میں جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس سے فراغت حاصل کی۔

تذکرۂ دانشوراں

شعراء وعصری تعلیم یافتہ حضرات کا تذکرہ

مجاہد آزادی حافظ محمد شعیب شاکرؔ

نام: محمد شعیب بن حافظ اسداللہ بن حافظ محمد اسحٰق

تاریخ ولادت فروری ۱۹۰۸ء ہے۔ خیرآباد کے نہایت دوراندیش، باشعور اور عبقری انسان تھے۔ تنظیمی صلاحیت، شعری وادبی ذوق اور سیاسی شعور درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ غیرت مندی وخودداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اپنی قوم کی سرفرازی وسربلندی اور اس کے اندر تعلیمی ذوق وسیاسی بیداری کے لئے بڑے ہی مثبت انداز میں سرگرم عمل رہے اس کیلئے جان ومال دونوں کی بے پناہ قربانی دی، بہترین شاعروادیب اور ایک اچھے نثر نگار تھے۔ مومن بدایوں اور اس زمانہ میں نکلنے والے دوسرے رسالوں اور اخبارات میں ان کے شعری ونثری شہ پارے جا بجا ملتے ہیں اور اہل ذوق کے لئے آج بھی باعث کشش ہیں۔

ان کی خودنوشت ''سچی کہانی'' (غیر مطبوعہ) کو خیرآباد کی تاریخ کی پہلی تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے، افسوس یہ ہے کہ خیرآباد جیسی خوشحال جگہ میں نہ جانے کیوں اب تک یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہوسکی، اللہ نے توفیق دی تو میں اسے ان شاءاللہ اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع کرنے کا عزم رکھتا ہوں۔

حافظ محمد شعیب صاحب کا آبائی وطن محمد آباد گوہنہ کا محلّہ فرید آباد ہے، آپ کے دادا حافظ محمد اسحٰق صاحب وہاں کے معزز لوگوں میں سے تھے، آپ کے والد حافظ اسداللہ صاحب (۱۸۷۶ء-۱۹۱۲ء) کی شادی خیرآباد میں یار محمد گرہست صاحب کی لڑکی سے ہوئی، یار محمد کے یہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، خسر جب تک حیات رہے حافظ اسداللہ صاحب کا قیام خیرآباد اور محمد آباد دونوں جگہ رہتا تھا، ان کے انتقال کے بعد جب ساس نے ان کو اپنی ملکیت

کا وارث بنا دیا تو پھر مستقل قیام خیرآباد رہنے لگا۔ حافظ صاحب ''سچی کہانی'' میں اپنے والد ماجد کے بارے میں لکھتے ہیں:

اسی سال (۱۹۱۲ء میں) حافظ اسداللہ صاحب نے مرض طاعون میں انتقال کیا اور خیرآباد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ حافظ اسداللہ صاحب بڑے خوش مزاج، منچلے اور بے خوف نوجوان تھے، خیرآباد رہنے کے باوجود نماز تراویح برابر فریدآباد کی مسجد میں پڑھانے جاتے تھے اور رات کو تنہا واپسی میں کسی قسم کا خوف وخطر انھیں اس سے باز نہ رکھ سکا، گھر میں آبائی پیشہ کی مشغولیت کے ساتھ گاؤں محلے کے لڑکوں کو پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔...(اسی کے ساتھ) آپ کپڑے کی تجارت کرنے میں لگ گئے۔ اپنی خوش طبعی اور راست بازی سے بہت جلد مشہور بزاز ہوکر ہم عصروں میں ممتاز ہوگئے اور اخیر زندگی تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ شاکر کو اپنی پانچ سالہ عمر میں اس دوکان پر جانا اور خیرآباد کی بیچ بازار کا وہ برگد کا تناور درخت جو دوکان پر سایہ کیے ہوئے تھا نہیں بھولتا ہے۔

جب حافظ صاحب عمر کے پانچویں سال میں داخل ہوئے تو ان پر ابتلاء وآزمائش کا ایک ختم نہ ہونے والا دور شروع ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے اُٹھ گیا، ان کی آنکھ بند ہوتے ہی رشتہ داروں نے آنکھیں پھیر لیں، ماں نے کسی طرح ان کی اور دونوں بیٹیوں کی پرورش کی، جب کچھ شعور بیدار ہوا تو حصولِ علم کے لئے مدرسہ منبع العلوم میں داخل کیئے گئے۔ جہاں ناظرہ مکمل کرنے کے بعد مولوی عبدالحمید صاحب مبارکپوری کے پاس اردو دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور مولانا شبلی صاحب شیداؔ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا، یہ ۱۹۱۶/۱۷ء کی بات ہے، اس وقت مدرسہ کے ناظم حافظ عبدالرحیم تھے۔ جب عمر کی دسویں منزل میں قدم رکھا تو اچانک والدہ ماجدہ نے بھی داغِ مفارقت دے دیا، اس وقت کی حالت کی منظر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

دس سالہ غریب شاکرؔ ابھی گاؤں کے ''منبع العلوم'' میں اردو، عربی ودینیات کے بعد ''صفوۃ المصادر'' کے ابتدائی اسباق میں تھا کہ اچانک والد کے بعد والدہ بھی بعارضۂ طاعون ۳۰ردسمبر ۱۹۱۷ء کو اس دار فانی کو چھوڑ کر خلد آشیاں ہوگئیں۔ اس عمر کے بچوں

کے لیے پیہم یہ صدمات جب کہ قریبی خاندان میں کوئی نگراں اور سرپرست نہ ہو، پاگل بنا دینے کے لیے کافی ہیں۔ مکان کا جو کچھ اثاثہ تھا، دور کے خویش نے مالِ غنیمت کی طرح تقسیم کرلیا۔

اس حادثہ کے بعد اپنی خالہ کے اصرار پر خیرآباد چھوڑ کر مبارکپور گئے اور احیاء العلوم میں داخلہ لے کر حافظ محمد یوسف صاحب انصاری کے پاس حفظ قرآن کی تعلیم شروع کی، اور اسی کے ساتھ اپنے آبائی پیشہ بنائی کو بھی سیکھتے رہے۔ ۲۲/ پارہ پڑھنے کے بعد گھریلو حالات کی بنا پر بمبئی چلے گئے اور چند ماہ وہاں رہ کر پھر مبارکپور آگئے اور حفظ قرآن کو مکمل کیا اور دستار سے نوازے گئے، اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”چند ماہ بمبئی گزارنے کے بعد مولوی صاحب کے بھائی جناب حاجی محمد نذیر صاحب ودیگر حاجیوں کی واپسی میں ان کے ہمراہ شاکر پھر مبارکپور آگیا۔ اب احیاء العلوم میں حافظ محمد یوسف صاحب کی جگہ لہرا کے حافظ عبدالغفور صاحب پڑھاتے تھے، پرانے ساتھی اور حال کے استاذ سے حافظہ ختم کیا اور صرف تین مہینہ بعد امتحان دے کر مدرسہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ حافظ محمد ایوب اور حافظ فریدالدین کی دستار بندی کے ساتھ شاکر کے سر بھی دستار باندھی گئی، اس تقریب میں دیگر علمائے کرام کے ساتھ مولوی ابوالحسن صاحب مئو اور مولوی عبدالغنی صاحب پھولپور سرائے میر بھی شریک تھے، محمد ایوب اور فرید میاں کا امتحان مئو کے مولوی ابوالحسن صاحب نے لیا اور پگڑی باندھی؛ مگر شاکر کا امتحان مولوی عبدالغنی صاحب نے لیا اور خود ہی دستار لپیٹی۔ سولہ برس کی عمر میں یہ تینوں حافظ ایک ساتھ احیاء العلوم سے فارغ ہوئے۔“

اس وقت کے احیاء العلوم کے بارے میں رقم طراز ہیں:

شاکر ۱۹۱۸ء میں جب مبارکپور مدرسہ احیاء العلوم میں بغرض تعلیم داخل ہوا تو اس وقت مدرسے کی کوئی اپنی عمارت نہ تھی، ”مسجد دینا“ میں کچھ حصہ دکھن جانب تعزیہ داری کے مصرف میں استعمال ہوتا تھا اور چوک وتابوت سب کچھ موجود تھا، اسی چھوٹی سی عمارت میں درس وتدریس کا انتظام تھا۔ مولوی علی احمد صاحب صدر مدرس عربی

پڑھاتے تھے، مولوی نعمت اللہ صاحب فارسی، قاری حسام الدین صاحب قراءت اور حافظ محمد یوسف صاحب ناظرہ وحفظ قرآن پر مامور تھے۔ ان دکھنی عمارتوں کے علاوہ مسجد کا حصہ بھی مدرسہ کے کام میں لایا جاتا تھا، مدرسہ کے مہتمم مولوی حکیم الٰہی بخش صاحب تھے اور خزانچی حاجی عبدالحق گرہست صاحب۔ اس وقت مبارکپور میں باوجودیکہ ''دیوبندی، بریلوی'' جماعت الگ الگ اپنا نظام قائم کرکے دو مدرسے بھی چلا رہے تھے، دیوبندی جماعت احیاء العلوم اور بریلوی جماعت مصباح العلوم کے نام سے مدرسہ قائم کرکے اپنے اپنے عقائد کے مطابق تعلیم کا درس دیا کرتے تھے؛ مگر اب نماز جمعہ دونوں مشترک طور پر راجہ مبارک شاہ کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے۔

مولوی شکر اللہ صاحب جب دیوبند سے تعلیم حاصل کرکے واپس آئے تو نئے جذبات اور نئے خیالات کے ہمراہ سیاسی احساسات بھی لائے، پہلا وعظ مسجد مبارک بابا میں اور دوسرا مسجد دینا میں ہوا، جس سے جماعت میں گرمی پیدا ہوئی۔ مقامی طور پر وعظ وتقریر کا کوئی انتظام نہ تھا، صرف کبھی کبھی مدرسہ کے امتحان سالانہ کے موقع پر باہر سے علماء تشریف لاتے اور جلسۂ عام میں وعظ ہوا کرتا۔ مولوی شکر اللہ صاحب کی آمد سے دیوبندی جماعت کو بہت تقویت پہنچی۔........مولانا کے ذہن میں اب تعمیری کام کا وسیع میدان تھا، انھیں احیاء العلوم کیلئے عمارت کی فکر ہوئی، مدرسہ کے سالانہ امتحان کے سلسلے میں بشمول دیگر علمائے کرام کے، قاری عبدالرحمٰن اور قاری ضیاء الدین صاحبان الٰہ آباد سے تشریف لائے۔ جامع مسجد کی امامت اب تک میاں جی نور محمد کررہے تھے، قاری صاحب کی موجودگی میں کسی نے خواہش کی کہ آج میاں جی کے بجائے قاری عبدالرحمٰن صاحب نماز جمعہ پڑھائیں گے، جسے بریلوی عقائد کے لوگوں نے پسند نہ کیا اور بدستور میاں جی نور محمد کی امامت پر زور دیا، نماز پڑھی گئی؛ مگر یہ نماز جماعت آخری ثابت ہوئی، اگلے جمعہ کو دینا بابا کی مسجد میں دیوبندی جمعہ پڑھنے لگے اور اب تک یہ علاحدگی قائم ہے، یہ مسجد جو اب تک مدرسہ کا کام دیتی تھی اب جامع مسجد بھی ہوگئی، اس کے متصل زمین حاصل کرکے جامعہ احیاء العلوم کی نیو رکھی گئی، ابتدا میں پچاس ہزار اینٹ تھا جسے خود ہی بھٹہ میں پکایا گیا، ان اینٹوں پر ۳۸ھ کا نشان تھا۔

آج اگر آپ مبارکپور جائیں تو نہ صرف جامعہ احیاء العلوم کی عالی شان عمارت؛ بلکہ دفتر ٹاؤن ایریا کے قریب شان دار جامع مسجد کے علاوہ، قصبہ کی دکھنی جانب پُر فضا مقام پر مسجد عیدگاہ بھی آپ کو حضرت مولانا کی تعمیری یادگار، ان کے شان دار ماضی کا افسانہ سنائیں گی۔ دیوبندی جماعت کا یہ سپوت، یوپی جمعیۃ العلماء کا یہ صدر ۲۳/ مارچ ۱۹۴۲ء کو اسی نئی عیدگاہ کے قریب ابدی نیند سوگیا۔ خالق اسے کروٹ کروٹ راحت پہنچائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (سچی کہانی، غیر مطبوعہ)

احیاء العلوم سے حفظ کی تکمیل کے بعد خیرآباد میں آبائی پیشہ میں لگے، لیکن کچھ عرصہ کے تجربے سے محسوس ہوگیا کہ اس سے ہونے والی آمدنی تو معمولی ضروریاتِ زندگی کو بھی پوری کرنے سے قاصر ہے، مجبوراً ۱۹۲۴ء میں بعض دوستوں کے مشورہ سے ناگپور کا سفر کیا۔ یہاں سے ان کی زندگی کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ عام دیہاتی باشندوں کے برعکس ان کے حوصلے اور عزائم بڑے بلند تھے، ان کی خودنوشت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں کے چند زمیندار گھرانوں کے پورے گاؤں پر تسلط سے وہ سخت بیزار تھے اور اپنی جدوجہد سے اپنا مقام خود بنانا چاہتے تھے، کسی کا دست نگر ہوکر رہنا ان کی سرشت اور طبیعت کے بالکل خلاف تھا۔ ناگ پور پہنچنے کے بعد وہ بمبئی چلے گئے اور وہاں ''سکریا مل'' میں کام سیکھ کر محنت مزدوری شروع کردی۔ وہاں پہنچنے کے بعد اپنے تاثرات رقم فرماتے ہیں:

اب شاکر کو عرصہ کے بعد آسودہ زندگی میسر آئی اور اس دور سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا، ایک طرف وہ اپنی تعلیمی کمی محسوس کرکے اس کی تلافی کے لیے اردو اخبارات و رسائل نیز مطالعۂ کتب میں، اپنے فرصت کے اوقات صرف کرنا شروع کئے اور عملی اور مجلسی سوسائٹیوں میں ذوق وشوق سے حصہ لینے لگا، اور بہت جلد وہ خط وکتابت پر قادر ہوگیا۔

شادی:

والد کے انتقال کے دوسرے سال والدہ نے پانچ سال کی عمر میں آپ کا نکاح اپنی بہن کی لڑکی زہرہ بیگم سے کردیا، جس کی بڑی دلچسپ تفصیل ''سچی کہانی'' میں موجود ہے۔

زہرہ بیگم جماعت اہلحدیث کے مشہور عالم مولانا سلامت اللہ صاحب المعروف بہ مولانا عبد السلام مبارکپوری[صاحب کتاب المنوال] کے بڑے بھائی مولوی ہدایت اللہ صاحب کی صاحبزادی تھیں۔بمبئی سے ۸/نومبر ۱۹۲۷ء کو حافظ صاحب مبارکپور پہنچے، اسی دوران رخصتی عمل میں آئی، نومبر کے اخیر میں بیوی کو لے کر بمبئی واپس چلے گئے۔

تلاش معاش اور سیاسی سرگرمیاں:

حافظ صاحب کی سیاسی سرگرمیوں کے ذکر سے پہلے خود اپنے بارے میں ان کا کیا خیال تھا، وہ اپنے بارے میں کیا سوچتے تھے اور رائے رکھتے تھے، اس کا ذکر کر دینا ضروری ہے، وہ ایک سچے اور جرأت مند وحق گو انسان تھے، اس لئے بغیر کسی لاگ لپٹ اور تحفظ کے اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

''شاکر ذہنی طور پر سیاسی آدمی ہے، اس کی زندگی کا ہر پہلو سیاسی ماحول سے محصور ہے، اسی وجہ سے اس کی سرگزشت اور سیاسی کارنامے ایک دوسرے سے ایسے گھلے ملے ہیں کہ ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا، قرب وجوار میں کوئی ایسا شخص مشکل سے ملے گا، جس کی زندگی کا ماحصل اس طرح خالص ایک مقصد کے لیے ہو، یہی وجہ تھی کہ شاکر کے اکثر ساتھی اس کے دوش بدوش نہیں چل سکتے تھے۔ایک موقع پر کسی نے صاف کہہ دیا تھا کہ کون شاکر کی طرح ہر وقت سیاست اور پبلک کام کی دھن میں لگا رہے گا، اس کے دماغ میں تو اسی کام کی دھن ہے اور اس کے علاوہ کچھ سوچتا ہی نہیں، سوتا ہے تو بھی اسی طرح کے خواب دیکھتا ہے، شاکر متوسط قد یعنی پانچ فٹ پانچ انچ کا طویل، اور جسامت اس کے وزن سے اندازہ کی جا سکتی ہے، جو صرف ایک سو سات پاونڈ تھا۔ جوانی ہی میں سر کے بال سفید ہونا شروع ہو گئے، اور جلد ہی بینائی اور دانت پر نزلے کا اثر ہوا، جس کی وجہ سے چشمے کی ضرورت محسوس ہوئی ناک نقشہ بالکل مشرقی یوپی کے باشندے ایسا تھا، داڑھی بہت مختصر تھی، جسے رکھنا اسے پسند نہ تھا، (۱) سر کے بال البتہ موجود ہیں، اس کی آنکھوں کی چمک سے ذہانت اور طنز ٹپکتا ہے، اس کی تقریریں جذبات میں ڈوبی ہوئی اور آواز کی شان وشوکت سامعین کو متأثر کیے بنا نہ چھوڑتی تھی،

وضع قطع بہت معمولی، عادات واطوار میں وہ ہمعصروں سے الگ تھلگ تھا، رہنے سہنے کا ڈھنگ پڑھے لکھے مزدوروں کی طرح تھا، آسائش کی طرف کبھی نہیں جھکا، خوشامد، تملق سے اسے خاص نفرت رہی، نشہ کبھی نہیں استعمال کیا؛ حتیٰ کہ موجودہ زمانے کے ماحول میں رہ کر بھی بیڑی پینے کی نوبت نہیں آئی؛ لیکن یہ پرہیز اپنی طبیعت کی بنا پر تھا، نہ کہ پرہیزگاری کے لیے۔ اپنے ساتھیوں کے خانگی معاملات میں دخل دینا معیوب جانتا ہے، اور کسی کے نجی حالات کی کرید کرنا اسے سخت ناگوار ہوتا ہے، شاکر جب کسی دوست سے سیاسی یا سماجی اختلاف کی وجہ سے الگ ہو جاتا ہے تو اسے اتنی کوفت ہوتی ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا جب بمبئی، احمد آباد، خیرآباد یا کانپور کے خاص ساتھیوں سے اسے الگ ہونا پڑا، اس وقت اس کی ذہنی کیفیت اتنی متأثر ہوتی کہ ہفتوں روزمرہ کے مشاغل درست انجام نہیں پاتے؛ لیکن اس نے اصول کے لیے بڑی سے بڑی پریشانی خرید لی اور تعلقات کی بنا پر کبھی اصول کو نہیں چھوڑا، ایسے مواقع اور زندگی میں ایسے موڑ بہت آئے، جب اسے اپنی راہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے دوستوں سے الگ ہونا پڑا، ادارہ چھوڑنا پڑا، جگہ اور مقام چھوڑنا پڑا؛ لیکن خود اعتمادی کی وجہ سے اس نے سب کچھ گوارا کیا؛ مگر اصول کو باقی اور زندہ رکھا۔ خوش اخلاقی اور تواضع میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہیں رہا، اسے ذہنی برتری کا بہت احساس تھا، بسا اوقات اسی وجہ سے وہ معاملات کی تہہ تک جلد پہنچ جاتا، جب کہ دوسرے ساتھیوں کی رسائی دیر میں ہوتی، شاکر نے اپنے اثرات سے ذاتی فائدہ اٹھانا کبھی پسند نہ کیا، اور اس پر بڑی سختی سے پابند رہا۔''

حافظ محمد شعیب صاحب کی شخصیت شناسی کے لئے یہ اقتباس بہت اہم ہے۔ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ تلاش معاش میں پہلے ناگپور پھر وہاں سے بمبئی پہنچ گئے۔ بمبئی ایک بڑی جگہ تھی، یہاں بڑی بڑی ملیں تھیں، جہاں مزدوروں کی انجمنیں قائم تھیں، جو اپنے حقوق کے لئے تحریک چلاتیں اور بوقت ضرورت احتجاج ومظاہرہ اور ہڑتال کی بھی نوبت آتی، آپ بھی اس کا ایک حصہ بن گئے۔ ملک کے مختلف حصے سے مزدور رہنما آتے، ان کی نرم وگرم

تقریریں ہوتیں، آپ ان تقریروں کو سنتے ، ان رہنماؤں سے ملتے ،فرصت کے وقت میں اخبارات ورسائل کا مطالعہ کرتے ،مجلس مذاکرات میں حصہ لیتے جس سے آپ کا سیاسی شعور دن بدن پختہ ہوتا ہوگیا۔ سچی کہانی میں اپنی داستان کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے،جس کو بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

''شاکرمل مزدور یونین کا ممبر ہونے کی وجہ سے مدن پورہ سنٹر سے متعلق تھا، مزدوروں کے جلسے جلوس میں حصہ لیتا، اخباری اور اشتہاری لٹریچر پڑھتا، نرم گرم مزدور رہنماؤں کی تقریریں سنتا، اور بحیثیت ایک مزدور رضا کار کے اس نصف سالہ عظیم الشان ہڑتال میں حصہ لیتا رہا، دماغی اور ذہنی راہیں کھلی ہونے کی وجہ سے مزدور اور سرمایہ داری کی اصلی کشمکش سے سبق سیکھا اور جماعتی جدوجہد کا عملی تجربہ حاصل کیا۔''

اپریل ۱۹۲۹ء میں بمبئی کو خیر باد کہہ کے وطن آ گئے، کچھ دن یہاں رہ کر تلاش معاش کے سلسلہ میں دہلی چلے گئے جہاں ان کی اہلیہ کے چچازاد بھائی مولانا عبیداللہ رحمانی (صاحب مرعاۃ) دارالحدیث رحمانیہ میں مدرس تھے، دہلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

دہلی ہندوستان کا مرکزی مقام ہونے اور ماضی کا عہد اسلامی کی یادگار ہونے کی کشش کے علاوہ شاکر کے لیے سیاسی دل بستگی کا سامان بھی اپنے اندر رکھتا تھا۔ دارالحدیث رحمانیہ ہندوراؤ کے باڑے میں اس کے ایک عزیز مولوی عبیداللہ مدرس تھے، ان کے ذریعہ قرول باغ میں ایک کمرہ لے لیا اور غلام سرور اور غلام رسول محمد آبادی کی معرفت ''دہلی کلاتھ مل'' میں بھرتی ہوکر کمرہ نمبر سی میں کام شروع کیا۔شاہان مغلیہ کا پایۂ تخت دہلی اب شاکر کے سامنے تھا،کبھی وہ چھٹیوں میں فتح گڑھ گھومنے چلا جاتا،کبھی لال قلعہ، کسی چھٹی میں وہ قطب مینار کی طرف بھٹکتا نظر آتا،تو کسی دن کشمیری گیٹ کی تفریح اس کے پروگرام میں شامل ہوتی، کہیں وہ رائے سینا کی پہاڑی سے گزر کر اسمبلی ہاؤس کے طواف میں دکھائی دیا،کبھی وہ ''رانی باغ'' یوم فلسطین کے احتجاجی جلسے میں مولانا آزاؔد اور مفتی کفایت اللہ صاحبان کی تقریریں سن رہا ہے۔غرض دہلی کی ہر وہ جگہ جو سیاح کے لیے باعث دل کشی ہو وہاں ضرور پہنچا، جامع مسجد، عجائب

گھر، کوچہ چہل امیران، دفتر عصمت، دفتر نظام المشائخ، مشہور دواخانے طبیہ کالج، جامعہ ملیہ، دفتر کوکب ہند وغیرہ وغیرہ۔"

دہلی کے چندروزہ قیام سے اندازہ ہوگیا کہ یہاں ملوں کا جو جابرانہ نظام ہے اس میں شاکر جیسے باغیرت انسان کا گزارہ نہیں ہوسکتا، اس لئے ستمبر ۱۹۲۹ء میں اپنے ایک دوست کی دعوت پر اندور پہنچے، وہاں کے نظام سے مطمئن ہوکر اپنی بیوی زہرہ کو بھی نومبر ۱۹۲۹ء میں وہاں بلالیا۔ یہاں ایک سال قیام رہا، اپنی محنت مزدوری کے ساتھ علمی وادبی اور سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رہیں، علمی وادبی شخصیات سے روابط ومراسم اور لائبریریوں میں آمدورفت بھی رہی، جس سے علم وشعور اور تجربات میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔ اہلیہ پر بھی شوہر کی علمی وادبی سرگرمیوں کا اثر پڑا، اور خانگی امور سے فرصت پانے کے بعد وہ راشد الخیری کا رسالہ "عصمت" اوران کی کتب کا مطالعہ کرتی رہتیں، جس کی وجہ سے خطوط نویسی وغیرہ میں اچھی خاصی مہارت بہم پہنچالی۔

اندور سے اکتوبر ۱۹۳۰ء میں احمد آباد کے لئے رختِ سفر باندھ لیا، اور حسب منشا کام مل گیا، احمد آباد کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"احمد آباد تجارتی شہر اور مزدوروں کا مرکز ہونے کے علاوہ حسن ودلکشی میں بھی یکتا ہے، احمد شاہ کا بسایا ہوا تاریخی شہر اپنی نشانیوں کے ساتھ اپنی جلو میں اسلامی طرز تعمیر کو لیے ہوئے اب تک موجود ہے، شہر پناہ کا مضبوط حصار پوری آبادی کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے، مسلمانوں کا طرز رہائش وزیبائش بمبئی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، مگر گجرات کے ہنود مرد وعورت کا طریقہ بہت دل پسند اور پرکشش ہے، خصوصاً صاف صفائی اور لباس کے انتخاب اور اس کے برتنے میں یہ شہر ہندوستان میں امتیاز رکھتا ہے۔ تحریک آزادئ ہند میں بھی اس شہر کا خاص حصہ ہے، ترک موالات کے زمانے میں جب قومی رہنماؤں نے علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تو اسی زمانے میں یہاں وڈیا پیٹھ قائم کی گئی؛ تاکہ انگریزی اثرات سے بے نیاز ہوکر ہندوستانی طلبہ تعلیم حاصل کرسکیں اور یہیں پر گاندھی جی کا قائم کیا ہوا سابرمتی آشرم بھی ہے، نیز ولبھ

بھائی پٹیل کا وطن اور خود گاندھی جی کے مستقل قیام کی وجہ سے یہاں کی آبادی پر قومی تحریک کا بہت اثر ہے۔"

یہ وہ وقت تھا جب گاندھی جی کی نمک ستیہ گرہ شروع ہو چکی تھی، چونکہ حافظ صاحب اپنے سیاسی رجحان کی وجہ سے قومی تحریکات میں بھی دلچسپی لیتے تھے، اس لئے یہاں کے سیاسی رہنماؤں سے بھی تعلقات پیدا ہو گئے، انھوں نے محسوس کیا کہ مسلمان بحیثیت مجموعی قومی تحریک سے دور ہیں تو انھیں اس سے جوڑنے کی کوشش کی، یہاں کا ماحول بھی علمی سوسائٹی سے بالکل خالی تھا اور اردو کا رواج نہ ہونے کے برابر تھا، جو کچھ لٹریچر تھا وہ مقامی زبان میں تھا، حافظ صاحب ایک متحرک وفعال اور سیماب صفت انسان تھے، یہ جمود وتعطل وہ کیسے گوارا کر سکتے تھے، یہ دیکھ کر ان کا جوہر مستعدی حرکت میں آیا، وہ لکھتے ہیں:

"احمد آباد کے دوران قیام میں شاکر ذہنی طور پر بالکل تنہا تھا اور سوائے مطالعہ کتب کے کوئی ذریعہ علمی مشاغل کا ایسا نہ تھا جس میں شریک ہو کر دماغی تشنگی کو رفع کر سکتا، بہت غور وفکر کے بعد اس کے ذہن میں ایک انجمن کی تشکیل کا خیال پیدا ہوا، جسے اس نے اپنے حوصلہ کے مطابق بہت ہی چھوٹے پیمانے پر شروع کیا، محمد یاسین بھائی، حافظ عبدالحمید، نجیب اللہ، محمد صدیق خیرآبادی کے علاوہ چند اور دوستوں کو چائے پر مدعو کر کے ان کے سامنے پوری اسکیم پیش کی، تفصیلات سن کر احباب بہت متعجب ہوئے، سرگوشیاں ہوئیں، اپنی بساط اور انجمن کے بلند مقاصد دیکھ کر سہمے؛ مگر شاکر کے عزم وارادہ نے ڈھارس بندھائی۔

اس طرح انھوں نے اپنے ہم خیال دوستوں کو تیار کر کے "بزم احباب" کے نام سے دسمبر ۱۹۳۱ء میں ایک انجمن بنائی۔ اس کے قیام اور مقاصد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کی میٹنگ میں حافظ عبدالحمید صدر، شاکر سکریٹری، یاسین بھائی خازن منتخب ہوئے، دستور العمل اور قواعد وضوابط تحریر کرنے کے لیے شاکر سے کہا گیا، جسے اس نے اگلی میٹنگ میں تیار کر کے پیش کر دیا، "بزم احباب" نام تجویز ہوا۔ دوستوں میں لکھنے پڑھنے، تقریر کرنے کا ذوق پیدا کرنا، پردیس میں رہ کر ہم وطنوں

کے علاوہ دوسرے نوجوانوں سے تعلقات، دوستی پیدا کرنا، مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کے طلبہ کی علمی تشنگی کو کتب و رسائل کی مدد سے دور کرنا: مقاصد قرار پائے۔ مہینہ میں دو جلسہ کرنا اور ان میں نئے نئے دوستوں کو شریک کرنا اور کسی نہ کسی موضوع پر زبانی یا تحریری تقریر کرنا، اراکین کے لیے ضروری تھا۔

اس انجمن کے قیام کا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے اندر مطالعہ کا ذوق وشوق پیدا ہوا، اور انجمن کا ہر فرد اب اپنے اندر حوصلہ پانے لگا کہ وہ اپنے زورِ مطالعہ کے بنا پر کچھ لکھ پڑھ سکے، بعض لوگ تو کچھ ہی عرصہ میں تحریر و تقریر دونوں میدان میں نمایاں ہوتے چلے گئے، حافظ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرصت کے اوقات میں ہر شخص پڑھنے لکھنے پر مجبور ہوگیا، اگلی میٹنگ کی تیاری میں کوئی مضمون مرتب کرنا، یا کہیں سے انتخاب کر کے نقل کرنا، نظم و نعت کی جستجو و تلاش میں کتب و رسائل کی ورق گردانی بڑا دلچسپ مشغلہ ہاتھ آ گیا۔ شاکر نے اس بزم کی خوب خوب آبیاری کی اور اپنے علمی شغف اور محنت سے اسے فروغ دیا، دن دن بھر مشین پر کام کرتے وقت مضمون سوچتا اور پنسل سے مسودہ تیار کرتا، گھر لاکر زہرہ کو پڑھ کر سناتا اور اگلے دن اس مسودہ کو صاف اور خوش خط لکھنے کی ہدایت کر کے دوسرے کام میں مصروف ہوجاتا۔ زہرہ کو بھی اس علمی سوسائٹی سے بڑی دلچسپی تھی، نہ صرف اس لیے کہ شاکر اس میں شریک تھا؛ بلکہ خود زہرہ کا علمی ذوق اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اس سے دلچسپی لے۔

بزم احباب کے اراکین نے اپنی علمی سرگرمیوں کے ساتھ فنڈ اکٹھا کر کے ہلکے پھلکے انداز میں رفاہی کام بھی کیا۔ اس کے اراکین میں مقامی احباب کے علاوہ زیادہ تر مبارکپور اور خیرآباد سے تعلق رکھتے تھے۔ حافظ صاحب احیاء العلوم کے پڑھے ہوئے تھے، اس لئے جمعیۃ الطلبہ احیاء العلوم کی فرمائش پر علمی، تاریخی، مذہبی کتب براہ راست قیمت ادا کر کے مبارکپور بھیجتے۔ اسی طرح مقامی اصلاح کے پیش نظر احمد آباد میں کوئی ضروری کام ہوتا تو اس میں بھی رقم خرچ کرتے۔ اسی طرح مسلمانوں کے اندر پھیلی ہوئی رسومات، باہمی

مناقشات اور محرم وغیرہ میں پائی جانے والی بدعات وخرافات اور دیگر خرابیوں ولغویات کوختم کرنے کی کوشش کرتے۔ایک سال ان لوگوں نے اس سلسلہ میں درج ذیل مضمون کو پمفلٹ کی شکل میں اردو اور گجراتی میں شائع کر کے تقسیم کیا،جس کا بڑا خوشگوار اثر پڑا۔

مذہب اسلام کی توہین

''ہمیں نے آپ اپنا شیوۂ اسلام چھوڑا ہے، ہمارا حال جتنا بھی زبوں ہو تھوڑا ہے، اس دورِ الحاد وارتداد میں مسلمانوں کے سامنے مذہب مقدس کی توہین اور بے حرمتی کا واقعہ متعدد بار آچکا ہے؛ لیکن کیا آپ نے کبھی اس پر غور کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی کہ آخر یہ غیر مذہب والے اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس قدر زہر اگلنے کی جرأت کیسے کرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ آج ہم لوگوں کی قوت ایمانی بے حد کمزور ہو گئی ہے اور ہم سے مذہبی احساس مفقود ہوتا جاتا ہے، ایسی حالت میں ہم ہی بعض افعال ایسے کرتے ہیں کہ جو دین اسلام کی بدنامی کا باعث ہوتا ہے اور غیروں کو اسلام پر طعن وتشنیع کرنے کا موقع دیتا ہے۔

ہم مسلم نوجوانان احمد آباد کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ذرا آنے والے محرم کے واقعات پر غور کرنے کے لیے اپنے گریبان میں منھ ڈالیں اور سوچیں کہ کیا شہیدانِ کربلا کا دن اسی واسطے آتا ہے کہ ہم یزیدیوں کی طرح خوشیاں منائیں! اور جس دین اسلام کے لیے امام حسین علیہ السلام نے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرکے دشمنان اسلام کے ہاتھوں بے حد اذیتوں کے ساتھ اپنا اور اپنے اہل بیت کا سر کٹایا، ہم اسی مذہب کے کلمہ پڑھنے والے ان کی یادگار اس طرح منائیں کہ اس دن نہایت اہتمام سے شرابیں پی کر اپنی صورت مسخ کرتے ہیں اور ریچھ بندر، میم اور صاحب بن کر ناچتے پھرتے ہیں! کیا یہی مذہبی احکام ہیں؟ خدا کے لیے غور کیجیے کیا یہ واقعات ہمارے لیے شرم ناک نہیں ہیں؟ ہم بڑی بڑی انجمنوں اور بااثر اصحاب سے اس لیے درخواست نہیں کرتے کہ وہ بے حس ہو چکے ہیں، ورنہ اگر وہ چاہیں تو بہت کچھ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

ہم صرف نوجوان طبقہ سے (امامانِ معصوم کا واسطہ دے کر) پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ اب خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور مسلم قوم کو ان لغو اور فحش کاموں سے دور رکھو، جو اسلام کیلئے باعث ننگ ہے کہ یہی اسلام کی سچی خدمت ہے اور حقیقت میں ایک جہاد عظیم!''

المشتہر: حافظ محمد شعیب اعظمی سکریٹری بزم احباب، کالوپور، احمد آباد

مطبوعہ: دین پرنٹنگ پریس پانچ پٹی احمد آباد، ۱۸؍مئی ۱۹۳۲ء

یہ سلسلہ کئی سال تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلا، اور سماج ومعاشرہ پر اس کے بہترین اثرات کو ہر ایک نے محسوس کیا۔

والدہ کے انتقال کے بعد حافظ صاحب کا زیادہ وقت یا تو مبارکپور میں گزرا، یا پھر حصولِ معاش کے سلسلہ میں وطن سے باہر ناگپور، بمبئی، دہلی، اندور اور احمد آباد میں، احمد آباد کے زمانۂ قیام میں ان کا ارادہ یہ بنا کہ سسرال ہی کے پڑوس میں جگہ لے کر مستقل وہیں اقامت اختیار کرلیں، اس کے لئے رقم بھی انھوں نے بھیج دی، لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ خیرآباد کی یہ محسن شخصیت خیرآباد ہی میں رہے، اس لئے مبارکپور والی بات نہ بن سکی اور پھر خیرآباد میں مستقل اقامت کا فیصلہ کیا اور فروری ۱۹۳۳ء میں مکان کی تعمیر شروع ہوگئی۔ جب مکان بن کر تیار ہو گیا ہو تو ۱۹۳۴ء کے آغاز میں احمد آباد سے بچوں کو لاکر یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ گزشتہ دس سالوں سے آپ کی زندگی بمبئی اور احمد آباد جیسی جگہوں پر گزری تھی جہاں آپ ہر قسم کی مجلسوں اور تحریکوں میں حصہ لیتے تھے، کثرت مطالعہ اور بڑی شخصیات کی صحبت ومعیت نے فکر ونظر میں جو وسعت اور گیرائی پیدا کردی تھی، اس کے اعتبار سے خیرآباد کے ماحول میں ہر طرف جمود اور سناٹا تھا۔ حافظ صاحب لکھتے ہیں:

''اب تک شاکر نے بیرونی زندگی سے جو کچھ استفادہ کیا تھا اور علم مجلسی کے علاوہ کثیر مطالعہ کی بنا پر جو تجربات اور مشاہدات سے حاصل ہوا، وہ یہاں کی زندگی سے کافی مختلف تھا۔ خیرآباد میں اسے کوئی زندہ چیز نہ ملی، لوگ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت سکون کی زندگی بسر کرتے تھے، یہاں نہ کوئی دار المطالعہ تھا اور نہ علم وادب کا کوئی ذوق،

مذہبی درس گاہ کے علاوہ کوئی ایسی نشست گاہ نہ تھی جہاں بیٹھ کر تبادلۂ خیال یا مطالعہ اخبار ورسائل کیا جاسکتا، پیروں کے اثرات بڑی حد تک ختم ہو چکے تھے، مذہبی مراسم رواجی شکل میں انجام دیئے جاتے تھے، خاندانی چشمکیں بدستور باقی تھیں، اخبار ورسائل کا کوئی وجود نہ تھا، نوجوان اپنا وقت بے کار کھو رہے تھے، انھیں نہ کوئی جذبہ تھا، نہ کوئی تحریک کی امنگ............شاکر کے دوران قیام خیرآباد میں ایک انجمن ''بزم اخوان'' کی تشکیل کی گئی، شاکر نے اس کے لیے مختصر دستور العمل مرتب کر دیا، نوجوانوں میں چندافراد کو عہدہ دار منتخب کر کے ضروری ہدایات کے بعد شاکر بال بچوں کو یہیں چھوڑ کر ۱۰رفروری ۱۹۳۴ء کو پھر احمد آباد پہنچ گیا''۔

احمد آباد پہنچنے کے بعد اپنے کام اور علمی، وادبی اور سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے، بمبئ میں مل مزدوروں نے ہڑتال کی، جس کا اثر یہاں بھی پہنچا، حکومت نے یہاں کی مل مزدور یونین کو خلاف قانون قرار دیا۔ حکومت کے خلاف احتجاج کے نتیجہ میں ۲۹رنومبر ۱۹۳۴ء بروز پنجشنبہ کو اپنے چند دوستوں کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے اور ۸رماہ کے بعد ۳۱ر جولائی ۱۹۳۵ء کو رہا ہوئے، اس دوران پیش آنے والے واقعات اور اپنی بیوی اور بچے کو لکھے گئے خطوط انھوں نے اپنی خودنوشت میں نقل کئے ہیں، اس سے ان کے عزائم کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس دل گردے کے انسان تھے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ ایام اسیری میں علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی، سیرۃ النعمان، الغزالی، المامون اور مولانا محمد حسین آزاد کی آبِ حیات وغیرہ کا بڑ گہرائی اور تعمق کے ساتھ مطالعہ کیا، اور بعض اہل علم قیدیوں سے انگریزی کی ابتدائی کتابیں سبقاً پڑھیں، اس وقت سابرمتی جیل میں مشہور مجاہد آزادی خان عبدالغفار خان بھی قید تھے، ان کا ذکر بھی سچی کہانی میں موجود ہے، کہ وہ حافظ صاحب سے سیرۃ النبی لے کر اس کا پشتو میں ترجمہ کرتے تھے۔ جیل کے حالات وواقعات کی تمام تفصیلات کتاب میں موجود ہیں، جو اپنے اندر خاصی دلچسپی کا سامان رکھتی ہیں، خودنوشت کے اس حصہ کو پڑھ کر مجھے مشہور ادیب اور صحافی شورش کاشمیری کی جیل کی آپ بیتی ''پسِ دیوارِ زِنداں'' یاد آ گئی۔

جیل سے رہا ہونے کے بعد بھی آپ مستقل پولیس اور سی آئی ڈی کی نگاہ میں رہے، ایک مرتبہ پھر پولیس نے کوشش کی کہ گرفتار کر کے جیل میں ڈال دے، لیکن آپ ان کو چکمہ دے کر بڑی مشقتوں کے ساتھ ہزار دقتیں اٹھا کر خیرآباد آگئے، سچی کہانی میں دسیوں صفحات میں واپسی کی اس پُر مشقت داستان کو بیان کیا ہے۔

آپ تو کسی طرح خیرآباد آگئے، ادھر احمد آباد پولیس پوری سرگرمی کے ساتھ تلاش کررہی تھی، اس لئے دوستوں کی رائے ہوئی کہ فی الحال کچھ عرصہ وطن میں گزاریں۔ چنانچہ اپنے آبائی پیشہ بُنائی سے منسلک ہوگئے اور بچپن کا سیکھا ہوا ہنر کام آیا، اور سکون واطمینان کے ساتھ اپنے ذریعۂ معاش میں مصروف ہوگئے، لیکن اجتماعی زندگی کا خوگر انسان اس تنہائی پر کیوں کر قناعت کرتا۔ مختلف سماجی واصلاحی امور ان کے ذہن میں آنے لگے، اس سے قبل احمد آباد جانے سے پہلے انھوں نے ''بزم اخوان'' کی تشکیل کی تھی جو ابھی ابتدائی مرحلہ میں تھی، اس صورتحال کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''بالآخر شاکر کے ذہن میں کتب خانہ اور لائبریری کے قیام کا جذبہ پیدا ہوا، ''بزم اخوان'' عالم گہوارہ میں تھی، کچھ اور علم دوست ساتھیوں کے اشتراک سے ''پبلک لائبریری خیرآباد'' کو وجود میں لایا گیا، نوجوانوں کی خواہشات اور جذبات کے پیش نظر کسی تحریک میں لگانا بھی ضروری تھا، تاکہ اس سے اجتماعی مفاد حاصل ہو اور لوگ اپنی تنظیم کا کوئی عملی مقصد سامنے دیکھیں، سیاسی یا مذہبی تحریک کے لیے ابھی فضا ہموار نہ تھی''۔

چنانچہ کئی ایک اصلاحی کام شروع ہوا، جس کی تفصیل سچی کہانی میں موجود ہے۔ اسی دوران ۱۴ر فروری ۱۹۳۷ء مطابق ۱۷ر رمضان ۱۳۵۵ھ کو ''پبلک لائبریری'' کا قیام عمل میں آیا جس کی تفصیلات کتاب کے حصہ اول میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے اندر سیاسی بیداری اور دلچسپی بھی پیدا ہونے لگی، چنانچہ اسی وقت جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری مبارکپور تشریف لائے تو خیرآباد سے بھی اچھی خاصی تعداد ان کے پروگرام میں شریک ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں جب ''مسلم پارلیمنٹری بورڈ'' بنا جس میں اکثریت راجوں اور نوابوں

کی تھی ، اس پر شاکر صاحب نے سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اس میں مسلم لیگ والوں کی اکثریت ہے اور دوسرے طبقوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے، ان کا اعتراض یہ تھا ''مسلم بورڈ میں ٹوڈیوں کے ساتھ اشتراک عمل کیوں کیا گیا؟ مسلم بورڈ نے کوئی مومن نمائندہ کیوں نہیں لیا؟ تحریک آزادی میں یہ راجے مہاراجے کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ وغیرہ''۔انھوں نے اپنی بات مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور مولانا احمد سعید دہلوی جیسے چوٹی کے قائدین کے سامنے رکھی ، لیکن کسی نے بھی اس کا معقول جواب نہیں دیا، مزید یہ کہ مقامی رہنماؤں نے آپ کو خوب سخت سست کہا، لیکن آپ کی اصول پسند شخصیت کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی، آپ اپنے موقف پر پورے استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ یہ آپ کی سیاسی بصیرت تھی کہ جس خدشہ کا اظہار آپ کررہے تھے بعد میں وہ سب سامنے آیا اور سب نے اسے تسلیم کیا، اس کی تفصیلات سچی کہانی میں دیکھی جاسکتی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

''''مسلم پارلیمنٹری بورڈ'' دراصل ''مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ'' تھا، اس نے اپنا ایک مینوفیسٹیو شائع کیا اور قوم پرست نظریات کی حمایت کا اعلان کیا، صوبہ یوپی کے لیے مسلم نمائندوں کا نامزد کرنا اسی بورڈ کے اختیار میں تھا، محمد آباد کے حلقہ سے شیخ ظہیر الدین فاروقی بیرسٹر بہرائچ کو نامزد کیا گیا۔ شاکر کو اول تو بورڈ کی ساخت پر سخت اعتراض تھا، سر آغا خان اور سر محمد شفیع کی مسلم لیگ مرچکی تھی، مسٹر جناح ان قوم پرست مسلم رہنماؤں کی وساطت سے پھر اسے زندہ کرنا چاہتے تھے، گو مسٹر جناح ملک میں اونچے درجے کے سیاست دان اور بے غرض و بے باک لیڈر تھے، اعلیٰ سرکاری حلقوں میں ان کی آواز کا اثر تھا، متمول آزاد خیال انسان تھے، ان کی ذات سے اتنی کد نہ تھی جتنی راجہ محمود آباد راجہ سلیم پور وغیرہ جو قطعاً جاگیردارانہ نظام کے حامی اور برطانیہ پرست تھے۔ شاکر کو بڑا غصہ ان نیشنلٹ رہنماؤں پر تھا جو اَب تک ان ٹوڈیوں کے خلاف صدائیں بلند کرتے تھے اور آج ان سے پیکٹ کرلیا تھا، چند نشستوں کے حصول کے لیے قوم سے اتنا بڑا سودا کرنا اسے بہت ناگوار ہوا، اس درمیان میں جلسۂ عام کرکے خیرآباد میں نئے دستور کے ناقص ہونے اور اسے ہندوستان کی خواہشاتِ

آزادی کے خلاف ہونے کا ریزولیشن پاس کر چکا تھا، ادھر لیڈروں کے اس رویے نے اسے سخت انتہا پسند بننے پر مجبور کر دیا، وہ کھلم کھلا اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوا؛ مگر حلقے میں اس کی آواز ہی کیا!''

.........[آگے چل کر] شاکر کے گذشتہ کارنامے سامنے آگئے، اس کے سیاسی خیالات کی سچائی نے بڑے بڑے کارکنوں کو اعتراف کروادیا کہ ''مسلم بورڈ'' کی حمایت کرنے میں کتنی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے؛ لیکن چوں کہ شاکر اس وقت خیرآباد میں تھا، جہاں نہ کوئی پریس ہے نہ اخباری دنیا، جہاں کوئی سیاسی لیڈر رہے نہ کوئی ذریعہ حالات حاضرہ سمجھنے کے لیے موجود، مگر قدرت کے عطیہ کا کوئی کیسے انکار کرے! اس چھوٹی سی بستی میں رہ کر اس نے مقامی اور ملکی سیاست کو دیکھا اور بین الاقوامی سیاست کو بھی سمجھا اور اپنی معمولی صلاحیت اور بساط کے مطابق اس میں حصہ بھی لیتا رہا، اس کے ذہن میں ملکی آزادی مقدم تھی، برطانی راج میں اسے کوئی ازم کامیاب دیکھنے کی امید نہ تھی، گو اس کا دماغ ''مزدور تحریک'' اور ''مزدور راج'' کا آماجگاہ تھا؛ پھر بھی شاکر نے اس فضا میں ہر اس تحریک کو کامیاب بنانا ضروری سمجھا، جس سے برطانی حکومت پر زد پڑے اور اس کے خلاف قوت کو تقویت پہنچے۔

کتاب کے حصہ اول میں خیرآباد کی سیاسی سرگرمیوں کے ضمن میں حافظ صاحب کے سیاسی کارناموں کو اور ان کی اصلاحی کاوشوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ جب ان کے قیام خیرآباد پر کچھ عرصہ گذر گیا اور لوگوں نے ان کے حوصلے اور استقلال کو دیکھا تو ان کی اہمیت کو تسلیم کیا، اس طرح اپنی قربانیوں کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ یہ ماحول میں تبدیلی آئی۔ وہ لکھتے ہیں:

''شاکر اپنے ذاتی کام میں بے حد مصروف رہتا اور سخت محنت، مشقت کے بعد ذریعۂ معاش حاصل کرتا، اب تک اس کے خلاف لوگوں کے جذبات صرف یہ تھے کہ ''تنہا آدمی'' ہیں، اس لیے آزاد رہ کر معقول آمدنی کے سہارے زندگی کی دلچسپیوں میں حصہ لیتا ہے، اگر اہل وعیال کی پرواکے ساتھ ساتھ پارچہ بافی کرنی پڑے تو تمام مشاغل چھوٹ جائیں؛ مگر اب لوگ اس کی شخصیت اور اہمیت کو محسوس کرنے لگے تھے اور غائبانہ معترف بھی تھے کہ یہاں کی زندگی میں رہ کر وہ برابر پبلک کام میں اور سیاسی

دلچسپیوں میں اسی انہاک سے شریک ہے۔"

۱۹۳۷ء میں خیرآباد کے کاروباری حالات کچھ ایسے دگرگوں ہو گئے کہ آپ نے کانپور جانے کا فیصلہ کرلیا اور وہاں مل میں ملازمت اختیار کرلی، لیکن خطوط کے ذریعہ یہاں کے لوگوں سے رابطہ برقرار رہا۔ سچی کہانی میں مولانا محمد سلیمان شمسی [جو اس وقت طالب علم تھے] اور محمد انصاری اور دیگر لوگوں کے خطوط موجود ہیں جس سے پبلک لائبریری اور دوسری سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ کانپور میں بھی کانگریس ومجلس احرار کے پلیٹ فارم سے قومی تحریک اور دوسری طرف مزدور تحریک میں برابر حصہ لیتے رہے، اسی کے ساتھ "مومن گزٹ" کانپور میں سیاسی وادبی مضامین اور نظمیں وغیرہ بھی حسب ضرورت لکھتے رہے۔

آپ ایک متیقظ اور بیدار ذہن کے آدمی تھے، آپ کا ذہن چوطرفہ چلتا تھا۔ کانپور کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ خیرآباد آئے، معلوم ہوا کہ الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر شاہ محمد سلیمان صاحب اپنے وطن تشریف لائے ہیں، چیف جسٹس صاحب نہایت بلند علمی وادبی ذوق کے حامل، ایک دیندار وقوم پرور انسان تھے، آپ نے ان کی آمد کو غنیمت سمجھا اور ایک وفد کے ساتھ پبلک لائبریری کے تعاون کے سلسلہ میں ان سے ملاقات کی، آپ کے کاموں اور پروگرام سے سر شاہ سلیمان صاحب بہت متاثر ہوئے اور کافی حوصلہ افزائی کی۔

"شاکر ہڑتال کے زمانے میں خیرآباد آ گیا اور یہاں کی فضا میں آکر پھر اسے اپنی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ عوامی زندگی سے واسطہ پڑا۔ متصل کے موضع ولید پور میں سر شاہ محمد سلیمان صاحب چیف جج الہ آباد ہائی کورٹ تشریف لائے، جہاں ان کا سکونتی وطن ہے۔ شاکر نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر صاحب موصوف سے ملنے کے لیے ایک وفد لے کر ولید پور پہنچا، پبلک لائبریری کے رجسٹر اور کاغذات ہمراہ لے لیے، مقصود تو صرف اپنے حلقے کے ایک نامور اور قابل فخر شخصیت سے ملاقات کرنا تھا؛ مگر اس سلسلے میں لائبریری کا ذکر چھیڑ کر اس بے مایہ علمی ادارہ کی طرف موصوف کی توجہ منعطف کرادی گئی۔ آپ ہندوستان گیر شہرت کے مالک ہیں، اور اپنی خداداد قابلیت کی بنا پر نہ صرف سرکاری حلقوں میں مقبول؛ بلکہ اپنی ذہانت اور قومی ہمدردی کی صفات کی وجہ

سے ملک کے تعلیمی اداروں اور قومی کانفرنسوں میں بھی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

بڑے اخلاق اور محبت سے ملے اور نوجوانوں کے اس جذبے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: مجھے اپنے وطن میں ایسی سرگرمیاں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی، میری دعا ہے کہ نوجوان اپنے فرائض کو پہچانیں اور اسے ادا کریں، خیرآباد کے نوجوانوں نے ایک مثال قائم کردی ہے، ضرورت ہے کہ قرب وجوار میں ایسی سوسائٹیاں بنیں اور تعلیمی ادارے قائم ہوں؛ تاکہ ہم اور ہماری قوم تعلیم کی موجودہ کمی کو پورا کرنے کی سعی کرسکیں۔ میں ان شاء اللہ الٰہ آباد پہنچ کر اس کی کچھ اعانت کروں گا۔ آپ لوگ مجھے یاددہانی کردیں۔

آپ سے مل کر اراکین وفد بہت محظوظ ہوئے اور حوصلہ افزائی سے متأثر ہوکر شکریہ ادا کرکے خیرآباد واپس ہوئے۔

جج صاحب موصوف نے الٰہ آباد سے پبلک لائبریری کے لیے کتابوں کا تحفہ بھیج دیا، جس میں آپ کے والد ماجد کی تاریخ زندگی (تذکرۂ فدائی) اور مسلم تعلیمی کانفرنس کے متعدد خطبۂ صدارت جو موصوف نے وقتاً فوقتاً مختلف مواقع پر ارشاد فرمائے تھے اور چند مطبوعہ خطبے آپ کی اہلیہ محترمہ کے بھی شامل ہیں''۔

''خیرآباد کی سیاسی وسماجی اور تعلیمی سرگرمیوں سے اطراف کے مواضعات بھی متأثر ہوئے، ولید پور میں ایک لائبریری کا قیام عمل میں آیا اور مدرسہ اسلامیہ کے ساتھ ساتھ نوجوانوں نے مدرسہ شبینہ اور لائبریری کو حسن وخوبی کے ساتھ بہترین نظام کے تحت چلایا اور اب تک سرگرم کار ہیں۔ موضع املو مبارکپور میں ''پبلک لائبریری املو'' کے نام سے حکیم محمد سعید صاحب اور دیگر انصار نوجوانوں نے ادارہ قائم کیا اور عرصہ تک چلاتے رہے، مولوی محمد ادریس صاحب آزاد کی ہستی نوجوانوں کے لیے مشعل راہ بنی اور جمعیۃ الانصار املو کی تشکیل میں آپ کی شخصیت بڑی مفید اور کارآمد ثابت ہوئی''۔

یہ زمینداری کا دور تھا، زمیندارانہ ذہنیت نے ہماری مومن برادری کو اچھوت بنا کر رکھ دیا، اور اس برادری کی حیثیت محض ان کے کارندوں اور ملازموں کی رہ گئی تھی، ان سے

بیگار لینا اور مختلف طرح سے ظلم روا رکھنا ایک عام بات تھی، برادری کا کوئی آدمی کبھی اس بات کو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنا کوئی جائز مطالبہ اور بنیادی ضرورت کو بھی ان کے سامنے رکھ سکے، بس ان کے سامنے خوشامد اور جی حضوری ہی ان کی معراج تھی۔ حافظ صاحب کو اس سے سخت نفرت تھی، وہ بمبئی، احمد آباد اور کانپور میں ہر طرح کی تحریکوں کو دیکھ چکے تھے بلکہ جیل کی صعوبت اور قید و بند کا مزا بھی چکھ چکے تھے، وہ کیسے اس کو برداشت کر سکتے تھے، انھوں نے قوم کے اندر بیداری اور حق شناسی کے سلسلہ میں کافی محنت کی۔ مولانا محمد سلیمان صاحب شمسی آپ کے اس مزاج اور طبیعت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''شاکر کے پہلو میں ایک حساس دل ہے، جو اپنی قوم کے لئے ہر وقت دردمند رہتا ہے۔ شاکر اپنی قوم کا معیارِ زندگی اس قدر بلند دیکھنے کا متمنی ہے کہ حریفوں کی نگاہیں وہاں تک جاتے جاتے تھک جائیں، وہ جب اپنی قوم کی پستی اور زبوں حالی پر نظر ڈالتا ہے تو اسے روحانی کوفت اور ذہنی تکلیف ہوتی ہے، اور اس وقت وہ قوم کی خاطر اپنا سب کچھ تج دینے کو تیار ہو جاتا ہے، اگر اسے یقین ہو جائے کہ میری اپنی قربانی سے میری قوم کی اقتصادی بدحالی، سماجی خرابی، معاشی ابتری اور مذہبی خستگی کی مکمل اصلاح ہو جائے تو وہ خود کو بھینٹ دینے سے بھی دریغ نہ کرے گا''۔ (تعارف سچی کہانی)

مومن انصار کانفرنس میں شرکت اور اس سے متعلق نکلنے والے رسالوں کا جم کر پابندی سے مطالعہ کرتے اور ان میں بوقت ضرورت لکھتے بھی رہتے۔ جیسے کانپور سے نکلنے والا ''مومن گزٹ''۔ بہار کا ''مساوات''۔ بدایوں کا ماہنامہ ''مومن'' بمبئی کا ''مومن ہفتہ وار'' اور مرادآباد کا ''انصاری دنیا'' وغیرہ۔ ایک مرتبہ محشر خیال دہلی نے اپریل ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں ایک تحریر ''چندو جولاہا'' شائع کی، جو مسٹر عبداللہ فاروقؔ کی ادارت میں نکلتا تھا، آپ نے اس مضمون کو پڑھا تو اپنی قوم کی تحقیر انھیں سخت ناگوار گزری۔ انھوں نے فوراً ایک احتجاجی خط اڈیٹر محشر خیال کے نام ارسال کیا، اور ان سے خط و کتابت ہوئی، آخر میں اڈیٹر نے معذرت کی اور اسے اپنے اخبار میں شائع کیا، آپ اس قدر مدلل اور اصولی گفتگو کرتے

کہ مخالفین کو بات مانتے ہی بنتی تھی، اس مکاتبت کی پوری تفصیل سچی کہانی میں موجود ہے۔

قوم کے اندر علمی وادبی ذوق پیدا کرنا اور ان کے سیاسی شعور کو بیدار کرنے کے سلسلہ میں انھوں نے اطراف کے علماء کرام اور دیگر تعلیم یافتہ حضرات سے ملاقاتیں بھی کیں، اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں:

شاکر نے اس سفر میں اعظم گڑھ کے مختلف گاؤں، قصبوں کا دورہ بھی کیا، مبارکپور کے احباب سے تبادلۂ خیال کرکے مئو کے محترم علمائے کرام (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب [اعظمی]، مولانا محمد ایوب صاحب، مولانا عبداللطیف صاحب) اور ماسٹر احسان اللہ صاحب سے ملاقات کی اور مومن تحریک پر گفتگو کرتا رہا۔ پورہ شیخ معروف مولوی محمد شبلی صاحب شیداؔ کی تحریک پر پہنچا۔ جمعیۃ الطلبہ اسلامیہ کے علاوہ رات میں ایک جلسۂ عام ہوا، اور شاکر نے مومن تحریک اور مجلس احرار اسلام ہند پر مفصل دو گھنٹہ تقریر کی، پورہ کے چند مولوی صاحبان سے تعارف کرایا گیا، وہاں کی سابقہ عظمت اور تاریخ کی معلومات ہوئی۔

استاذ محترم مولانا ضیاء الدین صاحب حافظ صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حافظ محمد شعیب صاحب میں ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی قابل تقلید تھی کہ وہ خیرآباد کی سماجی، رفاہی اور ملی سرگرمیوں کی نہ صرف فراخ دلی سے حمایت کرتے تھے بلکہ عملی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔

اتراری میں مولانا کمال اختر صاحب قاسمی کے والد نذیر احمد سکریٹری مرحوم، حاجی بابو کے والد حاجی عبدالرحمٰن صاحب، اور منشی نثار احمد مرحوم سے بھی حافظ صاحب کے قریبی مراسم تھے۔ ۱۹۶۸ء کے آس پاس مالی بچت کے لئے جناب نذیر احمد سکریٹری منشی نثار احمد، ڈاکٹر فضل الرحمٰن چھپراوی، مولانا عبدالحق صاحب، محلّہ اٹھوریا ٹولہ (سابق ناظم مدرسہ منبع العلوم) محمد ادریس (سابق پردھان) وغیرہم نے مسلم فنڈ کھولا تو حافظ محمد شعیب صاحب نے اس کی سرپرستی قبول کی اور اس کا اصول وضابطہ بنایا، ان لوگوں نے مشورہ سے پہلے غلہ اور پھر سوت کا کاروبار شروع کیا لیکن اس میں نقصان ہوا اور مسلم فنڈ چھ سات سال چل کر بند ہوگیا۔ فنڈ کی طرف سے یوم آزادی کا ہلکا پھلکا

پروگرام سکریٹری صاحب کے مکان کے سامنے مختصر سے صحن میں ہوا کرتا تھا۔ میں اس وقت دس بارہ سال کا رہا ہوں گا لیکن حافظ شعیب صاحب کی اس پروگرام میں آزادی سے متعلق تقریر سنتا تھا۔

اسی صحن میں فنڈ کے یہ بوڑھے اور ادھیڑ عمر بزرگ روزانہ عشا بعد بیٹھتے تھے، ایک بڑا سا پلنگ اور اس کے تین طرف بنچ لگتی تھی، دیر رات تک سیاسی اور سماجی باتیں ، اور دوسرے واقعات چلتے رہتے تھے، یہی ان لوگوں کی تفریح تھی۔ اس مجلس میں ہفت روزہ ''نشیمن'' بنگلور (اڈیٹر عثمان اسد) کا اداریہ پڑھا جاتا تھا، اس پر خوب تبصرے ہوتے، ہفتہ عشرہ میں اس مجلس میں حافظ شعیب بھی آجاتے تھے تو رنگ محفل کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ میں نوعمر بچہ تھا لیکن مجھے اس مجلس میں بہت لطف آتا تھا، تقریباً اکثر راتوں کو مجلس میں شریک ہوتا تھا، ان بزرگوں کی باتیں سنتا تھا کہ کیسے سیاسی باتیں کرتے ہیں ، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بچہ جان کر بھگائے ہوں۔ اس شرکت کا فائدہ یہ ہوا کہ بچپن ہی سے سیاسی شعور بیدار ہونے لگا۔ ''نشیمن'' سے ایک انسیت پیدا ہوگئی، حافظ شعیب صاحب کی قابلیت کا سکہ دل پر بیٹھ گیا۔

اس وقت بدایوں سے نکلنے والا ماہنامہ ''مومن'' بھی آتا تھا، اس میں حافظ کے مضامین اور نظمیں وغزلیں ہوتی تھیں، اس کے شمارے اچھی خاصی تعداد میں نذیر سکریٹری صاحب کے پاس تھے، مجھے مطالعہ کا شوق بلکہ جنون بچپن ہی سے تھا، وہ شمارے لے جاکر پڑھتا تھا، کچھ سمجھ میں آتا کچھ نہیں، اگر اس کے شمارے دستیاب ہوجائیں تو حافظ شعیب صاحب کے فکر وفن پر اچھی خاصی مدد اس سے ملے گی۔

بعد میں جب مولانا کمال اختر صاحب کی تحریک وترغیب سے اتراری کے نوجوانوں نے دبستان ادب لائبریری قائم کی تو یہ سب رسائل ومجلّات اس میں رکھوا دیئے گئے، پتہ نہیں اب کہاں کس کے گھر یہ کتابیں اور مجلّات ہیں، اچھی تعداد میں کتابیں جمع کرلی تھیں اور جامع مسجد عمر فاروق سے متصل مسجد ہی کی بلڈنگ میں دکانوں کے اوپر چھت پر ایک کمرہ میں لائبریری تھی، جب وہ بلڈنگ منہدم کر کے نئی دکانیں بننے لگیں تو لائبریری کی کل کتابیں کسی کے گھر منتقل کر دی گئی تھیں، مجھے یہ نہیں معلوم کہ کس کے

یہاں کتابیں رکھی گئی ہیں، اتنا معلوم ہوا کہ اب وہ کتابیں محفوظ نہیں رہیں۔اور دبستان ادب کا روشن چراغ اس طرح بجھ گیا کہ نئی عمر کے لڑکوں کو یاد بھی نہیں رہا کہ دبستان ادب لائبریری بھی اترازی میں تھی''۔ضیاءالدین قاسمی ندوی

بحیثیت مصنف اور ادیب وشاعر:

آپ کی تعلیم تو بس واجبی سی ہی تھی، لیکن اپنی محنت اور شوق مطالعہ کی بنا پر زبان وادب کی بہترین استعداد بہم پہنچالی تھی۔تقریر،تحریر اور شاعری تینوں میدان میں کمال پیدا کیا، آپ کی زندگی جس قدر منضبط اور اصولی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے مضامین ومقالات اور نظمیں وغزلیں وغیرہ سب کچھ محفوظ رہا ہوگا، لیکن آپ کی وفات کے بعد جس طرح آپ کا کتب خانہ منتشر ہوکر ضائع ہوگیا، وہی حال کلام اور دیگر چیزوں کا بھی ہوا ہوگا، وہ تو نہ جانے کس طرح آپ کی خودنوشت دست بردزمانہ سے اب تک محفوظ رہ گئی، کہ اس کی مدد سے گاؤں کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ محفوظ رہ گیا۔''سچی کہانی'' خیرآباد کی تاریخ کی پہلی تصنیف ہے، اسی طرح ماہنامہ ''مومن'' بدایوں میں لکھے گئے آپ کے مضامین اور کلام سے آپ کے ذوق تحریر کا اندازہوہوتا ہے، لیکن افسوس کہ اس کے بھی چند ہی شمارے دستیاب ہوسکے۔اس کے لئے میں نے بدایوں تک رابطہ کیا لیکن کوئی کامیابی نہ ہوسکی۔جی چاہتا ہے کہ آپ کی خودنوشت ''سچی کہانی'' کا مختصر تعارف پیش کردوں، اس کے بعد کچھ نمونۂ کلام پیش کر کے مضمون کو ختم کردوں، چونکہ نثری نمونے بکثرت اس مضمون میں آچکے ہیں، اس لئے اب ان کی مزید کوئی ضرورت نہیں ہے۔

''سچی کہانی'' کا مسودہ دو کاپیوں پر لکھا ہوا ہے، پہلی کاپی میں ۱۵۵ر صفحات ہیں، اور دوسری کاپی میں ۱۳۱ر صفحات ہیں۔اس کا مفصل تعارف مولانا محمد سلیمان صاحب نے لکھا تھا، جو غالباً ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا، میں نے مولانا شمسی صاحب سے دریافت کیا کہ ''سچی کہانی'' کا تعارف تو شائع ہوگیا لیکن سچی کہانی کیوں اب تک شائع نہ ہوسکی، فرمایا کہ بعض سیاسی مصالح کی بنا پر یہ تعارف لکھا گیا تھا، لیکن مصنف کے پاس اتنے وسائل نہ

تھے کہ اسے شائع کرسکتے اور دوسروں سے تعاون کی درخواست ان کے مزاج کے بالکل خلاف بات تھی اس وجہ سے سچی کہانی شائع نہ ہوسکی۔ یہ تعارف مولانا شمسی صاحب کے زورِ قلم کا شاہکار ہے اور کتاب وصاحب کتاب کا بہترین تعارف ہے۔

یہ خودنوشت ایک مکمل کتاب کی طرح ہے، انتساب وغیرہ بھی لکھا ہوا ہے۔ اس کا ٹائٹل نہیں ہے، لیکن مولانا سلیمان صاحب کے تعارف کا ٹائٹل اس طرح ہے:

وہ قصے اور ہوں گے جن کو سن کر نیند آتی ہے
مگر ''سچی کہانی'' سے عمل بیدار ہوتا ہے

سچی کہانی

از حافظ محمد شعیب صاحب شاکرؔ انصاری

دوسرے صفحہ پر انتساب کی عبارت ہے۔

امیرؔ جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

انتساب

میں اپنی اس پراگندہ اور غیر مربوط تحریر کو
رفیقِ زندگی ''نثار فاطمہ بیگم'' عرف زہرہ مرحومہ
کے نام معنون کرتا ہوں۔

محمد شعیب اعظمی، احمد آباد ۱۷/ مارچ ۱۹۴۵ء

اپنی تو اس چمن میں عمر اس طرح سے گزری
یاں آشیاں بنانا، واں آشیاں بنانا

کتاب کا مسودہ چونکہ دو کاپیوں پر مشتمل ہے، اس لئے مصنف نے پہلی کاپی کو حصہ اول اور دوسری کو حصہ دوم قرار دیا ہے۔ حصہ اول کی تکمیل ۱۷/ مارچ ۱۹۴۵ء میں ہوئی، اور حصہ دوم ۶/ دسمبر ۱۹۵۳ء میں مکمل ہوا، گویا اس کی تصنیف کو ۶۵/ سال ہو رہے ہیں۔ کتاب کا آغاز کچھ اس طرح ہوتا ہے:

بھٹکتی زندگی

زندگی اپنی جب اس طرح سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

کارخانے کی پُر ہول فضا میں انجن کی جھک جھک چکروں کا گھس گھس مشینوں کی چیخ و پکار سن سن کر دماغ کا قیمہ تو ہو جاتا ہے، شام کو جب واپس باہر آؤ تو شہر کی پُر پیچ بھیانک حالت سے سابقہ پڑتا ہے، کہیں شادی کے شادیانے تو کہیں غم کی ماتم زاریاں، کہیں جنگ کی ہولناک للکار تو کہیں غربت و افلاس کا سناٹا، ہوٹلوں کی چہل پہل میں ریڈیو کی چبھنے والی آوازیں، گراموفون پر چلتی ہوئی سوئی، بھیجے میں گھستی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

ان متضاد مناظر سے گزر کر کہیں قلم کا جلوہ، سینما کے رنگین پردے پر حسن و نغمہ کی ملی جلی تصویر آنکھوں اور کانوں کو دعوتِ تسکین دیتی ہے، ان کیفیات سے اُکتا کر جب شاکرؔ اپنے مسکن پر لوٹتا ہے تو وہی قبرستان کا جیسا سیاہ خاموش سکون موجود پاتا ہے، اندھیرے میں چارپائی پر پھیلے ہوئے بستر کسی نئی قبر کا دھوکا دیتے ہیں، دن بھر کی سخت محنت سے تھکا ہوا یوں آرام کی تلاش میں بستر اور رضائی کے درمیان پناہ لیتا ہے مگر روح؟ او معبود! آوارہ روح، اس بساندھ بھری رضائی میں مقید رہنے پر کب آمادہ ہوتی ہے! وہ پردۂ فلم کی طرح چھت اور دیوار پر شاکرؔ کی دنیا اور اس کا ماضی و مستقبل بناتی رہتی ہے، اور صبح ۶/ بجے تک جب صورِ اسرافیل کے مانند مل کی سیٹی سن کر لحاف کو خیرباد کہتے ہوئے، کارخانے کی چہار دیواری میں داخل نہ ہو جائے، یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہ بھٹکتی ہوئی روح خیالات کو ساتھ لے کر کبھی ماضی کے نقوش ابھارتی ہے، کبھی مستقبل کی روشنی پھیلانے میں مصروف ہوتی ہے، کبھی تو ماضی کے نقوش اتنے

گہرے اور دلکش ہوتے ہیں، جتنے مستقبل کے تابناک شعلے۔‘‘

ابتدائیہ کا یہ اسلوب تو ناولوں جیسا ہے، لیکن اس میں شاکر نے اپنی موجودہ زندگی کی تلخیوں اور کرب کو سمو دیا ہے۔ اس کے بعد اپنا ابتدائی دور، والد کا داغِ مفارقت دے جانا، والدہ کا سانحۂ ارتحال، اس وقت کی گھریلو صورتحال، والدہ کا، ان کے اور بڑی بہن کے نکاح میں عجلت کرنا، شاکر کا مدرسہ منبع العلوم اور مدرسہ احیاء العلوم کا تعلیمی دور، مبارکپور کا چند سالہ قیام، حفظ کی تکمیل، تلاشِ معاش میں ناگپور و بمبئی کا سفر، معاش کے ساتھ وہاں کی علمی، ادبی اور سیاسی سرگرمیاں، اہلیہ زہرہ بیگم کی رخصتی کی داستان، ان سب کو اجمالی طور پر اس طرح شستہ وشگفتہ اور رواں دواں اسلوب میں تحریر کیا گیا ہے کہ قاری بھی تحریر کی روانی میں بہتا چلا جاتا ہے۔ بیماری کی وجہ سے جب بیوی کو بمبئی سے وطن کے لئے رخصت کیا تو اس موقع پر لکھتے ہیں:

’’ ۱۱/ ماہ ساتھ رہ کر زندگی کی شیرینی اور تلخیوں کا ذائقہ چکھنے کے بعد شاکر اور زہرہ کی جبریہ جدائی رومانی گرد پوش میں لپٹی ہوئی سچی کہانی کا موضوع بن سکتی ہے؛ مگر مزدور کی زندگی کے لیل ونہار یوں ہی راکھ بن جاتے ہیں، آسمان سے ٹوٹے ہوئے ستارے ایک مرتبہ خوشی میں چمکے اور پھر خلا میں غائب ہوگئے، کون ان کی تاریخ لکھنے بیٹھتا ہے؟ ویسے ہی زمین کے یہ پودے ابھرے، چند لمحے لہرائے پھر مرجھا گئے‘‘۔

صفحہ ۱۲۱ر تک بمبئی، دہلی اور اندور کی داستان اپنے مخصوص اسلوب میں بیان کی ہے، صفحہ ۱۲۱ کے اخیر سے اپنی اہلیہ زہرہ بیگم کے خاندان کا تعارف کرایا ہے جو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اپنے خاندان کا تعارف کرایا ہے، جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے، ایسا لگتا ہے جیسے کوئی اپنی یادداشت لکھ رہا ہو، جو کچھ جیسے یاد آتا گیا رقم کرتے گئے، جیسے بمبئی کے سیاسی احوال کا ذکر کرتے ہوئے کوئی بات خیرآباد یا مبارکپور کی آگئی تو رہوارِ قلم ادھر مڑ گیا، پھر چند صفحات یہاں کے بارے میں تحریر کرگئے۔ خیرآباد کے بہت سے نام ایسے ہیں جن سے آج کے لوگ بالکل واقف نہ ہوں گے، ضرورت اس کی ہے کہ پرانے لوگوں سے مل کر معلومات حاصل کرکے وہاں حواشی لکھے جائیں۔

اگر اسے بطور تصنیف کے لکھا جاتا تو ابواب وفصول قائم کر کے ایک مرتب انداز پر لکھتے، اس لئے سرسری طور پر اس کا مطالعہ کرنے والا کما حقہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اگر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت آئی تو اسے از سرنو جدید انداز پر مرتب کرنا پڑے گا تب اس سے استفادہ آسان ہوگا۔ شاکر صاحب کا ایک طویل زمانہ مِل کی ملازمت میں گزرا ہے، اس لئے اس کی چھوٹی بڑی تمام جزئیات اس میں ملتی ہیں، اور ایک مزدور کی زندگی کیسی ہوتی ہے اور مالکان اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں یہ سب تفصیلات اس میں موجود ہیں۔ اس داستان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ تمام واقعات کو بقید تاریخ وسن لکھا گیا ہے جس سے تاریخ خیرآباد کے بہت سے واقعات محفوظ ہوگئے ہیں، جسے حصہ اول میں جگہ جگہ مختلف عناوین کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

احمد آباد کے قیام کے دوران ایک مرتبہ ریاست بڑودہ گھومنے کے لئے گئے، وہاں کے حالات لکھتے ہیں:

احمد آباد کے قریب ریاست بڑودہ بہت مشہور اور ممتاز ریاست ہے، یہاں آکر اس کا تذکرہ اکثر سنا گیا اور اس کی سیاحت کا باعث بنا، عید کی تعطیل میں ۲۱ر فروری ۱۹۳۰ء کو محمد صدیق خیرآبادی اور حافظ عبدالحمید کے ہمراہ بڑودہ پہنچے، شاکر کتب واخبار سے جو کچھ واقف تھا، اس کی رہنمائی میں ادھر اُدھر گھومتے رہے، عجائب گھر میں چند جانور ایسے دیکھنے میں آئے جو اس سے قبل رانی باغ بمبئی یا ناگپور میں بھی نہ دیکھے گئے تھے، لائبریری یا کتب خانہ بڑی عالی شان عمارت میں اور بہت بڑے پیمانے پر قائم تھا اور کتب کی فہرست دیکھ کر حیرت ہوئی، دوسری زبان کی کتاب کو تو پوچھنا ہی کیا، اخبار ورسائل بھی بکثرت تھے؛ مگر صاف صفائی میں کتب خانہ بہت پست حالت میں تھا۔ راج محل کی سیر میں شاہی نمائش کے علاوہ مصوری اور آرٹ کے نمونے دیکھنے میں آئے، تالاب کا خوشنما منظر اب تک ذہن میں نقش ہے۔ اس سیاحت کی ایک تصویر یادگار ہے جو ایک فوٹوگرافر کے یہاں کھینچی گئی''۔

ایک مرتبہ ضرورت سے زیادہ محنت کرنے کی وجہ سے طبیعت خراب ہوگئی، اس پر

کتنی عمدہ اور لائق عمل بات لکھی ہے:

''قانون فطرت کے خلاف زندگی گزارنا اور یہ سمجھنا کہ ہم صحت وتندرستی کو باقی رکھیں گے خام خیالی ہے، انسان اپنی کمزوریوں کے باوجود کبھی کبھی ایسی غلطی کر بیٹھتا ہے، اور اس کا انجام وہی ہوتا ہے جو قدرت کا مقابلہ کرنے میں ہوسکتا ہے''۔

صفحہ ۳۶ پر ''بزم احباب'' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ خاصا دلچسپ اور روح عمل سے لبریز ہے، ماحول تو اسی انداز سے بنایا جاتا ہے اور لوگوں کے اندر عمل کی روح اسی طرح پھونکی جاتی ہے۔ ص:۵۳ تک احمد آباد کی مل یونین مزدور اور اس کی سرگرمیوں اور وہاں کے سیاسی حالات کی تفصیلات ہیں، اس کے بعد ص:۵۴ سے سات صفحات میں مبارکپور کی سیاسی ومذہبی کی تفصیلات ہیں، جس میں سے احیاء العلوم اور مولانا شکر اللہ صاحب کے بارے میں ایک طویل اقتباس گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، اس کے علاوہ وہاں بریلوی، دیوبندی کشمکش، وہاں کی مناظرانہ فضا اور جس وقت دیوبندی جماعت کا جمعہ الگ ہوا، ان سب کی تفصیلات اس میں موجود ہیں، حافظ صاحب خود اس جمعہ میں شریک تھے۔

ص: ۶۵ پر ۲۴/ دسمبر ۱۹۳۱ء کو بزم احباب احمد آباد میں کی گئی ایک تقریر ''مقاصد زندگی'' نقل کی ہے، جو خاصے کی چیز ہے، حیرت ہوتی ہے کہ ہجومِ افکار وکثرتِ کار میں گھرے رہنے کے باوجود وہ کیونکر ان سب چیزوں کے لئے وقت نکالتے تھے، یہ تقریر ص: ۶۵ سے ص: ۸۸ تک پھیلی ہوئی، اور اس لائق ہے کہ اسے الگ سے شائع کردیا جائے۔

ص: ۹۰ سے ۱۰۳ تک خیرآباد کے مختصر حالات، گاؤں کی دینی، معاشی، تعلیمی اور سیاسی صورتحال پر بہترین انداز میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ ایک صدی قبل کی صورتحال اجمالی انداز میں نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے، ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اس زمانہ میں کوئی اہم بات ہوتی تھی تو اس کا فیصلہ پنچایت کے ذریعہ ہوتا تھا، پنچایت کی مختلف قسموں اور اس کے درجات کے بارے میں حافظ صاحب لکھتے ہیں:

''برادری کی پنچایت میں خیرآباد مرکزی مقام تھا۔ محمد آباد، خیرآباد، ولید پور، بھیرہ،

ابراہیم پور مل کر پنچ گانواں قائم تھی، جس میں محمد آباد باشاہ، خیرآباد وزیر، ولید پور بھیرہ کوتوال، ابراہیم پور سپاہی کی حیثیت رکھتے تھے، اپنے اپنے مقام کی پنچایت اگر ابتدائی عدالت تھی تو پانچ گاؤں کی پنچایت عدالت عالیہ، اور چوراسی کی پنچایت ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کی حیثیت رکھتی تھی۔

۱۹۱۸،۱۹ء میں جب خلافت کمیٹی اور کانگریس کی تحریک ترک موالات ملک بھر میں زور وشور سے جاری تھی، یہاں اور اطراف میں بھی کافی زور رہا؛ لیکن خیرآباد میں مولوی نعمت اللہ صاحب اور حاجی عبدالرحمٰن کے خاندان کے لوگوں نے پہلے اس تحریک میں شرکت کی اور بلامشورہ حاجی عبداللہ کے، خلافت کمیٹی کی تشکیل کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاجی عبداللہ کا خاندان اس سے الگ رہا اور نہ صرف اس کی کاروائی سے الگ رہا؛ بلکہ اپنے امکان بھر اوروں کو بھی الگ رکھا اور خاندانی چشمک کی بنا پر اس ہندوستان گیر تحریک کی مخالفت بھی کرتا رہا۔ مولوی نعمت اللہ صاحب، حکیم نور محمد صاحب، حمید اللہ دلال، منشی عبدالرحیم، محمد یعقوب منیب وغیرہ مقامی طور پر تحریک کے روح رواں تھے، جوش وخروش کا زمانہ تھا، بہت سی باتیں جذبات کے ماتحت بلامرکزی کمیٹی، صوبہ کمیٹی، ضلع کمیٹی کے انجام پاتی تھیں۔ سودیشی کی ترویج کے لیے اور بدیشی مال کے بائیکاٹ کے لیے پکٹنگ ہوتی تھی، ولایتی ٹوپیاں سرراہ جلائی جاتی تھیں۔

اسی سلسلے میں نشہ بندی کی تحریک بھی شروع کردی گئی، محمد آباد میں نشہ بندی کے لیے رضا کار تعینات تھے، ایک روز کچھ رضا کاروں نے ایک شخص کو تاڑی پینے سے منع کیا، جس پر حجت ہوگئی اور وہ نہیں باز آیا، نتیجے میں اس کے چہرے پر کالک پوت کر شان کے ساتھ گدھے پر بٹھایا گیا اور گشت کرایا گیا۔ بعد میں گھورے، بقر عیدو، حبیب اللہ، عبدالحمید وغیرہ پر تحصیل میں پولیس نے مقدمہ چلایا، پیشی کے روز مئو اور مبارکپور تک کے لوگ جھنڈے لے کر نعرے لگاتے ہوئے عدالت میں حاضر ہوئے، تخمینہ لگایا گیا ہے کہ کسی کسی تاریخ پر پچاس پچاس ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا تھا، بعض مرتبہ تو خوف سے حکومت کو اپنا خزانہ تحصیل سے اعظم گڑھ منتقل کردینا پڑتا تھا۔

چوراسی کی پنچایت، فیصلہ ۱۶/ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ

اُس زمانے میں کسی جوڑ توڑ کے مطابق حاجی عبداللہ نے حاجی محمد حسن اور حمید اللہ

دلال کو ہموار کرلیا اور اب مولوی نعمت اللہ اور یعقوب منیب کی طاقت کا توازن جاتا رہا۔ حاجی عبداللہ کی اس کاروائی کو قوم کے لیے گستاخانہ تصور کیا گیا اور مقامی پنچایت کو بے اثر دیکھ کر چوراسی پنچایت ۱۹۱۹ء میں جمع کرنے کی منظوری حاصل کی گئی، چوں کہ جگہ جگہ خلافت کمیٹی کا نظام قائم تھا، اس کی اعانت سے ابراہیم پور سے متصل موضع پچری کی باغ میں اجتماع ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حاضرین کی خاطر کے لیے پانچ سو حقے کا انتظام معقول تھا، کھانے پینے کے علاوہ گیس کی روشنی ہوتی تھی، عبداللہ سردار مہاراج گنج صدر پنچایت یا شاہ پنچایت تھے، شاکر نے مولوی شکراللہ صاحب اور مولوی محمد سجاد صاحب مبارکپوری کو بڑی سرگرمی سے تقریریں کرتے سنا اور دیکھا، کئی روز کے غور وفکر کے بعد اور کافی بحث وتمحیص پر حاجی عبداللہ، حاجی محمد حسن، حمیداللہ دلال کو قوم کی اہانت کا مجرم قرار دیا گیا اور ایک ایک سو روپیہ جرمانہ کے علاوہ بھری چوراسی میں کھڑے ہوکر ہاتھ جوڑنے کی سزا دی گئی''۔

خیرآباد کے ذکر کے بعد کاپی کے ختم تک یہاں مختلف سیاسی، تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ بالکل اخیر کے دو صفحات پر شاکر صاحب نے اپنے خاندان اور اپنے نانیہال کا مکمل شجرہ لکھا ہے، جو اُن کے افرادِ خاندان کے لئے ایک قیمتی اور نادر شے ہے۔

دوسرے حصے کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے

گزاری تھیں خوشی کی چند گھڑیاں　　اُنھیں کی یاد میری زندگی ہے

اس کے بعد ایک صفحہ میں حصہ اول کے تمام ذیلی عناوین کو ذکر کیا گیا ہے، اجمالاً حصہ اول کے تمام مندرجات سرسری طور پر ذہن میں آجائیں۔ اس کے بعد ''شاکر کا گہوارہ'' کے عنوان سے اپنی ذہنی تخیلات کو بہترین ادبی پیرایے میں ادا کیا ہے۔ پھر اپنے سیاسی رجحانات وخیالات کو بیان کرکے کان پور جہاں اس وقت وہ تھے، ۱۸۵۷ء سے لے کر اپنے دور تک وہاں کی تاریخ اور پہلی جنگ آزادی سے اب تک کی جدوجہد کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کانگریس کے ممبر بن کر قومی تحریک میں حصہ لیتے رہے، مجلس احرار اسلام کے رکن کی حیثیت سے مسلمانوں کے مسائل کے حل میں شریک رہے، اور سب سے زیادہ وقت ''مزدور

تحریک میں دیتے رہے، کہ اس سے ان کا شب وروز کا واسطہ تھا، ان صفحات میں بہت ساری باتیں انھوں نے بیان کی ہیں جن سے اس وقت کی سیاست اور مسلم لیگ وکانگریس کی کشمکش اور مسلمانوں کی باہمی آویزش کا علم ہوتا ہے۔ اسی وقت ''مومن گزٹ'' کانپور میں ایک تفصیلی مضمون ''سرمایہ داری نظام کا کرشمہ'' لکھا جس سے ان کی ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، یہ مضمون خودنوشت کے چار صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسرے حصہ کے اخیر میں مصطفیٰ کمال پاشا اور مولانا شوکت علی کے انتقال پر ایک دو صفحات میں تعزیتی مضامین ہیں، اس کے علاوہ ایک مفصل مضمون علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات پر لکھا گیا تھا، لیکن افسوس کہ اس مضمون کے اخیر کے دوتین صفحات غائب ہیں، ورنہ سید صاحب پر یہ ایک بہترین مضمون تھا۔ اس وقت تک اعظم گڈھ جیسے مردم خیز خطہ کی نہ کوئی تاریخ تھی نہ ہی یہاں کے اہل فضل وکمال کا کوئی تذکرہ، جبکہ یہاں علامہ شبلی نعمانی جیسے مورخ اور تذکرہ نگار موجود تھے، اس پر شاکر صاحب نے لکھا اور خوب لکھا ہے:

مسلمانان اعظم گڑھ اور اسلامیان ہند کے لیے پیام عمل

یوپی کے گمنام خطہ ضلع اعظم گڑھ پر تاریخی پہلو سے کسی طرح روشنی نہیں ڈالی جاسکتی، اس کی تاریخ کبھی مؤرخوں اور تذکرہ نویسوں کی منت کش احساں نہیں ہوئی، پرانی اور مستند تاریخی کتابوں کا ذکر چھوڑیئے، ماضی کی معمولی سے معمولی اور قریب زمانہ کی تاریخی کتابوں میں بھی اس کا ذکر خیر نہیں ہے، ہزار پانچ سو برس کی تاریخ سے بحث نہیں؛ کیوں کہ اس وقت غالباً اس زمین کی حیثیت جنگلی درندوں اور صحرائی جانوروں کی قیام گاہ سے زیادہ نہ رہی ہوگی، سو پچاس سال کی تاریخ تک میں اس کا نام نہیں ملتا۔

اس کی تاریخ اور جغرافیائی حالت اس سے زیادہ نہیں ہے، جو اردو مدارس کی ابتدائی جماعت کے طلبہ کو جغرافیہ اور ضلع کی خصوصیات پڑھاتے وقت بتلائی جاتی ہے کہ

''اعظم گڑھ کو اورنگ زیب عالم گیرؒ کے بڑے لڑکے اعظم جاہ نے آباد کیا اور اپنے نام کی مناسبت سے اس کا نام اعظم گڑھ رکھا۔''

ان چند جملوں کے علاوہ کسی کو اعظم گڑھ اور اس کے مشہور قصبات کی تفصیل نہیں،

اجمال نویسی کی تکلیف بھی اب تک کسی صاحب نے نہیں فرمائی۔ تعجب اور سخت تعجب تو یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے مشہور مؤرخ کی تصانیف بھی اعظم گڑھ کے تذکرہ سے بالکل خاموش ہیں، جس نعمانی نے ڈوبنے سے بے خوف ہوکر اور دریائے تحقیق کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر علمی اور تاریخی جواہر پارے حاصل کیے اور ان سے علمی دنیا کو روشناس کرایا؛ مگر اس وادیٔ پُرخار میں محقق کا نہ رکنے والا قلم شروع ہی سے اس طرح رکا کہ آخر تک نہیں چلا اور محقق کا وطن ان کی تاریخی تحقیقات سے محروم ہی رہا۔

ضلع کی تاریخی گمنامی نے اس کے تمام کارناموں پر بہت برا اثر ڈالا؛ یہی وجہ ہے کہ آج اس کی تعلیمی اور مذہبی حالت کا ماضی بھی تاریک نظر آتا ہے، ہوسکتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ کبھی اس خطے میں اہل کمال اور صاحب علم وعمل مقتدر ہستیاں پیدا ہوکر عوام وخواص کے لیے مشعل ہدایت بنی ہوں اور پھر پیوند خاک ہوکر آرام کی ابدی نیند سو رہی ہوں۔ اور آج ہمارے جمود وبے حسی پر ان کی سعید روحیں تڑپ رہی ہوں؛ مگر ہماری قاصر نظر میں سوائے چندگنی چنی ہستیوں کے کوئی نظر نہیں آتا۔

ان ہی میں چریاکوٹ کے عباسیوں کا علمی خاندان ہے، جس کو مخزن معقولات کہنا کسی طرح غیر مناسب نہ ہوگا، یہ وہ علمی مرکز ہے جہاں بڑی بڑی اہل علم ہستیاں پیدا ہوئیں، جنھوں نے شیخ بوعلی سینا، فارابی، ارسطو کے مردہ علوم کو دوبارہ زندہ کر کے علوم عقلیہ کی سرپرستی کا فخر حاصل کیا اور جدید تحقیقات عقلیہ سے ان علوم کو چار چاند لگا دیئے اور آسمان معقول کی زینت بن کر علمی دنیا کو اپنی ضیاپاشیوں سے منور کیا۔

مولوی احمد علی عباسی متوفی: ۱۲۷۰ھ، قاضی عبدالصمد عباسی متوفی ۱۲۷۱ھ، قاضی علی اکبر عباسی متوفی: ۱۲۸۳ھ اسی خانوادہ کے قابل صد ناز وافتخار افراد تھے، اس علمی سلسلہ کی آخری کڑی حضرت مولانا محمد فاروق صاحب مرحوم تھے، جن کی شاگردی کا فخر علامہ شبلی نعمانیؒ کو حاصل ہے، غالباً حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ متوفی: ۱۳۵۳ھ نے معقول کی تحصیل یہیں سے کی ہے۔

شہر علم وعمل کے مہر تاباں پیکر صدق ورضا مولانا حکیم محمد طاہر صاحب (و: ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۸ء، م: ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء) کی بزرگ شخصیت ایسی نہ تھی کہ ان کی

سیرت کے ساتھ اس بے التفاتی کا معاملہ کیا جاتا اور اسے یوں نظر انداز کر دیا جاتا۔ مولانا کی مجاہدانہ شان اپنی آپ نظیر تھی، مولانا پورہ شیخ معروف کے رہنے والے تھے، ان کی ذات گرامی کو کما حقہ وہی لوگ جانتے ہیں جو مولانا کی علمی خدمات اور بیش بہا تحقیقات سے واقف ہیں۔ [مولانا کی سوانح ''حیات طاہر'' کے نام سے مولانا محمد عثمان صاحب معروفی نے لکھی ہے]۔ مشہور ہے کہ آپ روزانہ ایک پارہ کلام مجید نہایت خوش خط لکھتے تھے اور اس طرح قرآن کی اشاعت فرماتے تھے، اُس وقت اِس زمانے کی طرح مطبع اور پریس کا کافی رواج نہ تھا، علم وفن میں یکتائے روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے رستم اور بڑے طاقتور پہلوان بھی تھے، ان کی روحانی اولاد مبارکپور، مئو وغیرہا میں بکثرت موجود بتائی جاتی ہیں۔

ضلع کی تاریخ پر تو یوں ظلم ہوا کہ اس کے ساتھ کامل بے اعتنائی برتی گئی اور اس پورے خطے میں ایک شخص بھی ایسا نہیں پیدا ہوا، جو اس کلنک کے ٹیکے کو قوم کی پیشانی سے مٹاتا اور اپنے ضلع کو تاریخی گمنامی سے نکال کر وقائع نگاروں کی نظروں میں وقیع اور مؤرخین کے موضوع کا جز بنا سکتا......''۔

کہیں کہیں تحریر اس قدر شاندار ہوتی ہے کہ بالکل خطابت کا لطف آجاتا ہے:

''کسی قوم کی ترقی اور طاقت اس کی آراستہ فوجیں، اس کے آلات حرب، ایجادات، محیر العقول مصنوعات نہیں ہیں؛ بلکہ اس کے پاکیزہ اخلاق، بہترین سیرت اور ان کے بلند عزائم اور اعلیٰ تخیلات ہیں۔ یہ وہ روحانی طاقت وقوت ہے، جو مادی وسائل کے بغیر صحرانشینوں کو تخت نشینوں پر غالب کرسکتی ہے، اس طاقت کی بدولت کھجور کی چپلیں پہننے والے، فاقوں سے دوچار ہونے والے، سوکھی ہوئی ہڈیوں والے، چیتھڑوں میں تلوار رکھنے والے دنیا پر وہ دبدبہ جما سکتے ہیں، جو بہترین لباس اور اونچی مضبوط کوٹھیوں اور بنگلوں والے مادی سامان سے آراستہ وپیراستہ، بڑے بڑے ناموں اور خطابوں کے مالکوں کی طاقت سے باہر ہے۔

کسی عمارت کا استحکام اس کے نقش ونگار، بیل بوٹے، خوشنما رنگ کی گلکاریوں اور زیب وزینت سے نہیں ہوسکتا، اگر بنیاد کمزور اور دیوار کھوکھلی ہو، اس کے ستونوں کو گھن

لگا ہوا ہو، تختے بوسیدہ ہوں تو عمارت یقیناً گر جائے گی، اگرچہ اس کی ظاہری شکل خوشنما معلوم ہوتی ہے اور جاذب نظر ہے۔ بعینہٖ یہی حال قومی حیات اور مذہبی زندگی کا ہے، قوم کی حیات، افراد کے ساز وسامان، زرق برق لباس، اونچی اونچی بارگاہوں، نام پرور لیڈروں، دھواں دھار تقریر کرنے والے خطیبوں اور مقرروں اور شکم پرور زعماء و پیروں کے ذریعہ کبھی باقی نہیں رہ سکتی''۔

یہ کاپی ۶ر دسمبر ۱۹۵۳ء کو مکمل ہوئی ہے، اس سے دو ہفتہ قبل علامہ سید سلیمان ندویؒ کا انتقال ہوا تھا، اعظم گڈھ سے متعلق جس تحریر کا اقتباس دیا گیا ہے، اس کے اخیر میں سید صاحب پر ایک تفصیلی مضمون نہایت شستہ وشگفتہ اور رواں دواں اسلوب میں لکھا ہے، جو لائق مطالعہ ہے۔ یہ سچی کہانی کا مختصر تعارف ہے، اس کے اقتباسات سے قارئین اس کی اہمیت کا کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں، خدا کرے اس کی اشاعت کی کوئی صورت نکل آئے۔

شاعری:

حافظ صاحب کو نثر اور نظم دونوں پر بہترین قدرت حاصل تھی، نثری نمونے تو پیش کر دیئے گئے، یہاں نظم کے بھی کچھ نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔

کانپور میں مسلم لیگی شرپسندوں نے مومن قوم کے ایک متحرک وفعال فرد عبداللہ انصاری کو شہید کر دیا، اس کی تفصیلات خود نوشت میں موجود ہیں، متعدد شعرا نے اس حادثہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، شاکر صاحب کے جذبات کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

جذبات شاکرؔ

تری شہرت ہے دنیا میں شہید قوم عبداللہ — زباں پر ہے ہر اک مومن کے فخر قوم عبداللہ
قیامت تک رہے گا نام تیرا صفحہ دنیا پر — ہوا فردوس کا وارث محبّ قوم عبداللہ
مٹایا اپنی ہستی کو رہِ ملت میں اے شاکرؔ — سزاوار لقب ہے تو شہید قوم عبداللہ

انصاری نوجوانوں سے خطاب

اے شہید حق! ترے ماتم ہیں سب سوگوار — ہیں محبان وطن غم میں ترے سینہ فگار

اے شہید حریت! اے عرصۂ ملت کے شیر — تیری قربانی رہے گی تا قیامت یادگار
حیف! عبداللہ تجھ پر ہوگیا بے حد ستم — مار ڈالا اہل باطل نے تجھے ناکردہ کار
خون ناحق یوں نہ تیرا بالا بالا جائے گا — آگ دنیا میں لگا دے گا یہی ادنیٰ شرار
حشر برپا کرکے چھوڑے گی یہ مظلومی تری — رنگ لائے گا ترا یہ خون ناحق آشکار
مرگیا تو اور تیری قوم زندہ ہوگئی — شیر مومن چھوڑ دینے کو ہے اب اپنا کچھار
مہر بیداری کی کرنیں منتشر ہیں چار سو — وقت غفلت کا نہیں، اے قوم مومن! ہوشیار
ساری دنیا میں رواں ہے موجہائے انقلاب — اپنی دنیا کے بدل دو تم بھی اب لیل و نہار
جن کے تم آرام وراحت کا سبب بنتے رہے — جن کی خاطر تم زمانے میں رہے پست و نزار
سادہ لوحی سے تمہاری فائدہ لیتے رہے — اور بناتے ہی رہے تم کو جو اپنا آلہ کار
حق انسانی تمہارا چھینے بیٹھے ہیں وہی — باغ میں آنے نہیں دیتے تمہارے یہ بہار
اک زمانے تک تمھیں سمجھا کیے ہیں یہ حقیر — ایک مدت تک تمھیں رکھا انھوں نے پست و خوار
یہ سمجھتے ہیں کہ تم ہو قوم مسلم کے اچھوت — تم کو اپنا کہنے میں محسوس کرتے ہیں یہ عار
ننگ مسلم ہیں شرافت کے یہ جھوٹے مدعی — تم کو ٹھکراتے ہیں یہ نام و نسب کے ٹھیکیدار
مذہب اسلام نے تم کو دیئے تھے جو حقوق — غصب کر بیٹھے شرافت کے یہ جھوٹے دعویدار
جھک نہ جائے شرم سے کیوں گردن انسانیت — کر رہے ہیں دامن انسانیت یہ تار تار
ہاں! اٹھو اور اٹھ کے یکسر توڑ دو رسم کہن — اپنی طاقت کو کرو دنیا میں تم بھی آشکار
جو تمھیں ٹھکرا رہے ہیں تم بھی ٹھکرا دو انھیں — خوار جو سمجھے ہیں تم کو، تم بھی سمجھو ان کو خوار
اب بھی تم سنبھلے نہیں تو شک نہیں مٹ جاؤ گے — نوچ ڈالیں گے تمہاری بوٹیاں سرمایہ دار
کس لیے بنتے رہو تم تختۂ مشقِ ستم — کس لیے ہوتا رہے تیغ جفا کا تم پہ وار

الغرض خودداری و مردانگی سے کام لو
سن لیا شاکر نوائے عصر حاضر ہوشیار

رہِ حیات

نہیں حیات میں دم کچھ، یہ تھک گئی شاید — شراب جامِ کہن سے چھلک گئی شاید
یہ روح کس لئے چاروں طرف ہے آوارہ — رہِ حیات میں آکر بھٹک گئی شاید
کبھی کبھی تو مناسب ہے اس کا ستانا — بہت چلی ہے مری نبض تھک گئی شاید
یہ دوڑ دھوپ سی شمس وقمر میں کیسی ہے — نقاب رخ سے کسی کی سرک گئی شاید
یہ فرق نیتِ زاہد میں آگیا کیسا — کسی کے جام سے توبہ کھسک گئی شاید
خود اپنے ہاتھ سے کوئی الٹ رہا ہے نقاب — حجاب وہ، وہ حیا، وہ جھجھک گئی شاید
کہاں ہیں مجھ میں اب آثارِ زندگی شاکرؔ — چمک وہ ختم ہوئی، وہ دمک گئی شاید

نوجوانانِ قوم سے خطاب

نوجواں ہو قوم کی بگڑی بنا سکتے ہو تم — جادۂ منزل پہ بھی اس کو لگا سکتے ہو تم
گر چکی ہے قوم، گو قعرِ مذلت میں مگر — بام پر عزت کے چاہو تو چڑھا سکتے ہو تم
قوم کی کشتی پھنسی ہے آج کل طوفان میں — ساحلِ مقصود پر اس کو لگا سکتے ہو تم
سو رہے ہیں مدتوں سے ہند کے انصار سب — تم میں وہ قوت ہے اک اک کو جگا سکتے ہو تم
جو لگایا دشمنانِ مذہب اسلام نے — قوم کے دامن سے وہ دھبہ مٹا سکتے ہو تم
خون ہے ہر اک رگ وپے میں تمہارے بھی وہی — شانِ ایوبی زمانہ کو دکھا سکتے ہو تم
جس طرح زندہ کیا کرتے تھے مردوں کو مسیح — قوم کو اپنی اسی صورت جِلا سکتے ہو تم
یوں تو حامل ہو بہت سی قوتوں کے تم مگر — یہ بتادو قوم کے بھی کام آسکتے ہو تم
جانتا ہے شاکرؔ محزوں کہ تم کیا چیز ہو — قوم کو ہر ایک چنگل سے بچا سکتے ہو تم

غزل

ان کے آنے سے جو از خود رفتہ ہو جاتا ہوں میں
ہائے جا چکتے ہیں جب تو آپ میں آتا ہوں میں

روئے جاناں کی ضیاؤں سے بھی گھبراتا ہوں میں
ہاں شبِ مہ میں کبھی چھپ کر چلا جاتا ہوں میں

مجھ کو ان مجبوریوں پر بھی ہے اتنا اختیار
آہ بھر لیتا ہوں گہ فریاد میں آتا ہوں میں

کوئی آخر تلخِ کامِ زندگی کب تک جئے
آج سے شغلِ مئے وشاہد بجالاتا ہوں میں

جب کوئی تازہ مصیبت توڑتے ہیں مجھ پہ وہ
حسبِ عادت یاد تیری اے خدا لاتا ہوں میں

تو بھی آکراس شبِ غم کا ذرا منظر تو دیکھ
مجھ کوسمجھاتا ہے دل اور دل کو سمجھاتا ہوں میں

ذکر واں جانے نہ جانے کا چھڑا ہے دیر سے
یاس کے ظلمت کدوں میں روشنی لاتا ہوں میں

نغمۂ حسنِ ازل کتنا ہی پوشیدہ ہو پر
سازِ قدرت کی ہر اک آواز بن جاتا ہوں میں

زندگی کی مختلف راہیں بنالینے کے بعد
کامیابی کی ہر اک صورت کو پاجاتا ہوں میں

مردِ میدانِ عمل شاکرؔ ترا حسنِ عمل
اعتبارِ وقت سے لے کر خراج آتا ہوں میں

استاذی مولانا فضل حق صاحب عارف خیرآبادی اس غزل کے بارے میں اپنے تاثرات یوں پیش کرتے ہیں:

''شاکر صاحب کی اس غزل نما نظم پر میں دلی خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں، کہ شاکر صاحب نے اپنی زندگی کے پورے کرب کو ان دس اشعار میں پیش کرکے ''دریا بکوزہ'' کردیا''۔

نظم

چراغ مہر ومحبت کا پھر جلائیں گے
ہر ایک خاک کے ذرے کو جگمگائیں گے
جنھیں فریبِ مقدر نے کردیا تھا جدا
ہم ان کو اور وہ ہم کو گلے لگائیں گے
نہ امتیازِ من وتو نہ ذات پات کا فرق
ہم ایسے طرز کا ہندوستاں بنائیں گے
زمانہ بیت چکا ہے لہو کی ہولی کا
یہ گل نہ اپنے گلستاں میں اب کھلائیں گے
بلند وپست کے ان تفرقوں کو ٹھکرا کر
جہاں کو مرکزِ جمہوریت پہ لائیں گے
کلاؔم اپنی وفاؤں پہ ناز ہے ہم کو
خود اپنی موت سے بھی ہم نہ ہچکچائیں گے

آزادی کے کچھ عرصہ بعد یہ نظم کہی تھی، جو خیرآباد کے پبلک جلسہ میں پڑھی گئی، اس میں نہ جانے کس مصلحت سے شاکر کے بجائے کلام تخلص کا استعمال ہوا ہے۔

اخلاق وعادات:

جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ حافظ صاحب ایک بے باک وجرأت مند، صاف گو وصاف دل انسان تھے، لوگوں کے ساتھ ان کے معاملات آئینہ کی طرح بالکل صاف شفاف تھے، جو وعدہ کرتے ہر حال میں پورا کرنے کی کوشش کرتے، جس معاملہ میں ہاتھ ڈالتے اسے مکمل کرکے دم لیتے۔ اصولوں سے کسی صورت میں سمجھوتا نہیں کرتے تھے، ان کی زندگی بڑے منظّم اور اصولی انداز میں گزرتی تھی۔ میرے والد محترم سے بڑے گہرے مراسم تھے،

والد صاحب کہتے تھے کہ میں نے اس قدر با اصول انسان اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ان کا معمول تھا کہ روزانہ دو ساڑی بنتے تھے، کیا مجال کہ کبھی اس میں تخلف ہو جائے۔ بُننے کا وقت مقرر تھا، اگر کبھی کرگھہ پر وقت سے دو چار منٹ پہلے پہنچ گئے تو اتنی دیر کوئی دوسرا کام کرتے، جب وقت ہو جاتا اسی وقت کرگھہ پر بیٹھتے۔

اخراجات کے لئے الگ الگ مد مقرر تھی، گھر کے خرچ کے لئے الگ رقم رکھتے تھے،ضرورت مندوں کی اعانت کے لئے الگ اور کتب ورسائل کی خریداری کے لئے الگ، اس نظم کی وجہ سے انھوں نے کتب ورسائل کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا، جس کا اکثر حصہ ان کے انتقال کے بعد ضائع ہو گیا۔اور کچھ حصہ مدرسہ منبع العلوم، اردو لائبریری اور مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں منتقل ہو گیا۔ مدرسہ منبع العلوم کے کتب خانہ میں اہلحدیث امرتسر کی ۱۹۲۷ء اور اسی وقت کی ایک دو فائلیں دیکھی ہیں۔اسی طرح اردو لائبریری میں مومن بدایوں اور مساوات بمبئی وغیرہ کی فائلیں موجود ہیں۔

حافظ صاحب بڑے باذوق وصاحب مطالعہ انسان تھے، میں نے ان کی کتابوں پر دیکھا ہے کہ شروع میں کئی سادہ ورق لگا ہوتا، جس پر وہ کتاب کی اہم باتیں اور مضامین بطور یادداشت لکھ لیتے تھے، جس کی وجہ سے بعد میں ان چیزوں تک رسائی بہت آسان ہوتی تھی۔ یہ ایک مفید طریقہ ہے جسے دوران مطالعہ ضرور اختیار کرنا چاہیے۔

والد صاحب بتاتے تھے کہ ان کی پابندیٔ وقت کا حال یہ تھا کہ اگر کبھی سات بجے صبح ناشتہ پر بلایا تو ٹھیک وقت پر حاضر ہوتے، مجال کیا کہ ایک منٹ کی تاخیر ہو جائے۔ جب تانی ختم ہوتی تو جو کچھ سامان اس میں بچا ہوتا سب پہنچا دیتے تھے۔آزادی کے بعد گاؤں کے پہلے پردھان ہوئے، ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک پردھان رہے، ان کے دور میں کسی کو مجال نہ تھی کہ گلی میں کوئی چبوترا بنوالے، اگر کوئی ایسا کرتا تو فوراً وہاں پہنچ جاتے اور اسے ختم کرواتے۔ان کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت خیرآباد کی شاید ہی کوئی گلی ایسی بچی ہو جس میں راستے کو تنگ کرنے کا یہ عمل نہ کیا گیا ہو۔

مجاہد آزادی کا خطاب:

احمد آباد کے زمانۂ قیام میں آپ نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا، اور اس سلسلہ میں قید وبند کی صعوبت سے بھی دوچار ہوئے۔ ہندوستان کے قائم مقام وزیر اعظم گلزاری لال نندہ سے آپ کے گہرے مراسم تھے، گلزاری لال نندہ کو مزدوروں کے مسائل سے گہری دلچسپی تھی، وہ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۶ء تک احمد آباد ٹیکسٹائل لیبر ایسوسی ایشن کے سکریٹری رہے، اس نسبت سے دونوں میں بڑی مناسبت ہوگئی تھی، ان کے ساتھ حافظ صاحب جیل میں بھی رہے، میں نے فارسی پڑھنے کے زمانہ میں استاذ العلماء مولانا محمد عثمان صاحب ساحر مبارکپوری کے پاس گلزاری لال نندہ کے متعدد خطوط دیکھے تھے جو انھوں نے حافظ صاحب کو لکھے تھے۔ حکومت ہند نے آزادی کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر ۱۵/اگست ۱۹۷۲ء کو جنگ آزادی کے سپاہیوں کو ''مجاہد آزادی'' کے خطاب اور اعزاز سے نوازا، اور انھیں تاحیات پنشن دینے کا فیصلہ کیا۔ اس موقع پر حافظ صاحب بھی اس اعزاز سے نوازے گئے، اور انھیں تاحیات وظیفہ بھی ملتا رہا، اور وفات کے بعد ان کی اہلیہ کو نصف وظیفہ ملتا رہا۔

وفات:

حافظ صاحب کی صحت عموماً اچھی رہی۔ اخیر وقت تک اپنے معمولات کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے۔ تحریک آزادی میں آپ نے جم کر حصہ لیا تھا، وفات سے چند سال قبل حکومت نے اس کی قدردانی کی اور مجاہدین آزادی میں شامل کر کے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا، جس کا نصف حصہ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوہ کو ملتا رہا۔ ۸/مئی ۱۹۷۴ء کی شام کو آپ کو شکم میں درد ہوا، اور بڑھتا ہی گیا، ڈاکٹروں نے گردے کا درد تشخیص کیا، علاج ہوتا گیا، مگر مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوا، آخر وہ وقت آ ہی گیا کہ بتاریخ ۹/مئی ۱۹۷۴ء مطابق ۱۶/ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ بروز جمعرات ۴/بجے دن میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اس دار فانی سے دار البقا کو مراجعت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔

متعدد بار والد صاحب سے ان کے انتقال کا واقعہ سنا، کہ ۹ رمئی یعنی انتقال والے دن مجھے یاد کیا تو میں اپنے بھانجے عبدالعلیم کو لے کر پہنچا، کیفیت دیکھ کر والد صاحب نے عبد العلیم بھائی کو ڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھیجا تو کہنے لگے کہ ڈاکٹر کو نہ بلائیں میں کچھ دیر کا مہمان ہوں۔ ڈاکٹر صاحب آئے تو ان سے کہا کہ اب دوا علاج کا وقت گزر چکا ہے، میرے گھٹنے تک جان نکل چکی ہے، اسی طرح بالکل ہوش وحواس کے ساتھ باتیں کرتے رہے اور کلمہ پڑھ کر جان جاں آفریں کے حوالہ کر دی۔

حافظ صاحب کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ملک کے بڑے شہروں میں گزرا ہے جہاں مختلف افکار وخیالات کے لوگوں کی صحبت رہی، وہ نیاز فتحپوری کی تحریروں سے بہت متاثر تھے، جس کا نتیجہ مذہبی آزاد خیالی کی صورت میں ظاہر ہوا، داڑھی بھی اس وقت نہیں رکھتے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں مولانا محمد سعید صاحب نصیر آبادی (جانشین مولانا سید محمد امین نصیر آبادی) کی تلقین پر داڑھی رکھ لی جو اخیر عمر تک رہی۔ مذہبی آزاد خیالی کے حوالہ سے گاؤں کا ایک طبقہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر نشتر زنی کرتا رہا، انسان کی زندگی میں اعتبار خاتمہ کا ہوتا ہے، اس لحاظ سے ان کا خاتمہ بہت بہتر تھا، اب تو وہ اپنی حیاتِ مستعار کے دن پورا کر کے اپنے اعمال سمیت اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے جہاں وہ اپنے ہر عمل کے جواب دہ ہیں، اس لئے کسی کے مرنے کے بعد اس طرح کے تبصرے دائرۂ تہذیب وشرافت سے بہت بعید بات ہے۔

بعد نماز مغرب غسل دیا گیا اور تجہیز وتکفین کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد خیرآباد بازار میں جنازے کی نماز ادا کی گئی، نماز جنازہ کی امامت آپ کے خاص عزیز مولوی محمد عمر صاحب مبارکپوری نے کی، (جو آپ کے سالے اور سمدھی بھی تھے) اس کے بعد عیدگاہ کے قبرستان میں عیدگاہ کی مسجد کے اتر جانب دفن کر دیئے گئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

پس ماندگان میں بیوہ فاطمہ بی بی، دو لڑکیاں: فریدہ خانم اور شمیم النساء، ایک لڑکا فہیم الزماں (مفقود الخبر)، دو لڑکے نصرت اللہ اور مجیب الرحمٰن تھے۔

مشتاق احمد شیدآئی

نام: مشتاق احمد بن حاجی حمیداللہ بن حاجی الٰہی بخش بن محمد ابراہیم تخلص: شیدآئی

مشتاق احمد شیدآئی خیرآباد کے اساتذہ شعراء میں سے تھے، وہ یکم رجنوری ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا حکیم محمد شبلی شیداؔ سے شرف تلمذ حاصل تھا، استاذ کی جانب نسبت کرتے ہوئے شیدائی تخلص اختیار کیا، وہ جرمؔ محمد آبادی اور نجم محمد آبادی جیسے اساتذہ فن کے پایہ کے استاذ شاعر تھے۔ فن عروض میں کامل مہارت رکھتے تھے، سادگی کا پیکر اور خود میں مست رہنے والے شخص تھے، شعر وشاعری ان کا ذوق تھا پیشہ نہیں، انھوں نے غزل، نظم، نعت، سہرا، ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنے فن کا سکہ دلوں میں بیٹھایا۔ برجستہ و برمحل اشعار کہنے میں کمال کی قدرت رکھتے تھے، بہت رواں طبیعت پائی تھی، قرب وجوار کے شعراء ان سے اصلاح لیا کرتے تھے، لیکن سب سے زیادہ احسان محمد آبادی نے اکتساب فیض کیا، دلؔ خیرآبادی بھی ان سے اصلاح سخن کا تعلق رکھتے تھے۔ ملکی حالات اور اردو زبان پر انھوں نے متعدد نظمیں لکھیں جو مشاعروں میں دوسروں نے ان کی اجازت پڑھیں۔ نظموں کو شہرت بھی ملی مگر شیدائی صاحب کی کوئی بیاض نہیں تھی وہ لکھنے کے بعد ان کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے، ان کی اولاد واحفاد نے بھی ان کے کلام کو محفوظ رکھنے کی فکر نہیں کی، کچھ غزلیں اور نعت ونظم کاپی پر درج تھیں وہ بھی ان کی وفات کے بعد غائب ہیں۔

شیدائی صاحب میرے والد حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے رشتہ میں ماموں تھے، والد صاحب کا شعری ذوق بہت بلند تھا، ان کی ذاتی ڈائری میں شیدائی صاحب کی متعدد نظمیں اور غزلیں تھیں، جن میں ایک نظم ’’غزل بزبانِ اردو‘‘ اردو تھی، جس میں اردو کی کہانی

خود اردو کی زبانی بیان کی گئی تھی، اس میں پچاسوں اشعار تھے، والد صاحب اکثر اس کو ترنم سے پڑھا کرتے تھے، اس میں اردو کی کہانی ولی دکنی سے لے کر ان کے استاذ شیدا صاحب تک نہایت رواں دواں اسلوب میں بیان کی گئی تھی، مجھے وہ نظم بہت پسند تھی، آج ہزار تلاش کے بعد بھی والد صاحب کی وہ ڈائری نہیں ملی، ورنہ پوری نظم اس لائق تھی کہ اس کو یہاں درج کیا جاتا، اگر اس کتاب کے کسی قاری کے پاس یہ نظم محفوظ ہو تو مجھے اس کی ضرورت ہے۔

شیدائی صاحب کی بے نفسی کا یہ حال تھا کہ ان سے تعلق رکھنے والے ان کے اشعار لے اڑتے اور اپنے نام سے پڑھتے تھے، اس کے بعد اپنے نام کر بھی لیتے لیکن ان کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ تلاش بسیار بعد نظم کے یہ چند اشعار دستیاب ہوئے جسے مضمون کے اخیر میں پیش کیا جارہا ہے۔

شیدائی صاحب کے اشعار میں فن شاعری کی تمام خوبیاں بدرجۂ کمال ملتی ہیں، الفاظ کی عظمت، طرز ادا کی فخامت، تعبیر کی ندرت، کے ساتھ نظموں میں جوش وغیرت کی فراوانی نظر آتی ہے، وہ اس معیار اور پایہ کے شاعر تھے کہ اگر گھریلو معاشی زندگی میں راحت ہوتی اور فکر فردا سے نجات پاتے تو ہندوستان کے مشہور ونامور شعراء میں شمار ہوتے، جیسا کہ جرم محمد آبادی کو ملکی سطح پر جانا پہچانا گیا اور قدر کی گئی، شیدائی صاحب کی جرم محمد آبادی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اردو زبان کا یہ گمنام شاعر ۹ر فروری ۲۰۰۹ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

یاد ہوگا تمہیں وہ منظرِ جلیاں والا ۔۔۔ گھومتا ہوگا نگاہوں میں وہ خونی نقشہ
کون تھا سینہ سپر، کھائی تھی کس نے گولی ۔۔۔ خون سے کس کے وہاں کھیلی گئی تھی ہولی
آج تم کل کی ہر اک بات بھلا بیٹھے ہو ۔۔۔ قصہ خوانی کی حکایات بھلا بیٹھے ہو
عہدِ ماضی کا فسانہ بھی پڑھا ہے ہم نے ۔۔۔ یہ بزرگوں کی زبانی بھی سنا ہے ہم نے
آتش فرقہ پرستی کو ہوا دی تم نے ۔۔۔ کتنی مظلوموں کی بستی بھی جلادی تم نے
باغباں ہو کہ عنادل کے شکاری ہو تم ۔۔۔ راونِ وقت ہو تہذیب سے عاری ہو تم
اہل گلشن کے لئے ایک بلا بن بیٹھے ۔۔۔ آ گئی ہاتھ میں طاقت تو خدا بن بیٹھے

عبدالاحد شائق خیرآبادی

نام: عبدالاحد بن حاجی جان محمد بن محمد احمد تخلص: شائق

تاریخ ولادت: ۱۴؍محرم ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۱؍جون ۱۹۳۰ء بروز بدھ

شائق خیرآبادی نہایت شریف، باذوق اور صاحب مطالعہ انسان تھے، ان کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ جو بھی اہم واقعہ ہوتا اس کو اپنی ڈائری میں تاریخ وسن کے ساتھ درج کرتے، خیرآباد کی تاریخ لکھنے میں ان کی ڈائری سے بھی مدد ملی۔ ان کے گھر خاندان اور رشتہ داروں کے علاوہ کے خیرآباد واطراف کی اہم شخصیات کی تاریخ وفات ان کی ڈائری میں درج ہے۔ اپنے تعلیمی احوال کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''عبدالاحد نے ۱۸؍اکتوبر ۱۹۳۷ء میں حافظ سلامت اللہ صاحب (استاذ مدرسہ منبع العلوم) سے قرآن شریف ناظرہ ختم کیا تھا، اس کے بعد مولوی ہدایت اللہ صاحب سے اردو کا قاعدہ، اردو کی پہلی، دوسری، تیسری اور ادب المکاتب دینیات کا رسالہ اول دوم، نصاب مکاتب، تشریح القواعد، مفتاح القواعد، آمدنامہ، خالق باری اور گلستاں بوستاں کا کچھ حصہ پڑھا۔ پھر گھر کے نامساعد حالات کی بنا پر آگے کی تعلیم جاری نہ رہ سکی اور اپنے پیشہ صنعت وحرفت میں دلچسپی لے کر اسی کو ذریعۂ معاش بنایا۔''

گرچہ نامساعد حالات کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے، لیکن حصول علم کا جو جذبہ سینے میں فروزاں تھا، اس کی وجہ سے مطالعہ، تحریری مشغلہ، شعروادب سے لگاؤ، اہل علم کی صحبت اور بزرگوں سے مراسم وتعلقات کا سلسلہ اخیر حیات تک جاری رہا۔ مجاہد آزادی حافظ محمد شعیب صاحب سے خصوصی تعلق تھا، جس کی وجہ سے ذوق مطالعہ کو اور جلا ملی، اس زمانے میں خیرآباد میں شعروشاعری کا خاص ذوق تھا اس بنا پر شعری نشستوں میں شریک ہوتے اور اشعار بھی پیش کرتے، نمونۂ کلام کے طور پر چند اشعار پیش ہیں:

حالت مریضِ ہجر کی ہمدم نہ پوچھئے
دل پر گزر رہا ہے جو عالم نہ پوچھئے
پژمردہ ہر کلی ہے چمن میں تو گل اداس
کیوں اتنا سوگوار ہے موسم نہ پوچھئے
آتا نہیں قرار ذرا بھی ترے بغیر
اب دل کے اضطراب کا عالم نہ پوچھئے
کیوں دل ترا اداس ہے اے شائقِ حزیں
آنکھیں ہیں کس کی یاد میں پُرنم نہ پوچھئے

☆☆☆☆☆

قیامت کا منظر بھی کتنا حسیں ہے
کہ جلوہ نما احکم الحاکمیں ہے
سیہ فام زلفیں ہیں شانوں پہ بکھری
پریشان ظلمت میں جانِ حزیں ہے
نسیمِ سحر تو ذرا رک کے آنا
ابھی محوِ آرام وہ نازنیں ہے
سہانا ہے منظر جو شامِ اودھ کا
تو صبحِ بنارس بھی کتنی حسیں ہے
مچل جائے شائق بھلا دل نہ کیونکر
محبت کی دنیا بھی کتنی حسیں ہے

☆☆☆☆☆

شائق صاحب نے لمبی عمر پائی، علماء وصلحاء سے بڑی محبت رکھتے تھے، ہمیشہ مسکرا کر ملتے، ۸۷؍سال کی عمر میں ۲۲؍شعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۹؍مئی ۲۰۱۷ء جمعہ کے دن پونے سات بجے صبح کو وفات پائی، جمعہ کے بعد نماز جنازہ ہوئی اور تدفین عمل میں آئی۔

تذکرۂ علماء خیرآباد لکھتے وقت جب مطلوبہ معلومات کے حصول میں دقت ہوتی ہے تو ان کی یاد آتی ہے کہ اگر وہ ہوتے ساری مشکلیں حل ہوتیں۔ ان کے بڑے صاحبزادے افتخار احمد صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری طلب پر ان کی ڈائریاں، خطوط اور مختلف نوشتے میرے حوالے کردیئے جس سے مجھے بہت سہولت ہوئی، ویسے افتخار بھائی کو چاہئے کہ ان کی تمام چیزوں کی پی ڈی ایف بنوالیں ورنہ کچھ دنوں کے بعد یہ بوسیدہ کاغذات اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، اس میں انھوں نے اپنے تمام بیٹے، بیٹیوں اور ان کی اولادوں کی تاریخ ولادت وغیرہ بڑے اہتمام سے لکھی ہے۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر محمد یحییٰ بیخودؔ

نام: محمد یحییٰ بن میاں جی محمود بن محمد تخلص بیخودؔ

سنِ ولادت: تخمینی ۱۹۳۲ء

سنِ وفات: ۱۹؍شعبان ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰؍جنوری ۱۹۹۶ء بروز چہار شنبہ

بیخود صاحب ایک متین اور سنجیدہ طبیعت کے حامل، بااصول زندگی گزارنے والے، بے حد نستعلیق، متوازن گفتگو کرنے والے اور انتہائی کم آمیز شخصیت کے مالک تھے۔

خیرآباد کے دستور کے مطابق مدرسہ منبع العلوم میں پرائمری درجات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بھیرہ رہ کر وہاں کی معروف شخصیت مولانا عبدالستار صاحبؒ سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ چونکہ آپ کے والد میاں جی محمود ایک بزرگ صفت صوفی منش آدمی تھے، مئوشہر کے ایک صاحب نسبت بزرگ صوفی عبدالرؤف صاحب سے اصلاحی تعلق تھا جس کا اثر بیخود صاحب کی زندگی میں بڑا نمایاں رہا۔

بیخود صاحب کی نوجوانی ہی میں ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا، ایک صاحبزادے ضیاء الحق اور ایک بیٹی کی اسلامی و دینی انداز میں پرورش و تربیت کی۔ اہلیہ محترمہ کے انتقال کے بعد گھریلو کام اور دونوں بچوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ خیرآباد کے معروف ڈاکٹر شوکت علی صدیقی صاحب کے مطب پر جا کر ہومیو پیتھ کی معلومات کرتے رہے اور بعد میں اپنے گھر میں انھوں نے خود ہی اپنا مطب قائم کر لیا تھا، جس کی وجہ سے وہ ڈاکٹر سے مشہور ہوئے۔

اردو ادب، تاریخ اور دینیات کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا اور اسی شوق کی وجہ سے انھوں نے شعر گوئی بھی شروع کی اور غزل، نعت، نظم، سہرا قطعات، مثنوی خاص کر خیرآباد میں مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کے وقت جو چندہ کیا جاتا تھا اس کے لئے بیخود صاحب نے

خوب نظمیں کہیں، اسی طرح نعتیہ انعامی مقابلوں میں ان کی کہی ہوئی نعتیں مختلف انجمنیں شوق سے پڑھتی تھیں اور متعدد مرتبہ انعام کی حقدار بھی ہوئیں۔

شعر گوئی میں اصلاحی تعلق اپنے پڑوسی مولانا حکیم محمد شبلی شیدؔا صاحب سے قائم رہا، اس کے بعد فن عروض کے مشہور واقف کار شاعر جناب آبرؔ احسنی گنوری سے اصلاح سخن لیا کرتے تھے۔

علماء اور اہلِ علم حضرات سے والہانہ تعلق رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں اپنے سب سے قریبی دوست مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی کے ساتھ متعدد اسفار بھی اہل اللہ اور اہلِ علم کے یہاں کا رہا ہے۔ وہ میرے استاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے سگے پھوپھا تھے، مولانا کے ہمراہ متعدد بار ان کے یہاں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔

میرے علمی رفیق اور خاص دوست مولوی عبداللہ خالد نے ان سے اصلاحِ سخن لی ہے اور ان کی اصلاح کے بعد خالدؔ خیرآبادی کی متعدد نعتیں انعامی مقابلوں میں پوزیشن کی حق دار بنی ہیں، مولوی عبداللہ خالد نے بتایا کہ بیخود صاحب کے متعدد سہرے اور متعدد نعتیں میں نے دیکھی ہیں لیکن اب دستیاب نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کی کئی بیاضیں ان کی زندگی میں دیکھی گئیں، ان کے بیٹے ضیاء الحق صاحب کے بقول زندگی کے آخری ایام میں اپنی بہت سی بیاضیں اور بہت سی پرانی کتابیں نہ جانے کیا سوچ کر ایک دن دریا بُرد کر آئے۔

۲۲ر فروری ۱۹۹۳ء میں خیرآباد بازار میں ایک نعتیہ طرحی انعامی مقابلہ ہوا، جس کا مصرع طرح ''غلاموں کو جو آقا کا رخِ انور نظر آیا'' اس طرحی مصرع پر بیخود صاحب نے اس طرح تضمین کی

اُحد کی خستہ حالی میں بھی جینے کی ہوئی خواہش
غلاموں کو جو آقا کا رخِ انور نظر آیا

اس مقابلہ میں کلام کے حکم اور فیصل جناب انیس ادیب صاحب مئوی تھے، انھوں نے اِس تضمین کو حاصلِ مقابلہ قرار دیا تھا۔

تلاش بسیار کے بعد ان کی ایک نعت (۱۲ر نومبر ۱۹۹۴ء کی لکھی ہوئی ہے) مل سکی ہے،

اسی کو نذر قائین کیا جارہا ہے،اس سے ان کی شعر گوئی اوراس میں ان کی فنی مہارت اور پُرگوئی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

نہ کوئی ماہ وش ایسا نہ کوئی مہ جبیں ایسا
سراپائے شہِ کون و مکاں ہے دل نشیں ایسا

وہ اِس دنیا میں رہبر ہیں، شفیعِ روزِ محشر ہیں
بجز ختم الرسل کوئی رسول آیا نہیں ایسا

مکمل ضابطہ ہے زندگی کے گوشے گوشے کا
بفیضِ مصطفیٰ ہم کو ملا دینِ متیں ایسا

جو قابو پا کے لاتثریب کا مژدہ سناتا ہو
کوئی فاتح زمانے میں نہیں ایسا کہیں ایسا

سرِ محشر کہیں سرکار بیخود کو یہ میرا ہے
نصیبہ کردے میرا اے الٰہ العالمیں ایسا

دین اور علماء دین سے دل چسپی اوران کی قدر دانی کی وجہ سے زندگی کے آخری ایام میں انھوں نے خیرآباد کے مدرسہ منبع العلوم کے لئے اپنے کو وقف کردیا تھا،منبع العلوم کی تعمیرات وغیرہ کی نگرانی کرتے تھے،بعد میں مدرسہ کی انتظامیہ نے ان کو باقاعدہ ملازم رکھ لیا تھا،ان کے ذمہ گاؤں میں لوم پر مقررہ چندہ کی وصولی تھی،اپنی اصول پسندی اور نفاستِ طبع کی وجہ سے انھوں نے محلّہ وار ہر گھر کی ایک جامع فہرست بھی مرتب کی تھی کہ کس گھر میں کتنی تعداد میں لوم ہے اور ماہانہ کتنا چندہ ہے،اس فہرست کی وجہ سے مدرسہ کی انتظامیہ کو بڑی سہولت ہوگئی اوراسی ترتیب پر آج تک چندہ کی وصولی کا کام جاری ہے۔

ان کے ایک بیٹے ضیاء الحق اور ایک بیٹی ہے۔

محمد مبین انجم ضیائی خیرآبادی

نام: محمد مبین بن محمد سعید مجاہد بن محمد اسمٰعیل تخلص: انجم

محمد مبین انجم خیرآباد کے علمی وشعری افق پر چمکنے والا ایک روشن ستارہ تھا جو ایک عرصہ تک اپنی تابانیاں بکھیر کر ۱۲؍دسمبر ۱۹۸۶ء کو غروب ہوگیا۔ انجم صاحب کی درست تاریخ ولادت کا علم نہ ہوسکا، تقریباً پچاس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا ہے، اس اعتبار سے ان کا سن ولادت ۱۹۳۶ء کے آس پاس ہوگا۔ انجم صاحب نے جس گھر میں آنکھیں کھولیں وہاں پہلے سے ہی شعروادب کا چرچا تھا، ان کے والد کے چچازاد بھائی عبدالمجید بیتابؔ ایک اچھے شاعر تھے اور عین شباب میں انتقال کر گئے، ان کا ذکر حافظ شعیب صاحب نے سچی کہانی میں کیا ہے اور ان کی ایک نظم ''نالۂ مزدور'' بھی درج کی ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بے کسی پر رحم کر اب اے خدا مزدور کی — اہل زر سنتے نہیں آہ وبُکا مزدور کی

تو درم سمجھے ہوئے ہے جن کو اے سرمایہ دار — وہ مثالِ داغِ دل ہے غم زدہ مزدور کی

ننھے ننھے اس کے بچے بھوک سے بیتاب ہیں — دیکھو حالت اہل زر آ کر ذرا مزدور کی

انجم صاحب کے والد مجاہد صاحب خود تو شاعر نہیں تھے لیکن مدح صحابہ کے جلسوں میں نہایت عمدہ ترنم کے ساتھ مناقب صحابہ پر مشتمل نظمیں پڑھتے تھے، ان سب چیزوں کے اثرات انجم صاحب پر پڑے اور ان کی طبیعت بھی ابتداء ہی سے اس کی طرف مائل ہوگئی۔

تعلیم کا آغاز مدرسہ منبع العلوم سے ہوا، اپنے احوال کی وجہ سے پرائمری درجہ چہارم تک ہی ان کی تعلیم محدود رہ گئی، مگر شوقِ مطالعہ اور اخاذ ذہن کی وجہ سے بہت جلد شعری فکر وفن میں اپنے معاصرین شعراء میں ایک نمایاں شخصیت کے حامل بن گئے۔

انجم صاحب نے ابتداء مولانا حکیم محمد شبلی صاحب شیدؔا خیرآبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا، اس طرح ان کا سلسلۂ شاعری داغ دہلوی تک پہنچتا ہے، اس لئے کہ شیدؔا صاحب سائل دہلوی کے شاگرد تھے اور سائل داغ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور فکر وفن میں یکتائے روزگار تھے۔ نوجوانی میں انجم صاحب کسب معاش کے لئے مالیگاؤں چلے گئے اور وہاں کے مشہور شاعر ضیاء مالیگانوی سے خوب خوب استفادہ کیا، اور انھیں کی طرف نسبت کرکے اپنے کو انجم ضیائی لکھنے لگے۔ مالیگاؤں میں ضیاء صاحب سے سالہا سال مشق سخن اور کسب فیض کے بعد جب وطن لوٹے تو خیرآباد اور قرب وجوار کے ایک مثالی شاعر بن کر یہاں کے ادبی اور شعری افق پر چمکے اور اپنی تابانیوں سے پورے خطہ کو منور کردیا۔

آپ کے کلام میں ندرت وجدت، رنگینی ورعنائی اور تغزل کی فراوانی ہے، ان کے استاذ ضیاء صاحب خود بڑے متغزل اور رومان پرور مضامین کے دروبست سے اچھی طرح واقف تھے، اسی کے ساتھ انجم صاحب، مجاز لکھنوی اور اختر شیرانی سے بہت متاثر تھے، اس لئے ان کی نظموں اور غزلوں میں رومانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے، اس کی دلیل ان کی نظم ''مری ریحانہ آئی ہے''، ''مست پون آنچل لہرائے''، ''حسن کشمیر'' اور حسینانِ لکھنؤ'' وغیرہ ہیں۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ''دوشیزۂ اردو''، ''منظوم خراج عقیدت بنام اردو لائبریری''، ''ترانۂ مدرسہ منبع العلوم''، ''نذرانۂ عقیدت شیدؔا خیرآبادی'' اور ''نوجوانان قوم سے خطاب'' جیسی نظمیں بھی لکھی ہیں، جس سے ان کے خیالات کی وسعت، افکار کی گہرائی، تخیل کی بلندی اور زبان وبیان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اردو لائبریری خیرآباد نے ۱۹۸۹ء میں آپ کا مجموعۂ کلام جناب غفران احمد انصاری کی ترتیب کے ساتھ ''گلہائے صدرنگ'' کے نام سے شائع کیا، جس کا تعارف کتاب کے حصۂ اول میں آچکا ہے۔

مدرسہ منبع العلوم انجم کی اولین درسگاہ ہے، اور اردو لائبریری کے وہ صدر اول تھے، ان دونوں اداروں سے ان کو غیر معمولی تعلق تھا، اس لئے انھوں نے منبع العلوم کے ترانے اور اردو لائبریری کے منظوم خراج عقیدت میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہے، اردو لائبریری سے متعلق

اشعار کتاب کے صفحہ ۱۰۸ پر ملاحظہ فرمائیں، ترانۂ منبع العلوم کے چند بند پیش کئے جارہے ہیں:

یہ منبع علم وحکمت ہے، ایمان ویقیں کا مخزن ہے
گلزار کتاب وسنت ہے، یہ رہبر دیں کا گلشن ہے
مرغان چمن ہر آن یہاں، توحید کے نغمے گاتے ہیں
ہر شاخ چمن شاخِ طوبیٰ، ہر صحن ارم کا آنگن ہے
یہ منبع علم وحکمت ہے، ایمان ویقیں کا مخزن ہے

اس بحر کے قطرے قطرے میں، طوفان ہزاروں پلتے ہیں
آنکھوں میں تڑپتی ہے بجلی، سینوں میں شرارے مچلتے ہیں
چھیڑو نہ اِنھیں دنیا والو! بہتر ہے سکوت سمندر کا
ہر شخص ہے خالدؔ سیف اللہ، ہر فرد علیؔ شیر افگن ہے
یہ منبع علم وحکمت ہے، ایمان ویقیں کا مخزن ہے

یہ عبدؔ رحیم ویوسفؔ کا پُر نور وحسیں شہ پارہ ہے
یہ عبدؔ حکیم، عبدالحقؔ کا ضو پاش ومنور تارہ ہے
پھر عبدحیؔ نے کھول دیا، تاریخ کا زریں باب یہاں
ایثارِ نذیر احمدؔ سے یہاں، اخلاص کی مشعل روشن ہے
یہ منبع علم وحکمت ہے، ایمان ویقیں کا مخزن ہے

کھلتے ہیں یہاں اسرارِ خفی، کھلتا ہے یہاں سرّ عربی
ہوتا ہے یہاں عرفانِ خدا، ملتا ہے یہاں فیضانِ نبی
جو اہل بصیرت ہیں انجمؔ، اس راز سے بیشک واقف ہیں
پھیلا ہے زمیں تا عرش بریں، وہ علم نبی کا دامن ہے
یہ منبع علم وحکمت ہے، ایمان ویقیں کا مخزن ہے

انجم صاحب کی برجستہ گوئی اور قدرت کلام کا ایک واقعہ استاذ محترم مولانا اعجاز احمد

صاحب اعظمیؒ سناتے تھے کہ میرے بچپن میں بھیرہ میں ایک طرحی مشاعرہ ہوا، مصرعہ طرح تھا

دل پارسا ہوا ور نظر پارسا نہ ہو

تو خیرآباد کے ایک بالکل نوجوان شاعر نے ایسا عمدہ مصرعہ لگایا کہ مشاعرہ لوٹ لیا، واقعی وہ مصرعہ سن کر میری طبیعت بھی پھڑک اٹھی، مصرعہ تھا

ممکن نہیں تضاد یہ قلب ونگاہ میں
دل پارسا ہوا ور نظر پارسا نہ ہو

یہ نوجوان شاعر تھے محمد مبین انجم ضیائی خیرآبادی۔

انجم صاحب کا انداز تغزل بھی دیکھ لیں، درج ذیل اشعار میں غزل کے رنگ وآہنگ میں وہ آزادیٔ ہند کی زیبائی کا نقشہ پیش کررہے ہیں:

نسیم صبح جاگی، شاخِ گل لیتی ہے انگڑائی
خزاں کا دور رخصت ہوگیا فصلِ بہار آئی

کہیں چنگ ورباب اٹھا، کہیں ہے دور میں ساغر
کہیں پر رقص ہوتا ہے، کہیں پہ بادہ پیمائی

ستارے جھلملاتے ہیں فلک پر دیکھ کر انجم
عروسانِ چمن کی شانِ زیبائی ورعنائی

انجم صاحب گاؤں کی مشہور اور بین الاقوامی شہرت کی حامل علمی شخصیت مولانا ڈاکٹر ابواللیث صاحب خیرآبادی کے سگے ماموں تھے۔ استاذ محترم مولانا فضل حق صاحب سے انجم صاحب اور ان کے والد سعید مجاہد صاحب کا بڑا گہرا تعلق تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے ورثاء کی خواہش پر نماز جنازہ مولانا فضل حق صاحب نے پڑھائی۔ انجم صاحب کی حاضر جوابی وبرجستہ گوئی اخیر دم تک باقی رہی، ان کے زمانۂ علالت میں انتقال سے دو ہفتہ سے پہلے مولانا نے خیریت دریافت کی تو برجستہ کہا

ہوا کے دوش پر ہے زرد پتہ　　　ابھی انجم، ابھی مرحوم انجم

ڈاکٹر شوکت علی صدیقی

نام: شوکت علی بن رحمت الٰہی برقؔ بن رحمت اللہ تخلص: شوکتؔ

ڈاکٹر شوکت علی ۷؍جنوری ۱۹۴۵ء کو نظام آباد کے گھوری پور مسجد یا گاؤں میں پیدا ہوئے، جہاں ان کے والد بحیثیت سرکاری ملازم تعینات تھے۔ ان کے والد کا نام رحمت الٰہی (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۳ء) اور تخلص برق تھا، برق اعظمی ایک صاحب طرز وقادر الکلام شاعر تھے، ان کا مجموعۂ کلام ''تنویر سخن'' میرے مطالعہ میں رہا ہے۔ برقؔ صاحب اپنے وقت کے استاذ الشعرا تھے اور ان کو سالک رام سالک بلیاوی اور تلمیذ داغ نوحؔ ناروی سے شرف تلمذ حاصل تھا، برق صاحب کے حالات پر ڈاکٹر افروز جہاں کی کتاب ''رحمت الٰہی برق حیات وشاعری'' میں نے پڑھی ہے۔ ڈاکٹر شوکت کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر احمد علی برقی (پ:۱۹۵۲ء) بھی صاحب دیوان شاعر ہیں، ان کا پہلا مجموعۂ کلام ''روح سخن'' اور دوسرا ''محشر خیال'' ہے جو اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے۔

رحمت الٰہی برق اعظمی نے مستقل سکونت اعظم گڈھ کے محلّہ باز بہادر میں اختیار کر لی تھی، اس لئے ڈاکٹر شوکت کی ابتدائی تعلیم درجہ پانچ تک اعظم گڈھ کے محلّہ باغ میر پیٹو کے مدرسہ اسلامیہ میں ہوئی جو اس وقت وہاں کا مشہور مدرسہ تھا۔ اس کے بعد شبلی نیشنل کالج سے انٹر تک تعلیم حاصل کر کے ہومیوپیتھی کی تعلیم پرائیویٹ طور پر حاصل کی اور ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کیا، وہ ایک تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹر ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں انھوں نے خیرآباد کو مستقل وطن بنالیا، اس وقت ان کا شمار کے خیرآباد مشہور اور ماہر ڈاکٹروں میں ہوتا ہے۔

چونکہ آپ کے والد ماجد ایک بڑے شاعر تھے، اس لئے شعر وسخن سے رشتہ ابتداء عمر ہی سے ہے، جب اچھا ماحول ملا تو اس میدان میں طبع آزمائی کرنے لگے، شعری نشستوں

میں شریک ہوتے۔ خیرآباد میں قیام کے بعد ماسٹر محمد عثمان اوجؔ چڑیا کوٹی سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا، اوج صاحب مدرسہ ضیاء العلوم میں تدریس سے منسلک تھے اور ان کا شمار اساتذہ شعراء میں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو قدرت نے غضب کی ذہانت وصلاحیت سے نوازا ہے، انتہائی حاضر جواب، بذلہ سنج اور باغ وبہار طبیعت کے مالک ہیں، زود نویسی اور برجستہ گوئی میں ان کا ثانی مشکل سے ملے گا۔ طبیعت میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے، ہر صنف سخن میں برجستہ اشعار کہنے کی قدرت رکھتے ہیں، جب طبیعت موزوں ہوتی ہے تو اشعار کی جھڑی لگادیتے ہیں، مزاحیہ اشعار میں خوب رواں طبیعت پائی ہے، ان کے کلام میں فکر وفن کی پختگی اور الفاظ وتعبیرات کی ندرت پائی جاتی ہے، بطور نمونہ چند اشعار پیش کئے جارہے ہیں۔

جہاں انس وجن وملائکہ کا گماں گیا نہ نظر گئی
وہاں فکر بخشش امتی لئے ذات خیر بشر گئی

ابھی بند توبہ کا در نہیں، ابھی سر بسجدہ ہو پیش رب
جو بچی ہے اس کو سنوار لے جو گزر گئی وہ گزر گئی

یہ کرم ہے شوکتِ بے نوا، اسی ذات رب کریم کا
کہ نبی کے ذکر میں زندگی تری خیریت سے گزر گئی

نئی تہذیب اپنانے کا یہ تحفہ ملا مجھ کو
مرا لڑکا محبت میں بہو بھی مغربی لایا

نہ کھاتا میں فریب اس سے تو پھر بتلاؤ کیا کرتا
کہ ظالم روبرو صورت ہی کچھ ایسی بھلی لایا

خدا پوچھے گا محشر میں بتا دنیا سے کیا لایا
کہوں گا گوہرِ اشکِ ندامت کی لڑی لایا

مریضِ غم نے جب شوکتؔ کو دیکھا تو کہا فوراً
ہمارا نرم رَو قاصد پیامِ زندگی لایا

فیشن کے اس رواج پر بیٹا عمل نہ کر
ہرگز نہ اپنے نفس کو فُل اختیار دے

تہذیبِ نَو کے منہ پہ وہ چانٹا رسید کر
جو اس حرام زادی کا چہرہ بگاڑ دے

میاں کی ریش اور بیوی کا برقعہ ہو گیا غائب
سرَ بازار دیکھا ہے تماشا میں نے فیشن کا

مذکر اور مونث لگ رہے ہیں سب مخنث سے
خدا ہی جانے کیا انجام ہو ان کے کنکشن کا

انعام الحق ادیبؔ وارثی

نام: انعام الحق بن عبدالمجید مرحوم تخلص: ادیب وارثی

میں بسلسلۂ تعلیم وتدریس ۲۰؍سال سے زائد عرصہ گاؤں سے باہر رہا، اس لئے گاؤں کے بہت سے افراد سے ناواقف رہا، گزشتہ ایک سال سے جب اس تذکرہ کی تالیف وترتیب میں لگا تب بہت سے لوگوں سے واقفیت ہوئی اوران کی علمی وقلمی خدمات کا علم ہوا، میرا کام اب تکمیل کے آخری مرحلہ میں ہے، چندروز قبل مجھے معلوم ہوا کہ خیرآباد کے ایک شاعر انعام الحق ادیبؔ وارثی ہیں، جن کا مجموعۂ کلام کئی سال پہلے ''نیرنگ سخن'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، کتابوں کے سلسلہ میں اپنے غیر معمولی وسیع الاطلاع ہونے کے باوجود اس بے خبری پر مجھے افسوس بھی ہوا اور قدرے حیرت بھی کہ میرے گاؤں کے ایک شاعر اور ادیب کی کتاب شائع ہوئی اور مجھے اس کی طلاع بھی نہیں ہوئی، اسے پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ جب مجھے اس کا علم ہوا تو فوراً اس کو منگایا اور پڑھا۔

انعام الحق صاحب ۵؍فروری ۱۹۶۲ء کو خیرآباد کے پرانا بازار محلہ پچھّم میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد میں حاصل کی، گھریلو حالات ناسازگار ہونے کی وجہ سے ابتدائی تعلیم ٹھیک سے نہ ہوسکی، لیکن مطالعہ کا شوق ہونے کی وجہ سے کتابوں کے پڑھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ کسی طرح انھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان دیا، اس کے بعد یوپی بورڈ مدرسہ ایجوکیشن لکھنؤ سے منشی اور کامل کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ ۱۵؍سال کی عمر سے ہی شعری میدان میں قدم رکھا اور طبع آزمائی شروع کردی۔ رحمت الٰہی برقؔ اعظمی و محمد عثمان چریاکوٹی اوجؔ اعظمی سے اصلاح لینے لگے، ان دونوں حضرات کا شمار اساتذہ شعرا

میں ہوتا تھا۔اس وقت خیرآباد میں شعری وادبی نشستوں کا بڑا رواج تھا، ادیب وارثی اس میں بھرپور حصہ لیتے ، انھوں نے کئی ادبی تنظمیں بھی بنائیں ، فی الحال وہ ''ادبی سنگم'' خیرآباد کے صدر ہیں۔ادیب وارثی تخلص سلسلۂ وارث شاہ کی مناسبت سے ہے۔

موصوف کی شاعری کا دورانیہ تقریباً نصف صدی پر محیط ہے ، ان کا کلام ملک وبیرون کے روزناموں اور رسالوں میں شائع ہوتا رہا ہے۔''نیرنگ سخن'' ان کا پہلا مجموعۂ کلام ہے، جوآج سے پانچ سال قبل شائع ہوا ہے،اس میں حمد،نعتیں،غزلیں،نظمیں،منقبت اور رباعیات وغیرہ سب ہی ہیں۔ایک بات تعجب خیز ہے کہ اس مجموعہ کے فرسٹ وسکنڈ ٹائٹل اور تفصیلات کے کالم میں صرف مرتب کا نام حامد رضا صدیقی درج ہے کہیں مصنف یعنی شاعر کا نام ہے ہی نہیں کہ ٹائٹل سے معلوم ہوسکے کہ یہ کس کا کلام ہے، بلکہ ٹائٹل پر تو مرتب بھی نہیں صرف نام ہی لکھا ہے۔عرض مرتب سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مجموعے کے لئے مواد جمع ہوگیا ہے اور عنقریب شائع ہونے والا ہے ، مرتب نے ادیب وارثی صاحب کے کلام کے محاسن اور خوبیوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہرایک جانب سے گھیرے ہے منجدھار یااللہ
توکردے رحمتوں سے اس کا بیڑا پار یااللہ
تواپنی خاص رحمت سے توانائی عطافرما
ہے برسوں سے ادیب وارثی بیمار یااللہ

لفظوں کا کررہا تھا میں جس وقت انتخاب
روشن ہوا ادب کے فلک پر نیا شہاب
تخئیل کے پرند کی پرواز دیکھ کر
اپنی اڑان بھول گیا کبر کا عقاب

تصویر نبی جب سے آنکھوں میں منور ہے
سانسیں بھی مہکتی ہیں اور دل بھی معطر ہے
میں کیسے بھلا دیکھوں جنت کا حسیں منظر
آنکھوں میں شہ دیں کے دربار کا منظر ہے

ایماں کا جام ہم کو پلایا رسول ﷺ نے
واقف ہمیں خدا سے کرایا رسولؐ نے
سیراب ہورہا ہے جہاں جس سے آج تک
دریا وہ رحمتوں کا بہایا رسولؐ نے

محمد شعبان دلؔ خیرآبادی

نام: محمد شعبان بن عبدالباری تخلص: دلؔ

تاریخ ولادت: ۱۵؍شعبان ۱۳۹۵ھ مطابق اگست ۱۹۷۵ء

دلؔ خیرآبادی اس وقت ملک کے ابھرتے ہوئے نوجوان مقبول شاعر ہیں، ان کے والد عبدالباری صاحب خیرآباد کے معروف شاعر تھے، مقامی مشاعروں اور شعری نشستوں میں پابندی سے شرکت کرتے تھے، اس لئے محمد شعبان کو گھر میں ایک ادبی ماحول ملا۔ محمد شعبان نام رکھنے کی وجہ شب برأت کے مبارک موقع پر ولادت سے نیک فالی تھی۔

ابتدائی وپرائمری درجات کی تعلیم عام دستور کے مطابق مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، تعلیم تو درجہ پرائمری سے آگے نہ بڑھ سکی، لیکن اللہ نے عمدہ گلا اور بہترین ترنم سے نوازا تھا، پڑھنے کا طرز اور آہنگ بھی بڑا دلکش تھا، اس لئے دس بارہ سال کی عمر سے ہی مقامی جلسوں اور طرحی مشاعروں میں اپنے والد اور دیگر شعرا کا کلام پڑھنے لگے، خوش گلو اور بلند آواز ہونے کی وجہ سے سماں باندھ دیتے تھے۔ آہستہ آہستہ شعری شعور بھی بیدار ہوتا گیا، شعر وادب سے طبعی مناسبت تو تھی ہی، جب پذیرائی اور توجہ ہوئی تو اشعار بھی کہنے لگے، خوش قسمتی سے ان کو استاذ الشعراء جناب مشتاق شیدائی جیسا کامل الفن استاذ میسر ہوگیا، جن سے فن کی رہنمائی ملتی تھی، لیکن بیشتر اصلاح اپنے دوست عبدالعلیم بن حافظ نثار احمد مرحوم سے لیتے تھے، عبدالعلیم بڑے زود گو شاعر ہیں، ایک تو ان کی شاعری واصلاح اور دوسرے محمد شعبان کی اخاذ طبیعت اور مسحور کن ترنم نے اثر دکھایا، اور شعبان کی شاعری بوئے گل کی طرح رفتہ رفتہ آس پاس کے ماحول کو معطر کرنے لگی، اسی دوران ان کے والد عبدالباری دلؔ کی وفات

کا سانحہ پیش آیا جو شعبان کے لئے بڑا حادثہ تھا، اس کے بعد انھوں نے اپنے استاذ مشتاق شیدائی صاحب کے مشورے سے والد مرحوم کے تخلص ''دل'' کو اختیار کرلیا اور دل خیرآبادی کے نام سے اشعار کہنے اور پڑھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے دلؔ کو اس شاعری کی بدولت عزت شہرت اور دولت سب سے نوازا، دیکھتے دیکھتے وہ آل انڈیا سطح کے ایک مقبول شاعر بن گئے اور پورے ملک کے دینی اجلاس اور مشاعروں میں مدعو کئے جانے لگے۔ ان کی شاعری کو سراہا گیا، ترنم کو مقبولیت حاصل ہوئی اور انداز کو پسند کیا گیا۔ وہ منفرد انداز میں خود اعتمادی کے ساتھ جب کلام پیش کرتے ہیں تو پورا مجمع ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے اور فضا داد و تحسین کے نعروں سے گونج اٹھتی ہے، ان کو اساتذہ شعرا کے درمیان اپنا کلام پیش کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے، اور ہر طرف ستائش وشاباشی ملتی ہے۔ شارجہ کے ایک مشاعرے میں بھی ان کو مدعو کیا گیا، اس طرح ان کی شہرت اب ہندوستان سے باہر بھی پہنچنے لگی ہے۔

ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ شہرت کی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد بھی اپنی مذہبی روایات اور دینی اصولوں کی پاسداری کو اپنے لئے فخر کی چیز سمجھتے ہیں، ان کی شاعری میں دینی شناخت اور مذہبی رنگ نمایاں رہتا ہے۔ بڑی نفیس طبیعت کے مالک ہیں، بڑوں کا احترام، علماء دین و بزرگوں کا ادب ان کے اخلاق کا حصہ ہے، علماء دیوبند اور ان کے اکابر واسلاف کے حد درجہ عقیدت مند ہونے کے باوجود بریلوی مکتبۂ فکر کے جلسوں میں بھی بیحد مقبول ہیں، وجہ یہ ہے کہ دل خیرآبادی ایک بے تعصب و بے ریا، خوش مزاج وخوش دل اور ہنس مکھ و بے تکلف انسان ہیں، ان کے چند شعر بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

ابھی ننھا سا پودا ہے، بڑا ہوگا تو پھل دے گا — ہماری قوم کا بچہ ہوا کا رخ بدل دے گا
ہماری پھر امامت کے پلٹ کر دور آئیں گے — مصلیٰ تم بچھاؤ گے نمازیں ہم پڑھائیں گے
طبیعت مضطرب، سانسوں میں بیماری نہیں ہوتی — غلامِ مصطفیٰ کو دل کی بیماری نہیں ہوتی

ضرورت سے زیادہ مال و دولت رکھ کے کیا ہوگا
کفن میں جیب اور تربت میں الماری نہیں ہوتی

عبدالعلیم علیم انصاری

نام عبدالعلیم بن حافظ نثار احمد بن حافظ شریف احمد بن محمد سلیمان بن حاجی محمد حسن
ولادت: ۱۹۷۳ء تخلص: علیم انصاری

مدرسہ منبع العلوم کے شعبۂ پرائمری کے نامور استاذ حافظ شریف احمد صاحب کے پوتے اور حافظ نثار احمد صاحب محلّہ پچھّم (پکّڑ کے پاس) کے بیٹے ہیں۔

منبع العلوم خیرآباد میں ابتداء سے لے کر پرائمری درجات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی وہیں پڑھیں، اس کے بعد سلسلۂ تعلیم آگے نہ بڑھ سکا۔

اللہ کی طرف سے طبیعت میں موزونیت تھی اس لئے فارسی پڑھنے کے زمانہ سے ہی اشعار سے دلچسپی ہوئی اور اسی وقت سے شعر گوئی کی راہ پر چل پڑے، مدرسہ ضیاء العلوم اشرفیہ خیرآباد کے ماسٹر جناب ماسٹر محمد عثمان اوج چریا کوٹی سے مشقِ سخن کی، اور اپنے استاذ کے مرکزِ توجہ رہے۔ علیم انصاری نے نعت، منقبت، انقلابی نظم اور گیت وغیرہ میں خوب طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی لکھی ہوئی نعتیں طرحی مقابلوں میں مختلف انجمنیں پڑھتی ہیں، اور حالاتِ حاضرہ سے متأثر ہو کر غزلیں بھی خوب کہی ہیں۔

بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں:

سمجھتے ہیں مقام و مرتبہ اردو زباں کا ہم
سکھا دیں گے سبق، جس دن ورق آگے کا اُلٹیں گے

کسی بھی حال میں دامن نہیں چھوڑیں گے ماں کا ہم
ابھی آموختہ پڑھتے ہیں اپنی داستاں کا ہم

جن چراغوں کو تعصب نے جلا رکھا ہے
اُن سے مانگو گے اُجالے تو سیاہی دیں گے

شرط یہ ہے کہ حکومت کی توجہ ہو جائے
گونگے بھی بابری مسجد کی گواہی دیں گے

آوازِ حق سناؤں بھرے شہر میں کسے
جس کا ضمیر زندہ تھا وہ شخص مرگیا

حاکم ترے خزانے کی اب خیریت نہیں
کشکول اک فقیر کا آنسو سے بھر گیا

حافظ عبید اللہ طاہر خیرآبادی

نام عبید اللہ طاہر بن مولانا فضل حق بن محمد امین بن عبداللہ بن رمضان

تاریخ ولادت: ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ مطابق ۲/ مئی ۱۹۸۰ء

شوال ۱۴۰۵ھ/ جون ۱۹۸۵ء سے تعلیم کی ابتدا منبع العلوم سے ہوئی، اور ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء میں درجہ سوم پرائمری تک پڑھ کر قاری وسیم احمد صاحب کے پاس حفظ شروع کیا، ۱۹/ صفر ۱۴۱۴ھ/ ۹/ اگست ۱۹۹۳ء میں حفظ مکمل ہوا، کچھ روز گھر رہ کر ۱۹۹۸ء میں گونڈہ بحیثیت مدرس حفظ چلے گئے، ایک سال وہاں تدریسی خدمت کے بعد مسلسل چودہ سال تک مدرسہ شیخ الاسلام شیخور پور میں حفظ کے مدرس رہے، ۲۰۱۲ء میں حفظ کی تدریس چھوڑ کر سعودیہ چلے گئے، ۲۰۱۸ء میں وہاں سے گھر لوٹ آئے، ۲۰۱۹ء میں دوبارہ مدرسہ شیخ الاسلام شیخور پور میں حفظ کے مدرس کی حیثیت سے بلا لئے گئے۔

والد محترم حضرت مولانا فضل حق صاحب عارفؔ چونکہ بڑے پایہ کے شاعر وادیب ہیں اور ان کے بڑے بھائی مولانا عبداللہ خالد بھی ادب وشاعری سے یک گونہ شغف رکھتے ہیں، اس لئے شعر وشاعری کا ذوق حافظ عبید میں بھی ہے اور وہ بھی مشقِ سخن کرتے رہتے ہیں، ان کی کئی نظمیں اور نعتیں ان کی بیاض میں موجود ہیں، طبیعت ظرافت خوب ہے۔

اپنی والدہ محترمہ کے انتقال کے بعد انھوں نے درد میں ڈوبی ہوئی ایک نظم لکھی ہے، بطور نمونہ اس کے کچھ اشعار لکھے جاتے ہیں۔

ماں کی یادوں کا جس دم ہوا جمگھٹا — ساری دنیا کو میں بھولتا ہی گیا
ماں کا سایہ اٹھا دم کے دم میں اٹھا — ہوکے رنجور میں دیکھتا رہ گیا
حفظ جس روز میرا مکمل ہوا — ان کی خوشیوں کا اس دن ٹھکانہ نہ تھا
عورتیں جو بھی گھر میرے آتی رہیں — ان سے کہتیں مرا لال حافظ ہوا
اے عبیدان کے حق میں کرو تم دعا — اب سوا اس کے کوئی نہیں راستا

عصری تعلیم یافتہ حضرات

ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب

نام: عبدالحفیظ بن محمد ایوب بن محمد صدیق

تاریخ ولادت: ۲۰/اکتوبر ۱۹۴۰ء

ڈاکٹر صاحب نہایت ذہین وفطین اور لائق وفائق شخص تھے، تدریس میں درجۂ کمال پر فائز تھے، اپنے فن پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور قومی ہمدردی کا جذبہ میں نے ان کے اندر بہت دیکھا، جب شیخوپور سے میری ادارت میں ماہنامہ ضیاء الاسلام نکلا تو ڈاکٹر صاحب نے اس پر میری حوصلہ افزائی کی اور اس کے مستقل خریدار رہے، وہ سال مکمل ہوتے ہی سالانہ زرتعاون ارسال کرتے۔ اندلس کی تاریخ پر میری مختصر سی کتاب ''اندلس میں اسلام'' شائع ہوئی تو اسے بھی فوراً منگوایا، وہ کہتے تھے کہ اگر ہمارا کوئی نوجوان کسی بھی میدان آگے بڑھ رہا ہو تو پوری قوم کو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور اسے آگے بڑھانا چاہئے، ان کے اس وصف کی وجہ سے میرے دل میں ان کی خاص قدر ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی تعلیم مڈل اسکول حسینی باغ محمد آباد گوہنہ سے حاصل کی، اس سے پہلے اردو وناظرہ قرآن وغیرہ گھر پر ہی پڑھا۔ ۱۹۵۴ء میں شبلی ہائر سکنڈری اسکول اعظم گڈھ سے ہائی اسکول پاس کیا، اور ۱۹۵۶ء میں انٹر میڈیٹ کیا۔ بی ایس سی ۱۹۵۸ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے کیا، اور وہیں سے ۱۹۶۰ء میں ایم ایس سی کیا۔ ان کے صاحبزادے محمد مظہر کی اطلاع کے مطابق انھوں نے ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ اعلیٰ کارکردگی پر ایم ایس سی اور پی ایچ ڈی میں گولڈ میڈل کے حق دار ٹھہرے۔

ڈاکٹر صاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان تھا:

Termination By Primary Radicals In Vinyl Polymrization

اس وقت یونیورسٹی سے نکلنے والے میگزین (Die Makromolekulare chemie) میں جو سب سے عمدہ تھیسس ہوتی تھی اس کا تعارف شائع ہوتا تھا، اس میگزین کی جلد ۵۱ (۱۹۶۲ء) میں اس تھیسس کا تعارف شائع ہوا۔ (دیکھئے ص: ۱۲۳ تا ۱۲۹)

۴؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو بحیثیت لکچرر آف سائنس لکھنؤ یونیورسٹی میں تقرری ہوئی، جہاں تقریباً ۱۰؍سال رہنے کے بعد کسی مسئلہ کی وجہ سے شبلی کالج اعظم گڈھ آگئے، جہاں شعبہ کیمسٹری میں ۵؍مئی ۱۹۷۴ء کو بحیثیت استاذ تقرری ہوئی۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں تقرری کے سلسلہ میں جو قضیہ ہوا تھا اس کا ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا، اس کی تفصیلات کا علم تو نہ ہوسکا، بس اجمالاً اتنا معلوم ہوسکا کہ یہ قضیہ ان کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کے سلسلہ میں تھا۔

۲۷؍سال تک شبلی کالج میں نہایت نیک نامی کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد یکم؍جولائی ۲۰۰۱ء میں ریٹائر ہوئے، آپ کی اعلیٰ تدریسی لیاقت کے سبھی لوگ معترف تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وفات تک گھر ہی قیام رہا۔ باذوق وشوقین طلبہ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ۱۲؍جون ۲۰۱۷ء مطابق ۱۶؍رمضان ۱۴۳۸ھ کو انتقال ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کے تین لڑکے ہیں، محمد اظہر، محمد مظہر اور محمد اطہر۔ محمد اظہر، محمد مظہر دونوں پرائمری درجہ پانچ تک میرے ساتھی رہے، اس وقت دونوں سے بڑی بے تکلفی تھی، بعد میں ہم لوگوں کی تعلیمی راہیں الگ الگ ہوگئیں اور میں بیس سال تک گاؤں سے باہر رہا، اس لئے ان دونوں سے رابطہ نہیں رہا، آج تیس بتیس سال کے بعد جب ڈاکٹر صاحب کے بارے میں معلومات کی ضرورت ہوئی تو ان کے گھر گیا اور ان کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ محمد اظہر تو ایک عرصہ سے گھریلو کاروبار میں مصروف ہیں، محمد مظہر نے بی ایس سی، بی ایڈ، ایم اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں، فی الحال وہ بھی گھر پر ہیں، محمد اطہر تبوک سعودی عرب میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں۔

ماسٹر جمشید احمد (ایم کام)

نام: جمشید احمد بن صغیر احمد بن حاجی رحمت اللہ بن علیم اللہ بن معین الدین

مولانا نذیر احمد صاحب کے بھتیجے ہیں۔ ۴؍جولائی ۱۹۴۲ءکو خیرآباد میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، نومبر ۱۹۵۹ء میں جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب کامل کا امتحان پاس کیا، ٹاؤن انٹر کالج محمد آباد سے ۱۹۵۸ء میں ہائی اسکول اور شبلی کالج اعظم گڈھ سے ۱۹۶۰ء میں انٹرمیڈیٹ کیا۔ ۱۹۶۳ء میں گورکھپور یونیورسٹی سے بی کام اور ۱۹۶۵ء میں بھاگل پور سے ایم کام کیا۔ اس کے بعد وہیں مکاما مل میں چیف اکاؤنٹنٹ کی حیثیت ملازمت اختیار کی، کچھ عرصہ ممبئ میں اسی عہدہ پر رہے، اسی دوران اُن کے نانا عبدالقیوم انصاری (وزیر حکومت بہار) کی کوششوں سے لندن میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی پوسٹ کے لئے انتخاب ہوگیا تھا، ابھی کارروائی جاری تھی کہ ۱۸؍جنوری ۱۹۷۳ءکو انصاری صاحب کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے مزید کارروائی نہ ہوسکی۔

ممبئ سے واپسی کے بعد گھر کے کاروبار کو سنبھالا، چونکہ مزاج تعلیمی تھا اس لئے مومن انصار گرلس اسکول کی تاسیس میں سرگرم حصہ لیا، اس کے علاوہ گاؤں کے بچوں کو انگلش اسپیکنگ کورس کراتے تھے۔ جدید تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کے بے حد پابند تھے۔ یکم؍اگست ۲۰۱۴ء جمعہ کے دن انتقال ہوا۔

ماسٹر صاحب کے چھ بچے اور تین بچیاں ہیں، سب کو انھوں نے اعلیٰ تعلیم دلائی، ان میں سے چار انجینیر اور دو گریجویٹ ہیں، ایک لڑکے عبدالواحد نے حیدرآباد سے ایم ٹیک کرکے اکل کوا انجینیر نگ کالج میں ۴؍سال پڑھایا، اب اس وقت کرہاں کے پاس ''اندرا موہن چوہان انجینیر نگ کالج'' میں پرنسپل کے عہدہ پر ہیں۔

ماسٹر عبدالسمیع صاحب

مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی جو خیرآباد کے اولین فضلاء دیوبند میں سے تھے، آپ ان کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں اور گاؤں کے قدیم انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں میں سے ہیں، آج سے ۶۰ رسال پہلے ۱۹۶۲ء میں انھوں نے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی تھی۔

نام: عبدالسمیع بن حاجی محمد طیب بن ولی اللہ

تاریخ ولادت: ۳۰ رمئی ۱۹۴۴ء ہے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی، پرائمری اور فارسی میں گلستاں بوستاں پڑھنے کے بعد آپ کے بھائی مولانا عبدالسلام صاحب نے آپ کا داخلہ ٹاؤن انٹر کالج محمد آباد میں کرادیا، ۱۹۵۷ء میں یہاں سے ہائی اسکول پاس کیا،اس کے بعد شبلی کالج اعظم گڑھ میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۹ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۶۱ء میں بی اے اور ۱۹۶۲ء میں بی ایڈ کیا۔ ۱۹۶۲ء میں گورکھپور یونیورسٹی میں ایم اے (اکنامکس) میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۵ء میں ایم اے پاس کیا۔اسی وقت شاندار تعلیمی کیریر کی وجہ سے گورنمنٹ انٹر کالج بستی میں تقرری ہوگئی، سروس میں رہتے ہوئے ایم اے (سوشیالوجی) کرکے ڈبل ایم اے ہوگئے۔اس کے علاوہ ۱۹۶۲ء میں ادیب کامل کا امتحان فرسٹ ڈویژن اور سکنڈ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا، ۱۹۷۱ء میں انگلش ٹیچنگ کا ڈپلوما کیا۔

۱۹۶۵ء میں گورنمنٹ انٹر کالج بستی سے تدریس کی ابتداء ہوئی۔پھر دیوریا، متھرا، اعظم گڈھ، محمد آباد، پتھوراگڈھ، باندہ اور اتر کاشی میں تبادلے ہوئے، آخری پڑاؤ غازی پور رہا جہاں گورنمنٹ سٹی انٹر کالج سے بحیثیت پرنسپل نہایت باوقار طریقے سے ۲۰۰۴ء میں ریٹائر ہوئے، جہاں بھی رہے بڑی شان اور وقار کے ساتھ رہے۔

غازی پور کے اخیر زمانہ میں جب کبھی ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز چھٹی پر جاتے تو

پورے ضلع کا چارج آپ کے پاس آجاتا تھا۔۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۸ء تک ٹیچرز ٹریز بھی رہے، ان ٹرینڈ ٹیچرز وغیرہ کو ٹرینڈ کرتے اوران کو مختلف مضامین کی تعلیم دیتے تھے۔

آپ کے تین بیٹے ہیں، جمال عبدالسمیع (سول انجینیر) مقیم دہرہ دون ۔نہال عبدالسمیع، جلال عبدالسمیع، اور دو بیٹیاں ہیں۔ریٹائرمنٹ کے بعد مستقل قیام گھرپر ہے۔

آپ کے بیٹے جمال عبدالسمیع (پ:۱۵/اپریل ۱۹۶۴ء) اس وقت دہرہ دون میں سول انجینیر ہیں۔انھوں نے خود اعلیٰ تعلیم حاصل کی اوراپنے بچوں کو بھی اعلیٰ تعلیم دلائی، اوراب ان کا مستقل قیام دہرہ دون میں ہے، اس لئے مختصراًان کا تذکرہ بھی کررہا ہوں۔

یہ ہمیشہ اپنے والد کے ساتھ ساتھ رہے، جہاں ان کا تبادلہ ہوتا ان کو ساتھ لے کر جاتے، تعلیم کا آغاز دیوریا سے ہوا، جہاں ان کے والد اس وقت تھے۔۱۹۷۸ء میں ہائی اسکول ویسلی انٹر کالج اعظم گڈھ سے کیا، اس وقت ان کے والد صاحب کی پوسٹنگ اعظم گڈھ میں تھی۔۱۹۸۰ء میں اسی کالج سے انٹر بھی کیا۔پھر ۱۹۸۳ء گورنمنٹ پالی ٹکنک اعظم گڈھ سے سول انجینیرنگ کی تعلیم مکمل کی۔اس وقت ان کے والد کی پوسٹنگ اتر کاشی میں تھی، وہ تجربہ کار وجہاں دیدہ انسان تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کو وہاں بلالیا اور دو انجینیر وں کے ہمراہ کردیا کہ ان کے ساتھ کام کریں تاکہ عملی زندگی کا تجربہ حاصل ہو اوراچھی طرح ٹرینڈ ہوجائیں۔۱۹۸۶ء میں پہلی پوسٹنگ چمولی اتراکھنڈ میں ہوئی جو ایک سرحدی علاقہ ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد دہرہ دون تبادلہ ہوگیا تو اب تک وہیں آس پاس کے علاقوں میں پوسٹنگ ہوتی رہتی ہے، اب تو وہاں مکان بناکر مستقل رہائش اختیار کرلی ہے۔ان کی چار اولادیں ہیں، ایک بیٹا اور تین بیٹیاں، سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔

بڑی بیٹی حنا پروین نے انفارمیشن ٹکنالوجی سے انجینیرنگ کی اوراس وقت اسٹیٹ بینک آف انڈیا میں سینیر منیجر ہے۔دو بیٹیاں ہما پروین ورخسار پروین ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، اور گورنمنٹ ہاسپٹل میں میڈیکل آفیسر ہیں۔ بیٹا وامق عبدالسمیع سول انجینیرنگ پاس کرنے کے بعد اس وقت آئی اے ایس کی تیاری کے سلسلہ میں دہلی میں ہے۔

ماسٹر اعجاز احمد صاحب

نام: اعجاز احمد بن حاجی محمد سلیمان بن حاجی محمد یعقوب بن حاجی محمد ایوب
تاریخ ولادت: ۳؍جون ۱۹۴۷ء

ماسٹر اعجاز احمد صاحب، خیرآباد محلّہ دکھن کے رہنے والے ہیں، میں نے ان سے چند ماہ انگریزی پڑھی ہے، ان کا اندازِ تدریس نہایت دلچسپ اور سہل ہے، انگریزی کی صلاحیت بہت اعلیٰ درجہ کی ہے، بے تکلف انگریزی لکھتے اور بولتے ہیں، حاضر جوابی میں مشہور ہیں۔

ان کی پرائمری اور فارسی کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، پرائمری میں مولانا شکراللہ صاحب ولید پوری سے خصوصی استفادہ کیا، کہتے ہیں کہ انھیں کے فیض صحبت سے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا جو اب تک جاری اور باقی ہے، فارسی مولانا انوار احمد مظاہری سے پڑھی جو اسی وقت نئے نئے فارغ ہوکر آئے تھے۔ فارسی پڑھنے کے بعد اسکول کا رخ کیا اور ہائی اسکول ٹاؤن انٹر کالج محمد آباد سے ۱۹۶۶ء میں کیا، اس کے بعد شبلی کالج اعظم گڈھ میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۶۸ء میں انٹر کیا، پھر یہیں سے ۱۹۷۲ء میں بی ایس سی کیا، اس کے بعد دو سال پٹنہ بی ان کالج میں رہے جہاں سے انگلش اسپیکنگ کورس (ڈپلوما) ۱۹۷۴ء میں کیا۔ اسی دوران جامعہ اردو علی گڈھ سے ادیب اور ادیب کامل کا امتحان دے کر سند حاصل کی۔

۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۹ء تک پانچ سال نیشنل انٹر کالج محمد آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد گھریلو کاروبار کی مشغولی کی وجہ سے باقاعدہ کہیں تدریسی خدمت تو انجام نہ دے سکے، لیکن قوم کے اندر تعلیمی روح بیدار کرنے اور قوم کے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا جذبہ ہمیشہ ان کے سینے میں فروزاں رہا، اس لئے کبھی گھر پر، کبھی اردو لائبریری میں تو کبھی اقراء پبلک اسکول میں، تو کبھی منبع العلوم میں تنخواہ ومشاہرہ سے بے نیاز

ہوکر تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ان کے اسی جذبے کی بدولت ان کے فیضان علمی سے میں بھی مستفید ہوا، ہم لوگوں کو عشاء بعد منبع العلوم میں آکر پڑھایا ہے۔ میں نے چندسال قبل اپنی تعلیمی روداد پچاسوں صفحات میں لکھی ہے،اس میں ماسٹر صاحب کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

''پرائمری درجہ پنجم میں ماسٹر اعجاز احمد صاحب سے شناسائی ہوئی، جب میں نے انگریزی زبان پر ان کی غیر معمولی دسترس کو دیکھا تو درخواست کی، کہ مجھے انگریزی پڑھادیں جسے انھوں نے منظور کرلیا، اور بعض شوقین طلبا کو بھی پڑھنے کی اجازت دی، اس میں کچھ عربی درجات کے لڑکے بھی تھے، ماسٹر صاحب رات میں پڑھانے آتے تھے،ان کا طرزِ تدریس وانداز تفہیم دل کو چھو لینے والا تھا، غیر محسوس طور پر ان کی باتیں دل میں اترتی چلی جاتی تھیں، مجھے اس وقت انگریزی سیکھنے کا جنون تھا، اگر کسی روز وہ نہیں آتے تو میں عبداللہ خالد اور کچھ ساتھیوں کو لے کر ان کے گھر چلا جاتا، ماسٹر صاحب کا لڑکا جاوید ہم لوگوں کا درسی ساتھی تھا، اس وقت عمر بھی یہی بارہ تیرہ سال تھی اس لئے بے تکلف گھر میں چلے جاتے تھے، ماسٹر صاحب کبھی گھر پر نہیں رہتے تو ان کی لڑکی شمع پروین جو اس وقت اقراء اسکول میں پڑھتی تھی ہماری کاپی دیکھ لیتی اور اس پر اگلا سبق لکھ دیتی تھی۔ دو تین ماہ ماسٹر صاحب سے انگریزی پڑھی، ان کے حسن تدریس کا کمال تھا کہ اس قلیل عرصہ میں اتنی انگریزی پڑھادی کہ معمولی خطوط لکھ لیا کرتا تھا اور لغت کی مدد سے چھوٹی چھوٹی کتابیں حل کر لیتا تھا، بس میری انگریزی کی کل کائنات یہی ہے۔کاش کہ کچھ روز انگریزی ذرا قاعدہ سے پڑھ لیتا، اب افسوس ہوتا ہے۔''

ماسٹر صاحب بڑے صاحب کمال انسان ہیں، اچھے استاذ ہونے کے ساتھ بہترین خطاط اور آرٹسٹ بھی ہیں، ان کے ہاتھ کی بنائی ہوئی منشی پریم چند کی ایک تصویر عرصہ تک اردو لائبریری میں تھی، ان کو اردو لائبریری اور اقراء پبلک اسکول سے گہرا لگاؤ ہے، ایک عرصہ تک لائبریری کے سکریٹری رہے، اس وقت اقراء پبلک اسکول کے آڈیٹر اور تعلیمات کے نگراں ہیں۔

ماسٹر صاحب کے تین بچے اور چھ بچیاں ہیں۔ ابوذر اعجاز، جاوید اعجاز اور شارق اعجاز۔ابوذر اور شارق نیشنل فٹبالر ہیں۔ بچیاں بھی سب تعلیم یافتہ ہیں۔

ماسٹر شمیم احمد خیرآبادی

نام: شمیم احمد بن مولوی نثار احمد بن حاجی برکت اللہ
تاریخ ولادت: ۱۵ر جون ۱۹۴۸ء بمقام خیرآباد ضلع مئو

استاذ محترم قاری وسیم احمد صاحب کے سب سے بڑے بھائی ہیں۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، ہائی اسکول نیشنل انٹر کالج محمد آباد سے کیا۔ بی ایس سی شبلی کالج اعظم گڈھ سے کیا۔ بی ایس سی کے بعد تین سرکاری محکموں میں ملازمت کے لئے درخواست دی، بینکنگ، ٹیلی گراف اور ریلوے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ تینوں جگہ سے منظوری آ گئی، تو انھوں نے اہل خانہ اور علماء سے مشورہ کے بعد محکمہ ٹیلی گراف کی ملازمت کو ترجیح دی۔

ان کی پہلی تقرری سینیر سپروائزر کی حیثیت سے دہرہ دون میں ۱۳ر نومبر ۱۹۶۷ء میں ہوئی، دو سال وہاں رہے۔ اس کے بعد گورکھپور تبادلہ ہو گیا، یہاں تین سال تک رہے۔ پھر لکھنؤ پوسٹنگ ہوئی جہاں سال بھر رہے، اس کے بعد بنارس تبادلہ ہوا اور یہ سروس کا آخری تبادلہ ثابت ہوا۔ دورانِ ملازمت اپنی ایمان داری و دیانت داری، حسن اخلاق اور پابندی صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے جہاں رہے ہر دل عزیز رہے، ان کے ماتحت تو ماتحت اعلیٰ افسران بھی دل سے عزت کرتے تھے، اخیر زمانے میں بینائی بالکل ختم ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے ملازمت سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے، لیکن محکمہ کے لوگ اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوئے اور کہتے تھے آپ کا جو کام بھی ہو گا ہم اس میں تعاون کریں گے۔ بنارس میں ۳۵ر سال رہنے کے بعد ۳۰ر جون ۲۰۰۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ اور یہیں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

۱۳ر مئی ۲۰۱۹ء میں انتقال ہوا، اولاد میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیٹے فرحان احمد اس وقت ہربل لائف نیوڈریشن کمپنی میں سپروائزر کی پوسٹ پر ہیں۔

ڈاکٹر جمیل احمد صاحب

نام: جمیل احمد بن حاجی عبدالعزیز بن محمد حسن سوداگر بن محمد ہاشم

تاریخ ولادت: ۶/ مارچ ۱۹۵۱ء

ڈاکٹر صاحب حاجی محمد ایوب صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی، اس کے بعد پرائمری اسکول خیرآباد میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں ٹاؤن ہائر سکنڈری اسکول محمد آباد سے ہائی اسکول کیا، اس کے بعد شبلی کالج اعظم گڑھ میں داخلہ لیا، وہاں تین سال تعلیم حاصل کر کے ۱۹۶۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۹۷۰ء میں بی ایس سی اور ۱۹۷۲ء میں ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی، پھر یہیں سے پی ایچ ڈی بھی کی۔

پی ایچ ڈی مکمل ہونے کے معاً بعد ۱۶/ نومبر ۱۹۷۶ء میں شبلی کالج میں لکچرر ہو گئے، جہاں تادم حیات ۱۹۹۶ء تک بڑے عزت ووقار کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی دوران کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے، آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ دہلی میں علاج شروع ہوا، جس کا سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا، خدا کے فضل سے صحتیاب ہو گئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی دوران سفر حج کے لئے درخواست دی جو منظور بھی ہو گئی، ۱۴/ اپریل ۱۹۹۶ء کو ممبئی سے فلائٹ تھی لیکن قضا وقدر کے فیصلے کچھ اور تھے، بیت اللہ کی حاضری سے پہلے ہی خود رب البیت کا بلاوا آ گیا اور کینسر کا مرض دوبارہ شدت اختیار کر گیا، حج کی فلائٹ سے دو ہفتہ قبل ۳۱/ مارچ ۱۹۹۶ء کو انتقال ہو گیا، حق تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ بعد میں ان کے بڑے بھائی حاجی محمد ایوب صاحب نے ان کا حج بدل کیا۔

ڈاکٹر صاحب کے تین بیٹے حاجی طفیل احمد، شکیل احمد، سہیل احمد اور ایک بیٹی ہے۔

ماسٹر معین الدین صاحب

نام: معین الدین بن حافظ رحمت اللہ بن حافظ عبدالغفور بن حافظ عنایت اللہ

تاریخ ولادت: ۱۲/دسمبر ۱۹۵۱ء

حافظ رحمت اللہ (امام صاحب) کے صاحبزادے ہیں۔ بہترین مدرس، نہایت ذہین وفطین اور انگریزی زبان وادب پر گہرا عبور رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں پرائمری چار تک ہوئی، اس کے بعد پرائمری اسکول خیرآباد میں پڑھا۔ ۱۹۶۹ء میں ٹاؤن انٹر کالج محمد آباد سے ہائی اسکول کیا۔ ۱۹۷۱ء میں شبلی کالج اعظم گڑھ سے انٹر کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۹ء میں وہاں سے بی ایس سی انجینیر نگ کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا قاری منظور صاحب بلجیم رہتے ہیں، ۱۹۸۲ء میں بلجیم گئے اور ۱۹۸۴ء میں وہاں سے ایم ٹیک کیا۔ یہیں سے حصولِ علم کا دور ختم ہوتا ہے۔

یکم /جنوری ۱۹۸۶ء کو اقراء پبلک اسکول ان کے گھر میں قائم ہوا، یہ اس کے بانیوں اور اولین مدرسین میں سے ہیں، پانچ سال تک یہاں پوری تندہی سے تعلیم دینے کے بعد ۱۹۹۲ء میں بھدوہی والوں کے غیر معمولی اصرار پر وہاں گئے اور ایک انگلش میڈیم اسکول ''مدر حلیمہ پبلک اسکول'' کی بنیاد ڈالی اور اول دن سے مسلسل ۱۱/ سال وہاں تدریسی خدمات انجام دیں، وہاں پرنسپل بھی رہے۔ جب ہیون گارڈن اسکول قائم ہوا تو ۴/جولائی ۲۰۰۳ء میں یہاں آگئے، یہاں بھی پرنسپل کے منصب پر رہے۔ آخر الذکر دونوں جگہ پر ابتداء سے لے کر انٹر تک فزکس اور ریاضی کی تعلیم دی۔ اس وقت اسی اسکول میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ایک بیٹا محمد یاسر اور تین بیٹیاں ہیں، چھوٹی بیٹی نے ایم ایس سی اور بی ایڈ کیا ہے۔

ماسٹر فہیم احمد خیرآبادی

نام: فہیم احمد بن مولوی نثار احمد بن حاجی برکت اللہ
تاریخ ولادت: ۱۵؍دسمبر ۱۹۵۳ء بمقام خیرآباد ضلع مئو

استاذ محترم قاری وسیم احمد صاحب کے بڑے بھائی ہیں، نہایت ذہین وفطین، اعلیٰ تدریسی صلاحیتوں کے حامل، نیک وصالح، متواضع ومنکسر المزاج اور انتہائی بااخلاق انسان تھے۔ ایک عرصہ سے بنارس میں سکونت اختیار کرلی تھی، اب ان کے اہل وعیال وہیں ہیں۔

ابتدائی تعلیم درجہ پرائمری تک مدرسہ منبع العلوم میں حاصل کی۔ اس کے بعد جونیر ہائی اسکول محمد آباد سے ۱۹۷۰ء میں ہائی اسکول کیا، ۱۹۷۳ء میں ٹاؤن انٹر کالج سے انٹر میڈیٹ کیا، شبلی نیشنل کالج سے ۱۹۷۵ء میں بی اے کیا۔ ایم اے (اکنامکس) ۱۹۷۷ء میں مہاتما گاندھی کاشی ودیاپیٹھ وارانسی سے۔ بی ایڈ ۱۹۷۸ء میں لال بہادر شاستری ڈگری کالج مغلسرائے سے۔ ایم ایڈ ۱۹۹۴ء میں مہاتما گاندھی کاشی ودیاپیٹھ وارانسی سے۔ اس کے علاوہ جامعہ اردو علی گڈھ سے ۱۹۶۸ء میں ادیب اور ۱۹۷۴ء میں ادیب کامل کا امتحان پاس کیا۔

تدریس: تدریسی زندگی کا آغاز اپنی مادر علمی مدرسہ منبع العلوم خیرآباد سے کیا، جہاں ۲۵؍مئی ۱۹۷۱ء سے ۳۰؍جون ۱۹۷۲ء تک سال بھر تک تدریسی خدمات انجام دیں۔

چند ماہ (۲۶؍مئی تا ۳۰؍نومبر ۱۹۷۷ء) جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں رہے۔

۱۹۷۸ء میں مولانا آزاد انٹر کالج خلیل آباد بستی میں اکنامکس کے لیکچرر کی حیثیت سے تقرری ہوئی، تقریباً سال بھر وہاں رہے۔ اس کے بعد ۳۱؍جولائی ۱۹۷۹ء کو نیشنل انٹر کالج پیلی کوٹھی وارانسی میں بطور لیکچرر تقرری ہوئی، یہاں تدریس کے ساتھ تقریباً ۱۴؍سال

تک نائب پرنسپل، کئی سال تک قائم مقام پرنسپل اور یکم رجولائی ۲۰۰۵ء سے ۳۰رجون ۲۰۱۳ء تک پرنسپل رہے۔ پرنسپل کے عہدہ پر رہتے ہوئے ہی ۳۰رجون ۲۰۱۳ء کو ریٹائر ہوئے۔

ماسٹر صاحب کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال تھی، مختلف اداروں اور تنظیموں کے سرپرست تھے، اور یہ سرپرستی صرف نام کی حد تک نہ تھی بلکہ عملاً اس میں شریک رہتے تھے۔ آپ کی صحت ہمیشہ اچھی رہی، گزشتہ رمضان میں طبیعت کچھ خراب ہوئی، دوتین ہفتہ بیمار رہے اور ۴رشوال ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۸رمئی ۲۰۲۰ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملے، رحمہ اللہ

ماسٹر صاحب کے ۴رلڑکے اور ۳رلڑکیاں ہیں۔ ماشاءاللہ سب تعلیم یافتہ ہیں۔

☆ ڈاکٹر احتشام الحق (بی۔یو۔ایم۔ایس) کانپور (ایم۔اے۔(اردو اور سماجیات) ادیب کامل، معلم اردو، فاضل طب۔ رسول پورہ، بڑی بازار بنارس میں ان کا ذاتی کلینک ہے۔

☆ احترام الحق بی۔اے، ایم۔اے۔) ہندی (ادیب کامل، معلم اردو، فاضل دینیات۔ استاد جامعہ عربیہ مطلع العلوم کمن گڑھا بنارس۔ ☆ فیضان الحق بی۔ایس۔سی۔ ایم۔ایس۔سی۔بی۔ایڈ۔، کامل۔ ٹیچر۔ گورنمنٹ اسکول، بہرائچ۔ ☆ عرفان الحق بی۔اے ایم۔اے (اردو اور سماجیات) بی ٹی سی۔کامل، فاضل دینیات۔ ان کی تعلیم جاری ہے۔

استاذ محترم قاری وسیم احمد صاحب ماسٹر صاحب کی وفات کے بعد اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، جن سے ان کے اوصاف حسنہ پر روشنی پڑتی ہے:

> برادر معظم پیکر خلق حسن واعلیٰ کردار کے مالک تھے، متواضع وملنسار، لوگوں کے غم خوار اور بڑے ہی خدمت گزار، نہایت بردبار، عمدہ عادات واطوار کے ساتھ کریم النفس اور سلیم الطبع تھے۔ لوگوں کے کام آنا اور خدمت کرنا ان کا شیوۂ زندگی تھا۔ خیرآباد گھر پر آتے تو اہل محلّہ اور گاؤں کے لوگوں سے مل کر گاؤں محلے کے حالات معلوم کرتے، مرحومین کے یہاں تعزیت کے لئے جاتے، بیماروں کی عیادت کرتے، نماز کے لئے مسجد جاتے، تو تمام مصلیان سے مل کر سلام ومصافحہ کرتے اور سب کے گھر کے احوال معلوم کرتے، بلکہ لوگ خود نماز سے فارغ ہوکر بھیا سے ملاقات کے منتظر رہتے، عجیب ایک الفت ومحبت اور اپنائیت کا مظاہرہ ہوتا۔

ڈاکٹر نعمان احمد (پی ایچ ڈی)

نام: نعمان احمد بن حاجی محمد الیاس بن عبدالجبار بن حاجی محمد طیب بن شیخ محمد

تاریخ ولادت: ۱۱/اگست ۱۹۵۸ء

خیرآباد کے ان چند عصری تعلیم یافتہ لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ان کی ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، پرائمری درجہ پنجم کے بعد مڈل یعنی درجہ ۸ تک نیشنل انٹر کالج محمد آباد میں تعلیم حاصل کی، ہائی اسکول ۱۹۷۳ء میں ٹاؤن انٹر کالج محمد آباد سے کیا اور وہیں سے ۱۹۷۵ء میں انٹر کیا۔اس کے بعد ڈی سی ایس کے ڈگری کالج مئو میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۷۷ء میں بی اے کیا، اس کے بعد شبلی کالج اعظم گڑھ سے ۱۹۷۹ء میں ایم اے کیا۔انھوں نے پی ایچ ڈی کے لئے گورکھپور یونیورسٹی کا انتخاب کیا، جہاں ڈاکٹر احمر لاری کی نگرانی میں ''اردو نظم میں سماجی مسائل'' کے عنوان پر ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹریٹ کی تکمیل کی۔

ہمارا گاؤں ایک صنعتی گاؤں ہے، میں نے بچپن سے یہی محسوس کیا ہے کہ یہاں تعلیم سے زیادہ صنعت وتجارت کو اہمیت دی گئی، میں نے دیکھا ہے کہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات پڑھنے کے بعد تجارت میں لگے اور ان کے علم کا فائدہ قوم کو نہ مل سکا۔ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بھی یہی ہوا اور پڑھنے کے بعد کاروبار اور تجارت سے منسلک ہو گئے، لیکن انھوں نے اپنی اولادوں کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ان کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

بڑے بیٹے احمد ہشام نے انٹی گرل یونیورسٹی لکھنؤ سے ایم ٹیک کیا ہے۔ایک بیٹی فردوس تبسم بی یو ایم ایس ڈاکٹر ہے، دوسری بیٹی ناہید تبسم گورنمنٹ میڈیکل کالج بہرائچ سے ایم بی بی ایس کر رہی ہے۔بقیہ بیٹے بیٹیاں بھی زیر تعلیم ہیں۔

حاجی ممتاز احمد (بی کام)

نام: ممتاز احمد بن حاجی صغیر احمد بن حاجی محمد سلیمان بن حاجی محمد حسین بابو☆ بن محمد ہاشم
تاریخ ولادت: یکم/جولائی ۱۹۶۷ء

خیرآباد کے ایک معروف خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے والد حاجی صغیر احمد صاحب گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہیں، میرے والد سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ ممتاز بھائی حاجی صاحب کے منجھلے بیٹے ہیں، ان سے چھوٹے حافظ ارشاد احمد تھے جن کا دسمبر ۱۹۸۳ء میں بلڈ کینسر کی بیماری میں انتقال ہوگیا۔ اوران سے بڑے حاجی انوار احمد صاحب ہیں۔

ابتدائی تعلیم پرائمری درجہ پنجم تک مدرسہ منبع العلوم میں ہوئی، اس کے بعد نیشنل انٹر کالج محمد آباد سے مڈل تک پڑھنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں الہ آباد چلے گئے، جہاں گورنمنٹ انٹر کالج الہ آباد سے ۱۹۷۸ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۸۰ء میں انٹر کیا۔ پھر علی گڑھ سے ۱۹۸۶ء میں بی کام کیا۔ ان کے والد گاؤں کے ممتاز تاجروں میں سے ہیں، اس لئے بی کام کی تکمیل کے بعد ان کو بھی گھر آکر تجارتی امور کا حصہ بننا پڑا، لیکن اسی کے ساتھ سیاسی، سماجی اور رفاہی امور میں بھی بقدر فرصت حصہ لیتے رہتے ہیں، ایک عرصہ تک ینگ انصار اسپورٹنگ کلب کے سکریٹری رہے۔ ان کا ایک اہم کام اپنی والدہ زینب (و: ۲۵ جون ۱۹۸۵ء/۶/شوال ۱۴۰۵ھ م) کی یاد میں ''زینب میموریل ہاسپٹل'' کا قیام (۹/دسمبر ۱۹۹۶ء) ہے، جس کے یہ مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں، یہ اپنی نوعیت کا خیرآباد کا پہلا ہاسپٹل ہے، اللہ تعالیٰ اسے استحکام عطا کرے اور نافع بنائے۔

ان کی پانچ اولادیں ہیں، ایک بیٹا اور چار بیٹیاں۔ انھوں نے سبھی کو اعلیٰ عصری تعلیم دلانے کا اہتمام کیا۔ بڑی بیٹی رخشاں ممتاز اور بیٹا احمر ممتاز ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں، احمر سے چھوٹی بیٹی فائزہ اس وقت ایل ایل ایم کررہی ہے، بقیہ بیٹیاں بھی زیر تعلیم ہیں۔

☆ حاجی صغیر احمد صاحب بتاتے ہیں کہ ان کے دادا حاجی محمد حسین بابو کا انتقال سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں ہوا۔

یـــــا د داشت

Tarikh-e-Khairabad
aur
Tazkera Ulama wa Danishwaran

رب کریم کے فضلِ بے پایاں وعنایتِ بے کراں کے طفیل "**تاریخ خیرآباد اور تذکرہ علماء ودانشوراں**" آپ کے سامنے ہے۔ ہم نے اپنے تئیں اسے خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، لیکن یہ گاؤں کی تین سو سالہ تاریخ کی ترتیب کا نقش اولیں ہے، اس لئے یقیناً اس میں بہت سی کمیاں اور کوتاہیاں ہوسکتی ہیں، بہت سے واقعات اور لوگوں کا تذکرہ رہ گیا ہوگا، اس لئے گاؤں سے محبت اور تعلق رکھنے والوں سے ہماری گزارش ہے کہ اسے بغور پڑھیں اور تنقید وتنقیص کے بجائے جو کمی محسوس کریں اس کی نشاندہی کریں اور جو کچھ اضافہ کرسکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں تاکہ اس کا نقش ثانی بہتر سے بہتر صورت میں سامنے آسکے۔ ہمیں خود اپنی نارسائی کا اعتراف ہے، لیکن اتنا تو ضرور ہوا کہ اس محنت کے نتیجہ میں گاؤں کی ایک مرتب تاریخ سامنے آگئی، اب لوگ آگے بڑھیں اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں حصہ لیں۔

ISBN 93-91105-82-3

MAKTABA ZIAUL KUTUB

Khairabad Distt Mau-276403 U.P., Mob.: 9235327576